مسلم خواتین کی اعلیٰ اقدار کے روشن تذکرے

سُنہری کرنیں

عبد المالک مجاہد

دار السلام
DARUSSALAM

سنہری کرنیں
مسلم خواتین کی اعلیٰ اقدار کے روشن تذکرے

سُنہری کرنیں

مسلم خواتین کی اعلیٰ اقدار کے روشن تذکرے

تالیف

عبدالمالک مجاہد

دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

ریاض • جدہ • الخبر • شارجہ

لاہور • لندن • ہیوسٹن • نیویارک

انتساب

میں یہ کتاب اپنے پیارے والدین کرام جو اگرچہ اس دار فانی میں نہیں ہیں مگر ان کی محبتیں اور شفقتیں ہمہ وقت میرے ساتھ رہتی ہیں اور اپنی مونس وغمگسار رفیقۂ حیات حافظہ امیمہ فردوس' پرنسپل مدرسہ عفراء بنت عبید الانصاریہ' ریاض' جن کی حسین رفاقتوں میں روز و شب میرا حوصلہ بڑھتا ہے اور قرۃ العین عزیزہ حافظہ امامہ مجاہد اور ریحانۃ البیت عزیزہ حافظہ عفراء مجاہد کے نام معنون کرتا ہوں۔

عبد المالک مجاہد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مؤلف

جب میں تاریخ کی کتابوں کا مطالعہ کر رہا تھا اور منتخب واقعات کو نشان زد کرتا جا رہا تھا تو میں نے محسوس کیا کہ ان میں خواتین سے متعلق واقعات کی کوئی کمی نہیں۔ چنانچہ میں نے اسی وقت طے کر لیا کہ ''سنہرے اوراق'' کے بعد دوسری کتاب ''سنہری کرنیں'' کے نام سے خواتین سے متعلق واقعات پر مشتمل ہونی چاہیے۔

اسلام نے خواتین کو جو مقام عطا کیا ہے اور انہیں جو اہمیت دی ہے اس کی مثال دنیا کا کوئی دوسرا مذہب دینے سے قاصر ہے۔ بھلا اور کس مذہب میں آپ کو ملے گا کہ ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے' اور کس مذہب کے رہنما آپ کو بتائیں گے کہ ہماری خدمت اور حسن سلوک کی سب سے زیادہ حقدار ہماری مائیں ہیں ...... اور حقیقت یہی ہے کہ شروع ہی سے ہماری نو زائیدہ نسلیں اپنی بالیدگی' تربیت اور نشوونما کے لیے اپنی ماؤں کی محتاج رہی ہیں۔ بچوں کی تربیت اور ان کی مناسب انداز میں اٹھان اتنا بڑا کام ہے اور اس کے لیے اتنی توجہ' صبر' محبت اور محنت کی ضرورت ہوتی ہے کہ جو مرد کے بس سے باہر کی بات ہے۔ یہ صرف خواتین ہی سمجھ سکتی ہیں کہ اس عظیم کام میں انہیں کتنی صعوبت اٹھانی پڑتی ہے' کن کن جذباتی کیفیتوں سے گزرنا پڑتا ہے' کس طرح راتوں کو جاگنا پڑتا ہے اور دنوں میں تربیت کی مشقت برداشت کرنا

پڑتی ہے۔ قوم کی تعمیر کے ان مرحلوں میں عورت کو ذہانت و دوراندیشی بھی درکار ہوتی ہے' انسانیت کے اعلیٰ اصولوں سے واقفیت بھی اور زندگی کی اعلیٰ قدروں سے شناسائی بھی' مذہبی تعلیمات سے بھی آشنا ہونا پڑتا ہے اور دنیا کے بدلتے رجحانات سے بھی...... اور پھر اس طرح اپنے ماضی' حال اور مستقبل سے جڑی ہماری نئی نسل اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے تیار ہوتی ہے۔ اسی بنا پر ایک عورت اپنے ہر رشتے کے اعتبار سے مقدس و محترم ہوتی ہے چاہے وہ ایک ماں' نانی' دادی' بہن' بیٹی' خالہ اور پھوپھی کے روپ میں ہو یا ساس' بہو اور بیوی کے روپ میں۔

عورت کی شخصیت کے ایسے تمام پہلو جن میں اس کی ذہانت' شجاعت' تقوی' پرہیزگاری اور بہادری ظاہر ہوتی ہو' اس کتاب کی زینت ہیں۔ پیش کردہ تمام واقعات دلچسپ اور سچے ہیں لیکن میری درخواست ہے کہ ان کو جرح وتعدیل کے معیار پر نہ پرکھا جائے بلکہ ان کے پس پردہ موجود حکمتوں اور نصیحتوں پر توجہ مرکوز رکھی جائے۔

میں اس ضمن میں اپنی اہلیہ کی بھرپور مدد کا شکرگزار ہوں' انہوں نے کتاب کی خوبصورتی' ترتیب اور واقعات کے انتخاب میں جس طرح قدم قدم پر میرا ساتھ دیا ہے اور کتاب کو جلد منظر عام پر لانے کے لیے جو کوششیں صرف کی ہیں' میں ان کا معترف ہوں۔ کتاب کی تالیف کے سلسلے میں ہر ہر مرحلے پر ان کے مشورے' ان کی دلچسپی' ان کا اشتیاق اور ان کی عرق ریزی کتاب کے ہر ہر صفحے سے نمایاں ہے۔

دار السلام ریاض کی علمی کونسل کے اراکین جناب رضوان اللہ ریاضی اور قاری محمد اقبال صاحبان کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کی تکمیل میں میری معاونت کی۔ مقام مسرت ہے کہ دار السلام لاہور برانچ کے سینئر ریسرچ فیلو محترم محسن فارانی صاحب نے اس کو لفظاً لفظاً پڑھا۔ بعض تسامحات کی نشان دہی کی اور اس کی نوک پلک کو بھی درست کیا۔ اس کے ڈیزائن میں ادارے کے حُسن کار محمد ذوالفقار اور نجم الجید نے خاصی دلچسپی لی اور اس کو خوبصورت بنایا۔ میں ان تمام رفقاء کا شکر گزار ہوں۔

مجھے امید ہے کہ اس کتاب کے مطالعے سے نہ صرف تمام خواتین اور بچیوں میں بہتری کا ایک نیا ولولہ اور جذبہ پیدا ہو گا بلکہ مطالعہ کرنے والے مردوں کو بھی اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ شجاعت' ذہانت اور صبر و تحمل کی صفات کس طرح بھرپور انداز میں عورتوں میں بھی موجود رہتی ہیں۔

اب آپ کتاب کا مطالعہ شروع کریں اور خواتین اسلام کی عظمت کا مشاہدہ فرمائیں۔

والسلام

عبدالمالک مجاہد

03-05-2005

فہرستِ مضامین

01

چاند میرے حُجرے میں

موطاً امام مالک میں یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا:

«رَأَيْتُ ثَلَاثَةَ أَقْمَارٍ سَقَطْنَ فِي حُجْرَتِي، فَقَصَصْتُ رُؤْيَايَ عَلَى أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ».

''میں نے خواب میں دیکھا کہ تین چاند میرے حجرے میں گرے ہیں۔ میں نے اپنے خواب کا تذکرہ (اپنے والد محترم) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کیا۔''

طبقات ابن سعد کی روایت میں ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تم نے اس خواب کی تعبیر کیا کی ہے؟ میں نے عرض کیا: «أَوَّلْتُهَا وَلَدًا مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ» ''میں نے اپنے طور پر یہ تعبیر کی ہے کہ میرے ہاں رسول اللہ ﷺ سے اولاد پیدا ہوگی۔''

یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خاموش رہے۔

پھر جب رسول اکرم ﷺ کا انتقال ہوگیا اور آپ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں دفن کیے گئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے (خواب کی تعبیر کے طور پر) فرمایا:

«هٰذَا أَحَدُ أَقْمَارِكِ وَهُوَ خَيْرُهَا».

''تمہارے ایک چاند یہ ہیں اور بقیہ دونوں چاندوں سے بہتر ہیں''۔

(موطأ امام مالک، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی دفن المیت: 232/1)

بعد میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں دفن ہوئے۔

02

صحابیہ کی شان بے نیازی

ایک روز نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک آدمی نے پکا ہوا کچھ گوشت پیش کیا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! یہ کسی محتاج مسلمان کے لیے رکھ لیں۔

اس وقت نبی کریم ﷺ کے ساتھ جو فقراء تھے وہ رات کا کھانا تناول کر چکے تھے۔ آپ نے ان سے پوچھا: ''کیا تم میں سے کسی کو گوشت کی ضرورت ہے؟'' انہوں نے عرض کیا: ''نہیں اے اللہ کے رسول (ﷺ)! ہم کھانے سے فارغ ہو چکے ہیں۔''

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اے ابو ہریرہ![1]

---

(1) یہ صحابی جلیل عبدالرحمن بن صخر الدوسی ہیں، رسول اکرم نے آپ کی کنیت ابوہریرہ رکھی تھی۔ آپ کی والدہ میمونہ بنت صبیح بن حارث نے اسلام قبول کیا اور حالت اسلام ہی میں وفات پائی۔ ابوہریرہ نے رسول اکرم ﷺ سے احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ روایت کیا ہے، آپ کا شمار حفاظ صحابہ کرام میں ہوتا ہے۔ امام بخاری کہتے ہیں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحابہ وتابعین وغیرہم کے آٹھ سو یا اس سے بھی زائد اہل علم نے حدیث کی روایت کی ہے۔ آپ صادق، حافظ، دین دار، عبادت گزار، تقوی شعار اور عمل صالح کا پیکر تھے۔ غزوہ خیبر کے سال 7 ہجری میں اسلام قبول کیا اور رسول اکرم ﷺ کی وفات تک آپ ہی کے ساتھ رہے۔ صرف اس مدت میں آپ ﷺ کی معیت سے محروم رہے جب علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بحرین کی

یہ گوشت لے جا کر فلاں انصاریہ کو دے دو۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ گوشت دینے کے لیے انصاریہ کے گھر پہنچے اور دروازے پر دستک دی۔

آواز آئی: کون؟

جواب دیا: ابو ہریرہ۔

خاتون نے پوچھا: ابو ہریرہ! خیریت تو ہے؟

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا: رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے اور تیرے بچوں کے لیے یہ گوشت بھیجا ہے۔

وہ کہنے لگیں: رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا سلام کہہ دیں اور میری طرف سے یہ عرض کر دیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے، میرے بچے کھانا کھا کر سو چکے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ گوشت رکھ لیں، کل آپ کے بچے بیدار ہوں گے تو کھائیں گے۔

طرف روانہ ہوئے تھے۔ ۵۹ھ میں انتقال فرمایا اور حضرت ولید بن عتبہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کی وفات عقیق میں آپ کے گھر ہی میں ہوئی تھی۔ پھر آپ کا جنازہ مدینہ منورہ لے جایا گیا اور وہاں لوگوں نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی اور قبرستان بقیع میں دفن کیے گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحمتوں کی بارش نازل فرمائے اور آپ سے راضی ہو۔

02

خاتون نے جواباً کہا: اے ابوہریرہ!
رسول اکرم ﷺ سے پوچھیں' آپ سے عرض
کریں کہ کیا آپ کل تک میرے بچوں کی زندگی کی ضمانت
دے سکتے ہیں؟ اے ابوہریرہ! یہ گوشت لے جائیں اور اسے دے
دیں جو ہم سے زیادہ محتاج وضرورت مند ہے۔

اور اس کی آنکھ کھل گئی.......

بخاری و مسلم میں ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إِذَا أَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلَى أَهْلِهِ يَحْتَسِبُهَا فَهُوَ صَدَقَةٌ».

''اگر کوئی شخص اپنے اہل وعیال پر ثواب کی نیت سے خرچ کرے تو یہ اس کے لیے صدقہ ہے۔'' (بخاری: 55، مسلم: 1002)

اور ایک دوسری حدیث میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللهِ إِلَّا أُجِرْتَ بِهَا، حَتَّى مَا تَجْعَلُ فِي فِيِّ امْرَأَتِكَ».

''تم جو کچھ بھی خرچ کرو جس سے اللہ کی رضا مطلوب ہو تو اس پر تمہیں اجر اور ثواب ملے گا' یہاں تک کہ اپنی بیوی کے منہ میں ایک لقمہ بھی رکھو تو اس کا بھی ثواب ہے۔'' (بخاری: 1295، مسلم: 1628)

اب ایک تیسری حدیث صحیح مسلم سے پڑھتے ہیں۔ پھر ہم ان تینوں احادیث پر غور کریں گے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا:

«فِي بُضْعِ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ».

''اگر کوئی اپنی بیوی کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم کرے تو اس میں بھی اجر وثواب ہے''۔

صحابہ کرام نے تعجب سے پوچھا:

«يَا رَسُولَ اللهِ، أَيَأْتِي أَحَدُنَا شَهْوَتَهُ وَيَكُونُ لَهُ فِيهَا أَجْرٌ».

''اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کوئی شخص اپنی شہوت پوری کرتا ہے تو اس میں بھی ثواب ہے؟''

ارشاد ہوا: «أَرَأَيْتَ لَوْ وَضَعَهَا فِي حَرَامٍ أَكَانَ عَلَيْهِ فِيهَا وِزْرٌ».

''تمہارا کیا خیال ہے اگر یہ شخص اپنی شہوت بیوی کے علاوہ حرام کے راستے سے پورا کرے تو کیا اس کو گناہ ہوگا یا نہیں؟''

«فَكَذَلِكَ إِذَا وَضَعَهَا فِي الْحَلَالِ كَانَ لَهُ أَجْرٌ».

''اسی طرح اگر وہ حلال کے راستے کو اختیار کرتا ہے تو اس کے لیے اجر اور ثواب ہوگا۔'' (مسلم:1006)

یہ تینوں احادیث جن کا اوپر ذکر ہوا ہے، بخاری اور مسلم کی ہیں، لہٰذا ان کی صحت میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ ان احادیث میں

عورت کی عزت و تکریم کی طرف
اشارہ ہے اور میاں بیوی کے درمیان بہترین
تعلقات پیدا کرنے اور ازدواجی زندگی میں پیدا ہونے والے
اختلافات سے بچنے کی ترکیب بیان کی گئی ہے۔

اگر ان احادیث پر غور و فکر اور تدبر کیا جائے تو آج گھروں میں جو عائلی
اختلافات رونما ہوتے ہیں، ان کا مکمل حل موجود ہے۔ ہمارے ہاں ذرا ذرا سی
بات پر عورت کو طلاق طلاق طلاق کہہ کر گھروں کو برباد کر دیا جاتا ہے' بچے تربیت
سے محروم رہ جاتے ہیں اور عورت کو کسی اندھے غار میں دھکیل دیا جاتا ہے!

اسلام نے عورت کو عزت و تکریم عطا کی۔ دنیا بھر میں حقوق نسواں کی علمبردار تنظیموں
نے اپنے منشور میں عورت کو وہ مقام عطا نہیں کیا جو اسلام نے عورت کو دیا۔

ایک واقعہ بیان کیا جا رہا ہے' ذرا اس پر غور فرمائیں آپ کے بہت سے
سوالوں کے جواب مل جائیں گے: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی
ہیں کہ ایک دن میرے پاس ایک عورت اپنی دو بچیوں سمیت آئی اور مجھ
سے کھانے کے لیے کچھ مانگا۔ اتفاق سے گھر میں اس وقت ایک کھجور
کے سوا کچھ نہ تھا۔ میں نے وہی کھجور اس عورت کو دے
دی۔ عورت نے اس کھجور کے دو حصے کیے اور آدھا
آدھا دونوں بچیوں کو دے دیا۔ خود

اس کے حصے میں کچھ نہ آیا۔

ام المومنین کو بڑا تعجب ہوا۔تھوڑی دیر کے بعد جب اللہ کے رسول ﷺ گھر میں تشریف لائے تو ان سے یہ قصہ بیان کیا۔اللہ کے رسول ﷺ نے اس واقعہ کو سن کر جو الفاظ ارشاد فرمائے وہ حقوق نسواں کی نام نہاد تنظیموں کے لیے تازیانہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ارشاد فرمایا:

«مَنِ ابْتُلِيَ مِنْ هٰذِهِ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ، فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ».

''جو شخص بیٹیاں دے کر آزمایا گیا، پھر وہ ان کی اچھی تربیت کرے تو قیامت کے دن یہ لڑکیاں اس کے لیے جہنم سے آڑ بن جائیں گی''۔

(مسلم:2629،بخاری:1418)

یہ احادیث کسی بھی مسلم گھرانے کے لیے بے پناہ خوشی و مسرت کا باعث ہیں۔ جب ان کے ہاں بچیاں پیدا ہوتی ہیں تو دیندار والدین اس سے خوش ہوتے ہیں کہ یہ بچیاں ان کے لیے جنت کا دروازہ کھول رہی ہیں۔

ایسے والدین جن کے پاس بیٹیاں ہیں یا بیٹوں سے زیادہ ہیں تو ان کو لڑکی کی پیدائش پر افسوس نہیں بلکہ خوشی کا اظہار کرنا چاہیے کہ بیٹی تو والدین کے لیے رحمتیں لے کر آتی ہے۔

03

تاریخ میں ایک دلچسپ قصہ ملتا ہے' وہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

ایک شخص کے ہاں صرف بیٹیاں تھیں۔ ہر مرتبہ اس کو امید ہوتی کہ اب تو بیٹا پیدا ہوگا مگر ہر بار بیٹی ہی پیدا ہوتی۔ اس طرح اس کے ہاں یکے بعد دیگرے چھ بیٹیاں ہوگئیں، اس کی بیوی کے ہاں پھر ولادت متوقع تھی۔ وہ ڈر رہا تھا کہ کہیں پھر لڑکی پیدا نہ ہو جائے۔ شیطان نے اس کو بہکایا' چنانچہ اس نے ارادہ کرلیا کہ اب بھی لڑکی پیدا ہوئی تو وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے گا۔

اس کی کج فہمی پر غور کریں! بھلا اس میں بیوی کا کیا قصور؟ رات کو سویا تو اس نے عجیب و غریب خواب دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ قیامت برپا ہوچکی ہے، اس کے گناہ بہت زیادہ ہیں جن کے سبب اس پر جہنم واجب ہوچکی ہے' لہٰذا فرشتوں نے اس کو پکڑا اور جہنم کی طرف لے گئے۔

پہلے دروازے پر گئے تو دیکھا کہ اس کی ایک بیٹی وہاں کھڑی تھی جس نے اسے جہنم میں جانے سے روک دیا۔ فرشتے اسے لے کر دوسرے دروازے پر چلے گئے، وہاں اس کی دوسری بیٹی کھڑی تھی جو اس کے لیے آڑ بن گئی۔ اب وہ تیسرے دروازے پر اسے لے گئے،

وہاں تیسری لڑکی کھڑی تھی جو رکاوٹ
بن گئی۔ اس طرح فرشتے جس دروازے پر اس کو
لے کر جاتے وہاں اس کی ایک بیٹی کھڑی ہوتی جو اس کا دفاع
کرتی اور جہنم میں جانے سے روک دیتی۔ غرضیکہ فرشتے اسے جہنم کے
چھ دروازوں پر لے کر گئے مگر ہر دروازے پر اس کی کوئی نہ کوئی بیٹی رکاوٹ
بنتی چلی گئی۔ اب ساتواں دروازہ باقی تھا۔ فرشتے اس کو لے کر اس دروازے کی
طرف چل دیے۔ اس پر گھبراہٹ طاری ہوئی کہ اس دروازے پر میرے لیے
رکاوٹ کون بنے گا۔ اسے معلوم ہو گیا کہ جو نیت اس نے کی تھی، غلط تھی۔ وہ شیطان
کے بہکاوے میں آ گیا تھا۔ انتہائی پریشانی اور خوف و دہشت کے عالم میں اس کی
آنکھ کھل چکی تھی اور اس نے رب العزت کے حضور اپنے ہاتھوں کو بلند کیا اور دعا کی:
«اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا السَّابِعَۃ» ”اے اللہ! مجھے ساتویں بیٹی عطا فرما۔“

اس لیے جن لوگوں کا قضا وقدر پر ایمان ہے، انہیں لڑکیوں کی پیدائش پر رنجیدہ
خاطر ہونے کی بجائے خوش ہونا چاہیے۔ ایمان کی کمزوری کے سبب جن
بدعقیدہ لوگوں کا یہ تصور بن چکا ہے کہ لڑکیوں کی پیدائش کا سبب ان کی
بیویاں ہیں، یہ سراسر غلط ہے۔ اس میں بیویوں کا یا خود ان کا کوئی
عمل دخل نہیں بلکہ میاں بیوی تو صرف ایک ذریعہ
ہیں، پیدا کرنے والی ہستی تو صرف

اللہ وحدہ

لاشریک ہے۔ وہی جس کو چاہتا ہے
لڑکا دیتا ہے، جس کو چاہتا ہے لڑکی دیتا ہے، جس
کو چاہتا ہے لڑکے اور لڑکیاں ملا کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے
بانجھ بنا دیتا ہے۔ ایسی صورت میں ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اللہ کی قضا
وقدر پر راضی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ شوریٰ میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَن يَشَاءُ إِنَٰثًا وَيَهَبُ لِمَن يَشَاءُ الذُّكُورَ ۝ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَٰثًا وَيَجْعَلُ مَن يَشَاءُ عَقِيمًا إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ﴾.

"آسمانوں کی اور زمین کی سلطنت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے، یا پھر لڑکے اور لڑکیاں ملا جلا کر دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے، وہ بڑے علم والا اور کامل قدرت والا ہے۔" (شوریٰ: 49'50)

04

مسلمانو! کیا تم بھی؟

جرمنی کا چانسلر ترکی کے دورے پر آیا۔

وزارت ثقافت و تعلیم ترکیہ نے اس کے بے مثال استقبال کا پروگرام بنایا۔ اپنی ثقافت' اپنی تہذیب دکھانے کے لیے اور اپنے آپ کو ایک ایڈوانس ملک ثابت کرنے کے لیے وہ بعض اسکولوں کی نوجوان بچیوں کو سڑکوں پر لے آئے۔ سڑکوں کے کنارے نوجوان بے پردہ لڑکیاں پھول لے کر کھڑی تھیں۔ وہ جہاں سے گزرتا اس پر پھول نچھاور کیے جاتے۔

جرمن چانسلر نے جب لڑکیوں کے لباس کو دیکھا تو اسے بے حجابی کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ اس نے ذمہ داران حکومت ترکیہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''میں جب ترکی آ رہا تھا تو میرا خیال تھا میں ایک اسلامی ملک جا رہا ہوں' وہاں مجھے خواتین میں اسلامی پردہ اور اسلامی اقدار نظر آئیں گی۔ مگر یہاں تو مجھے بے پردگی ہی نظر آئی۔ یورپ میں یہی چیز تو ہمیں لے ڈوبی ہے، گھرانے تباہ و برباد ہو گئے، رشتے داریاں ختم ہو گئیں، بچے اپنے والدین سے جدا ہو گئے، ہمارا فیملی سسٹم پورے کا پورا تباہ و برباد ہو کر رہ گیا ہے۔ مسلمانو! کیا تم بھی......؟''

شقاوت سے سعادت تک

صومال (اردو میں صومالیہ) کے مشہور شہر مقدیشو یا مغادیشو صومالیہ کے ایک پرائمری اسکول میں اساتذہ اور کلرک بڑی حیرت اور تعجب سے اس کی خوبصورت آواز میں نغمے سن رہے تھے۔ ''غضب کی آواز ہے''۔ ایک نے کہا۔ ہیڈ ماسٹر نے کہا: ''اتنی خوبصورت آواز میں نے کبھی نہیں سنی۔ اس کے پاس لحن داودی ہے''۔ اس نے ایک نغمہ ختم کیا۔ اب وہ پرانی شاعری سنا رہا تھا۔ ایک کہنے لگا: ''منحنی سی شکل وصورت کا عبداللہ...... جب بڑا ہوگا تو کیا غضب ڈھائے گا۔ ہمارے لیے باعث فخر ہے کہ یہ ہمارے اسکول کا طالب علم ہے''۔ خوبصورت آواز اور اس کے ساتھ صحیح تلفظ ایک نعمت خداوندی ہے جو چھوٹے سے عبداللہ کو بڑی کم عمری میں میسر آ گئی تھی۔ وہ جیسے جیسے بڑا ہوتا گیا اس میں خود اعتمادی بڑھتی چلی گئی۔ اب وہ بڑے بڑے اجتماعات کے سامنے اپنی آواز کا جادو جگاتا اور لوگ مبہوت ہو کر رہ جاتے۔

ان دنوں صومال پر صیاد بری کی حکومت تھی۔ ایک دن وزارت تعلیم کے ایک بڑے افسر نے اس کے قصائد سنے۔ 'اگر یہ ہمارے صدر کی مدح میں اشعار پڑھے تو مزہ آ جائے۔' اس نے سوچا' چنانچہ عبداللہ کے لیے خصوصی تعلیم اور اساتذہ کا بندوبست کیا گیا۔ اب وہ گانے کے ساتھ ساتھ موسیقی کا بھی ماہر بن گیا۔ میٹرک کے بعد اس کی شہرت بڑھتی چلی گئی۔ اس وقت کے وزیر تعلیم نے اس کی آواز سنی

تو گرویدہ ہو گیا۔ اس نے خصوصی قانون پاس کروایا...... اسکولوں میں موسیقی کے شعبے کا قیام عمل میں آیا اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے موسیقی اور رقص و سرود کی باقاعدہ تعلیم کا آغاز سرکاری سرپرستی میں شروع ہوا۔ اس کا چیف عبداللہ کو بنایا گیا۔

اسکولوں اور کالجوں میں موسیقی کی تعلیم شروع ہو گئی...... اندرون ملک اور بیرون ملک ثقافت کے نام پر ثقافتی طائفے جانے لگے...... عبداللہ کی شہرت بڑھتی چلی گئی۔ صومال میں ہی نہیں' ہمسایہ ملک جیبوتی (سابق فرانسیسی صومالی لینڈ) میں بھی لوگ اس کی آواز کے دیوانے تھے۔ اسے متعدد ایوارڈوں سے نوازا گیا۔ عبداللہ جہاں جاتا لوگ اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے اکٹھے ہو جاتے۔ بڑے بڑے ہوٹلوں میں ہفتوں پہلے اس کی بکنگ کی جاتی۔ جب وہ اسٹیج پر آتا تو کئی منٹ تک مسلسل تالیاں بجتی رہتیں۔ جب گانا شروع ہوتا تو دلوں کی دھڑکنیں ٹھہر جاتیں۔ اس کا لقب شہنشاہ ترنم تھا۔

1977ء میں صومال میں انقلاب برپا ہوا۔ روسی اقتدار اور اثر و رسوخ کا خاتمہ ہو گیا۔ حکومت تبدیل ہو گئی' اس کا رخ مغرب کی طرف ہو گیا۔ ملک میں اشتراکیت کی بجائے جمہوریت کا غلغلہ ہوا۔ ایک اچھے بزنس مین کی طرح عبداللہ نے بھی اپنا رخ تبدیل کیا۔ پہلے وہ اشتراکیت کے گن گاتا تھا' اس کے نغمے اور گیت اس نظام کی مدح سرائی میں ہوتے۔

نظام بدلا تو وہ بھی بدل گیا۔ اب اس کی زبان پر جمہوریت کے لیے نغمے تھے۔ ملک میں اقتصادی اصلاحات ہونے لگیں تو اس نے بھی اپنی کمائی کو محفوظ کرنے کا سوچا...... اور پھر وہ ایک عدد نائٹ کلب کا مالک بن گیا۔ مقدیشو میں اول درجے کا نائٹ کلب' جہاں راتیں جاگتیں اور دن سوتے تھے۔ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کا ایک بڑا گروہ اس کے گرد جمع ہوگیا۔ اندرون ملک اور بیرون ملک اس کی شہرت برابر تھی' اب وہ مختلف ممالک کے دوروں پر جانے لگا۔

عبداللہ نے ایک مرتبہ انٹرویو میں کہا: ''جب میں نائٹ کلب کا مالک بن گیا تو پھر وہاں گانے گاتا...... مقدیشو کے ہوٹل اور نائٹ کلب میری بکنگ کے لیے زیادہ سے زیادہ رقومات پیش کرتے۔ راتوں کو زندہ کرنے کے لیے' لوگوں کو خوش کرنے اور اپنے آپ کو مزید پاپولر بنانے کے لیے میں نت نئے ناٹک رچاتا۔ عریاں ڈانس' فحش مکالمات اور عشقیہ گیتوں کے ذریعے پیسہ کمانا ہمارا مقصد حیات بن چکا تھا۔ جب یہ چیزیں میسر ہوں تو پھر شیطان خوب خوش ہوتا ہے۔ بگڑے ہوئے گھرانے' ان کی امیر لڑکیاں اور لڑکے' شراب' نشہ' ہیروئن سب کچھ میسر تھا۔ رقص گاہیں ہماری وجہ سے آباد تھیں۔

''شیطان کے اہداف حاصل کرنے کے لیے ہمارے ارد گرد بدکار لوگوں کا ایک بڑا گروہ تھا...... اس دوران میں ملک میں اسلام کے خلاف حکومتی لابی دن رات کام کر رہی تھی۔ علماء' صلحاء اور مساجد کو نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ جب کفر اور

اسلام کے درمیان کشمکش جاری ہو تو طاغوت اور زیادہ خوبصورت چہرے کے ساتھ سامنے آتا ہے۔ ہم نے بھی اسلامی اقدار کو ختم کرنے اور شیطانی مجالس کو فروغ دینے میں ساری قوتیں صرف کر دیں۔ ہم صرف نام کے مسلمان تھے۔ اسلامی روح کے بغیر...... ظاہری حد تک...... میں نے کتنے ہی یورپی ممالک کا سفر کیا۔ وہاں نائٹ کلبوں میں گاتا رہا' صومال کے آرٹ کو اجاگر کرتا رہا' مغرب کو خوش کرنے کے لیے کہ ہم ترقی پسند قوم ہیں...... میرے ایمان کا' اسلام کا اور اخلاق کا جنازہ نکلتا گیا...... مگر میری جیب بھرتی گئی۔

''1983ء میں میرے والد نے مجھ پر شادی کرنے کے لیے زور دیا۔ والدین کے لیے اپنی اولاد کی شادی بہت بڑی خوشی ہوتی ہے۔ والدین نے اپنے ہی خاندان میں سے ایک لڑکی کا انتخاب کیا۔ یوں تو صومال کی بہت سی لڑکیاں میرے ساتھ شادی کی تمنا کرتی تھیں مگر یہ لڑکی میرے خاندان سے تھی۔ خوبصورت' خوب سیرت اور خاصی پڑھی لکھی تھی' لہٰذا میں نے ہزاروں لڑکیوں پر اس کو ترجیح دی اور شادی پر فوراً رضامند ہو گیا...... کچھ ہی دنوں کے بعد شادی کا ہنگامہ شروع ہوا۔ ایک گلوکار کی شادی...... یقیناً بہت یادگار تھی۔ پورے صومال سے گلوکار آئے' خوب ہلا گلا ہوا۔ ٹیلی ویژن' اخبارات' ذرائع ابلاغ کے نمائندے جمع ہوئے۔ یقیناً یہ ایک یادگار شادی تھی۔

''شادی کے دوران میں' میں نے محسوس کیا کہ میری بیوی اتنی زیادہ خوش و

خرم نہیں ہے جتنا کہ میرے جیسے معروف آدمی سے شادی کے بعد کسی لڑکی کو خوشی اور فخر ہونا چاہیے۔ میں نے اس کو اس کی فطری حیا پر محمول کیا...... شادی کے بعد ہم ہنی مون کے لیے چلے گئے۔ یہ دن اتنی تیزی سے گزرے کہ اندازہ ہی نہ ہو سکا۔ میں نے دوبارہ اپنی ڈیوٹی سنبھال لی...... میرا کاروبار رات کو شروع ہوتا، میں فجر سے ذرا پہلے گھر آتا...... پھر میں سو جاتا اور عصر کے وقت اٹھتا...... میں نے کئی مرتبہ دیکھا کہ جب صبح گھر آتا ہوں تو میری بیوی جاگ رہی ہوتی ہے اور عموماً اس کے ہاتھ میں قرآن پاک ہوتا ہے جسے وہ پڑھ رہی ہوتی ہے۔ میں آ کر اسے بڑے جوشیلے انداز میں اس رات کی کارکردگی سناتا۔ اپنے پرستاروں کی چاہت سے آگاہ کرتا۔ آج کتنی لڑکیوں اور لڑکوں کے فون آئے جو میرے فن کے شیدائی ہیں۔ میری بیوی ان باتوں کو ناگواری سے سنتی اور میرے لیے ہدایت کی دعا کرتی۔ اس دوران میں فجر کی اذان ہو جاتی اور وہ مصلے کی طرف بڑھ جاتی، جب کہ میں نماز پڑھے بغیر ہی سو جاتا۔ میں جب بھی اس سے نائٹ کلب کا ذکر کرتا، وہاں کی باتیں سناتا، اپنی کمائی کا ذکر کرتا، بینک بیلنس کا رعب جماتا تو وہ جواباً کہتی: ''رازق تو صرف اللہ کی ذات ہے۔''

''ہماری شادی کو پانچ سال گزر چکے تھے۔ میں مسلسل اپنے فن میں مبتلا اور فسق و فجور میں ڈوبا ہوا نماز اور عبادت کے بغیر زندگی گزارتا رہا...... پھر اچانک ہماری زندگی میں ایک ہنگامہ برپا ہوا۔ یہ 1988ء کی بات ہے، میری

بیوی نے مجھ سے کہا: ''میں اس شخص کے ساتھ ہرگز زندگی نہیں گزار سکتی جو اپنے رب کا وفادار نہیں' جو نماز ادا نہیں کرتا...... اس کی کمائی حرام کی ہے' جو فجر کے وقت گھر آتا ہے۔''

''میرے وہم وگمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ میری بیوی میرے لیے ایسا سوچ سکتی ہے۔ بہرحال گھر میں لڑائی شروع ہو گئی۔ میں نے اس کی باتیں سنی ان سنی کر دیں۔''

''کچھ دن گزرے، ایک دن جب میں گھر میں داخل ہوا تو فجر کی اذان ہو رہی تھی۔ شہر کی مساجد میں اذانیں بلند ہو رہی تھیں۔ ہر طرف اَللّٰہُ أَکْبَرُ... أَشْھَدُ أَنْ لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ حَيَّ عَلَی الصَّلَاۃِ کی گونج تھی۔ جب میں سونے کے لیے اپنے کمرے میں جانے لگا تو میری بیوی نے کہا: ''آپ مسجد میں نماز کے لیے کیوں نہیں جاتے؟ کیا آپ نے اذان کی آواز نہیں سنی؟''

''میری زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ کسی نے مجھے نماز کے لیے کہا تھا۔ اس لمحے میں نے خود بھی نماز پڑھنے کے بارے میں سوچا...... میرے جسم میں جھرجھری سی آئی۔ بیوی کی آواز بار بار کانوں میں گونج رہی تھی۔ ''اس وقت مسلمان مسجد کی طرف جا رہے ہیں۔ آپ کیوں مسجد کا رخ نہیں کرتے؟ یہ رحمٰن کا بلاوا ہے۔ یہ مالک الملک کی طرف سے دعوت ہے''۔ اور پھر میرے ذہن میں خیر اور شر کی کشمکش شروع ہوئی۔ فطرت کی آواز بلند ہوئی: تمہارا نام کتنا خوبصورت

ہے...... عبداللہ...... تم اللہ کے بندے ہو۔ مگر نہیں...... تم تو شیطان کے چیلے بنے ہوئے ہو۔ کبھی تم نے اپنے مالک کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ تم کب تک زندہ رہو گے، کب تک زندگی رہے گی، کب تک جوانی رہے گی؟ میرے سامنے ماضی آتا گیا...... ضمیر نے ملامت شروع کی...... مگر فوراً ہی کلب کی رعنائیاں، ٹیلی ویژن کی اسکرین، اسٹیج، شہرت، عزت...... کیا میں بیوی کی بات مان لوں؟ یہ کام چھوڑ دوں؟ نہیں ایسا ممکن نہیں۔ یہ مقام حاصل کرنے کے لیے میں نے بے حد محنت اور جدو جہد کی ہے۔ یہی سوچتے سوچتے میں حسب عادت سو گیا۔''

''شام کے وقت میں نے کپڑے تبدیل کیے۔ کلب جانے کے لیے تیاری کی...... میری بیوی نے میرے کان میں سرگوشی کی، اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ کہہ رہی تھی: ''ذرا بیٹھ جائیں...... ذرا میری بات تو سنیں...... کیا ہمارا رازق اللہ نہیں ہے؟ حلال کا ایک لقمہ حرام کے ہزاروں لقموں سے بہتر ہے۔''

''مجھے ایسا محسوس ہوا کہ بیوی کی آواز...... اس کی گفتگو...... اس کے کلمات...... یقیناً درست ہیں۔ ان میں صداقت ہے...... یہ فطرت کی آواز ہیں...... مگر...... میرا فن...... میری آواز...... میری شہرت؟...... میں تیزی سے باہر بھاگا...... کہیں میں بیوی کی بات نہ مان لوں۔''

''راستے میں بیوی کے کلمات میرا پیچھا کر رہے تھے کہ میں نائٹ کلب کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اس دوران میں عشاء کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ میرے

کانوں میں مؤذن کی خوبصورت اور دل میں اتر جانے والی آواز گونجی ......

حَيَّ عَلَى الصَّلاةِ ...... حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ ......۔''

''بیوی کی نصیحت یاد آئی ...... اللہ کی رحمت جوش میں آ گئی۔ فسق و فجور اور کفر کے غبار کی تہ بیٹھنے لگی ...... ایمان کی حرارت اور اسلام کی قوت زور دکھانے لگی ......اور پھر میرا رخ نائٹ کلب سے مسجد کی طرف ہو گیا۔''

''میں مسجد میں داخل ہوا' وضو کیا۔ جماعت ہو رہی تھی' میں نے نماز ادا کی۔ بعض نمازیوں نے مجھے پہچان لیا۔ کوئی ہاتھ ملا رہا ہے، کوئی دور سے سلام کر رہا ہے۔ ان کے چہروں پر مسکراہٹ ہے اور میرا چہرہ خوشی سے چمک رہا ہے۔ الحمدللہ میں نے فطرت کو پا لیا ہے۔''

''کسی نے مجھے صحیح بخاری کا نسخہ تحفے میں دیا۔ یہ اب میرے لیے متاع حیات تھی ...... میں اپنی نئے ماڈل کی قیمتی گاڑی میں سوار ہوا۔ اس کا رخ نائٹ کلب کی بجائے گھر کی طرف تھا۔ میری بیوی جو مجھے فجر کے وقت گھر آتے دیکھا کرتی تھی ......آج عشاء کے بعد گھر میں دیکھ رہی تھی۔ بیوی کی طرف بڑھا۔

''بیگم ...... تمہیں مبارک ہو ...... میں نے آج سے گانوں سے توبہ کر لی ہے۔ میں نے فسق و فجور اور لہو و لعب کی زندگی کو تین طلاقیں دے دی ہیں۔ میں نے پکی توبہ کر لی ہے۔ میں الحمدللہ تائب ہو گیا ہوں۔''

''پھر میں نے محسوس کیا گویا میں نے نئی زندگی کا آغاز کیا ہے...... سب سے پہلا کام ...... وہ اسٹوڈیو' جس کا میں مالک تھا' جس میں گانے ریکارڈ کراتا تھا' جس میں دنیا بھر کی جدید مشینیں تھیں' جن کو دنیا کے کونے کونے سے جمع کرتا رہا تھا...... میں نے اس اسٹوڈیو کو دعوت الی اللہ کے لیے وقف کر دیا کہ اب یہاں قرآن پاک کی کیسٹیں' علمائے کرام کی تقاریر اور اسلامی ترانے ریکارڈ ہوں گے...... میں نے قیمتی گاڑی فروخت کر دی' خوبصورت محل نما کوٹھی فروخت کر دی...... میں ایک اوسط درجے کے مکان میں آ گیا۔ اب میرا وقت اپنے گھر میں گزرنے لگا۔ میری ایک ہی تمنا تھی ...... ایک ہی جستجو...... میں حلقۂ قرآن سے وابستہ ہوگیا...... اب مجھے قرآن پاک حفظ کرنے کی خواہش تھی۔''

کچھ عرصہ ٹھیک گزرا...... مگر جب کوئی اسلام کی راہ پر چلے گا تو آزمائش لازماً آئے گی...... یہ تو سنت اللہ ہے۔ حق کی راہ میں یقیناً بہت سی مشکلات ہیں...... دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے...... یہ پھولوں کی سیج نہیں' یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے۔ عبد اللہ کے لیے سب سے پہلی آزمائش مال کی کمی کی تھی...... وہ گانے بجانے کے علاوہ کوئی کام نہیں جانتا تھا۔ یہ گانا بجانا ختم ہوا تو مصدر رزق بھی ختم ہوگیا۔ پہلے کا کمایا ہوا مال...... وہ حرام کی کمائی تھی...... لہٰذا اس میں برکت تو سرے سے تھی ہی نہیں...... پس انداز بھی کم ہی تھا...... کئی دن' کئی راتیں' کئی ہفتے گزر گئے...... آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ بن

سکا...... جس شخص نے ساری زندگی عیش و عشرت میں گزاری ہو' اب اس کے لیے فاقہ کشی...... شیطان نے کئی بار بہکایا۔ ماضی یاد آیا...... کس طرح مال و دولت میں کھیلتا تھا اور اب روٹی کے لیے ترس رہا ہوں...... اسی زندگی میں لوٹ جاؤں؟...... مگر ایمان کے تقاضے کچھ اور تھے۔ اور پھر ایک دن اس کے پرانے رفقاء آ گئے...... موجودہ صورت حال پر افسوس کا اظہار کیا اور دامِ تزویر پھیلایا:

''عبداللہ...... ایک رات ہمیں دے دو...... صرف ایک رات...... اور معاوضہ؟ ...... تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ جو پہلے ایک رات میں کماتے تھے اس سے دوگنا...... تین گنا زیادہ...... پانچ...... سات...... نو...... ہم دس گنا زیادہ دینے کے لیے تیار ہیں۔ ایک مرتبہ ہاں کر دو۔'' مگر ایمان باللہ جب پختہ ہو جائے تو پھر انقلابات برپا ہوتے ہیں' سخت پہاڑ بھی راستہ چھوڑ دیتے ہیں...... ایمان اور اس کے مقابلے میں دنیا بھر کی دولت' دنیا بھر کی سیادت اور حکمرانی پرکاہ کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی...... عبداللہ کے دل میں رب تعالیٰ کی محبت راسخ ہو چکی تھی۔ تمام اقسام کی مراعات' لالچ' فوائد...... کچھ منظور نہیں...... ''میں نے رحمٰن کو راضی کرنے کا عزمِ صمیم کیا ہوا ہے۔''

آزمائش کا اگلا دور شروع ہوا...... حکومت کو معلوم ہوا کہ عبداللہ نے گانا گانے سے توبہ کر لی ہے۔ اس کی یہ مجال؟...... اس کو بلایا گیا' پوچھا گیا' تنبیہ کی گئی' منع کیا گیا کہ یہ تمہارا فیصلہ نہایت نامعقول اور احمقانہ ہے۔

بعض نے کہا کہ چھوڑ دو' چند دن کی بات ہے۔ خود ہی واپس آ جائے گا ...... پھر اس کے ساتھ متعدد دانشوروں نے ...... اپنے تئیں عصر حاضر کے نام نہاد دانشوروں نے عبداللہ سے مناقشہ شروع کیا' مناظرہ ہوا' اس سے بحث ہوئی ...... تو معلوم ہوا کہ یہ وہ عبداللہ نہیں جس نے 18 سال فن کاری کی ہے ...... یہ وہ مشہور مغنی' وہ گلوکار نہیں، کوئی اور عبداللہ ہے۔ ان کو خوب معلوم ہو گیا کہ اب وہ عبداللہ گویا نہیں بلکہ داعی الی اللہ ہے۔

اور جب مناقشہ' مناظرہ' بحث' لالچ' سب ناکام ہو گئے' عبداللہ کو منوانے میں سب مکمل طور پر ناکام ہو چکے تو ...... پھر منوانے کا' رام کرنے کا نیا انداز اختیار کیا گیا ...... وہی انداز' جو تمام طاغوتی طاقتیں اختیار کرتی ہیں۔ ہر زمانے میں' ہر دور میں' ڈرانے کا' دھمکانے کا انداز ...... تمہیں ٹیلی ویژن پر آنا ہو گا اور اعلان کرنا ہو گا ...... ''میں نے گانے بجانے سے جو انکار کیا تھا اب دوبارہ اس سے رجوع کر رہا ہوں ...... وہ میری غلطی تھی' وہ وقتی طور پر تھا'' ...... اور اگر تم نے ہماری بات نہ مانی تو پھر جیل' قید خانہ' مقدمات' بدنی سزا ...... مگر ایک سچا مومن' جس کا ایمان راسخ ہے' جسے رب کی تائید اور مدد کا پختہ یقین ہے ...... اس کے رویے میں کوئی نرمی نہیں آئی ...... یہ زندگی ہے نا' ایک ہی' اسے ختم ہو جانا ہے ...... اگر رب کی فرماں برداری میں ختم ہوتی ہے تو سودا مہنگا نہیں ...... عبداللہ نے اپنے رب کے ساتھ سچا سودا کیا اور اس عزم کا اظہار کیا

کہ اگر جان کی بازی بھی لگانی پڑے تو وہ حق سے نہیں پھرے گا...... پھر عبداللہ نے شدت سے اور پوری قوت سے ان کے تمام مطالبات کو ٹھکرا دیا...... "خواہ مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے...... میں تمہاری بات ماننے کے لیے تیار نہیں۔"

ان حالات میں طاغوت کے دیگر حربوں میں سے ایک حربہ...... حق کی آواز کو روکنے کا...... قید' جیل' حبس' نظر بندی' مقدمات ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ حربہ بھی آزمایا گیا...... اس کو جیل میں ڈال دیا گیا' شاید لوٹ آئے...... اس کا جرم اس کا قصور' رقص و سرود اور گانے سے انکار...... جی ہاں...... اس مقبول ترین شخصیت کو جیل کی کال کوٹھری میں ڈال دیا گیا کیونکہ اس نے اس بات کا اعلان کیا تھا:...... میرا رب اللہ ہے...... اور اگر وہ ان کی بات مان لیتا...... غنا کو' رقص کو' راگ کو اپنا مقصد حیات قرار دے لیتا تو اس کی عزت' احترام' منصب' دولت' شہرت' سب برقرار رہتے اور وہ اس کو کندھوں پر بٹھاتے۔

عبداللہ ایک مدت تک قید میں رہا۔ اس دوران میں اس کو تعذیب دی گئی' مارا گیا' سزائیں دی گئیں کہ ترک غنا سے رجوع کر لے...... مگر وہ اللہ کا بندہ اپنے عزائم پر ثابت قدم رہا۔ جیل میں ایک مدت گزارنے کے بعد بھی اس میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی تو حکمران اس سے مایوس ہو گئے اور اس کو رہا کر دیا۔

جیل سے نکلنے کے بعد معاشی حالات بہت پریشان کن ہو گئے مگر ان مشکل حالات میں' کٹھن اوقات میں اس کی بیوی اس کا مکمل ساتھ دیتی رہی۔ اس کا

حوصلہ مزید بڑھاتی رہی کہ دنیا کے مال و متاع بالکل ناپائیدار ہیں۔ حقیقی طور پر امیر کون ہے، وہ نہیں جس کے پاس مال و دولت کے انبار ہوں بلکہ حقیقت میں امیر وہ ہے جس کا دل امیر ہے...... حقیقی قوت کیا ہے، عقیدہ اور ایمان کی قوت...... حقیقی خوشی، سعادت اور خوش بختی کس چیز کا نام ہے...... یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت، فرماں برداری اور اس کی رضا میں ہے۔

1990ء میں عبداللہ نے اپنے وطن کو چھوڑنے کا ارادہ کر لیا۔ یوں بھی ملک کے حالات خاصے خراب ہو چکے تھے، خانہ جنگی شروع تھی۔ مختلف قبائل ایک دوسرے سے لڑنے جھگڑنے اور قتل و غارت گری میں مبتلا تھے...... اور پھر وہ پہلی مرتبہ اس گھر کی زیارت کے لیے آیا جس کی زیارت اور جس کے گرد چکر لگانے کی تڑپ دنیا کے ہر مسلمان کے دل میں ہوتی ہے۔ وہ مکہ مکرمہ پہنچ گیا، نیک بخت بیوی بھی ہمراہ تھی۔ عمرہ ادا کیا تو اس کے ایمان میں مزید اضافہ ہو گیا۔ مکہ مکرمہ میں بعض اہل خیر کو معلوم ہوا، وہ اس سے واقف تھے...... اس کی سابقہ زندگی سے...... اس کے ماضی سے...... اس کی اسلام پر پختگی سے...... اور پھر انہوں نے عبداللہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا، اس کی تکریم کی، اس کی کفالت کی...... کچھ ہی عرصہ میں اس نے قرآن کے دس پارے حفظ کر لیے۔

اس کے وطن عزیز میں خانہ جنگی عروج پر تھی۔ ان حالات میں اس نے ایک مصلح کا کردار ادا کیا، وہ وطن واپس گیا۔ قبائل کے درمیان صلح کی کوشش کی، فساد کو

ختم کرنے کے لیے اپنے اثر ورسوخ اور شہرت کو استعمال کیا...... اب وہ ایک مبلغ تھا...... عقیدہ کا' اسلام کا' قرآن کا' حدیث کا...... پھر وہ اس دوران میں کئی مرتبہ عمرہ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ آیا۔ پھر اس کو اس بلد الحرام میں' مکہ مکرمہ میں' اس مبارک اور مقدس شہر کی ایک مسجد میں بطور موذن موقع مل گیا۔ عبداللہ آج بھی ایک مبلغ ہے' وہ موذن ہے اسلام کی آواز کا...... وہ سعودی عرب میں ہو یا صومال میں' ہر جگہ وہ دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دے رہا ہے اور نجانے کتنے ہی گنہگاروں اور خطاکاروں نے اس کے ہاتھ پر توبہ کی ہے اور اپنی زندگیاں قرآن وسنت کے مطابق بنائی ہیں تاکہ وہ بھی حقیقی سعادت سے بہرہ ور ہوسکیں...... بالکل اسی طرح جس طرح عبداللہ حقیقی سعادت حاصل کر چکا ہے۔

محترم قارئین: بلاشبہ ہدایت اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ مگر عبداللہ کی ہدایت کا سبب اس کی بیوی بنی۔ جس کی استقامت نے اسے صراط مستقیم پر چلنے پر مجبور کردیا۔

اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان بالکل حق ہے:

«الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَ خَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ»

''دنیا ایک پونجی (فائدہ کی چیز) ہے اور دنیا کی بہترین پونجی نیک بیوی ہے''

(مسلم: 1467' أحمد: 166/2)۔

باون لاکھ درہم، پھر بھی زکوٰۃ واجب نہیں!!

ایک مرتبہ سیدہ اسماء بنت ابو بکر ﷠ کھجوروں کی گٹھلیاں سر پر اٹھائے ہوئے مدینہ کے اطراف سے شہر کی طرف جا رہی تھیں۔ اللہ کے رسول ﷺ اونٹنی پر سوار وہاں سے گزر رہے تھے۔ وہ ان کی سالی بھی تھیں اور پھوپھی زاد بھائی زبیر بن عوام ﷜ کی بیوی بھی۔ آپ نے ساربان سے کہا: ''رک جاؤ' رک جاؤ۔ اسماء کو سوار کر لیں۔'' آپ نے اسماء کو اونٹنی پر سوار ہونے کی دعوت دی۔ وہ فرماتی ہیں: ''میں نے اپنے خاوند زبیر کی غیرت کو یاد کیا اور اونٹنی پر سوار ہونے سے معذرت کر دی۔'' (بخاری: 5224، مسلم: 2182)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سیدہ اسماء ﷠ نے اونٹنی پر بیٹھنے سے انکار کیوں کیا۔ اللہ کے رسول کے ساتھ سواری پر بیٹھنے سے انکار؟ وہ مقدس اور پاک باز ہستی' طاہر' مطہر' معصوم نبی ﷺ۔ کیا خاوند ناراض ہوتا؟ ہرگز نہیں! یہ کیسے ممکن ہے۔ مگر دراصل یہ سیدہ اسماء ﷠ کی غایت درجہ کی خاوند کی فرمانبرداری اور اس کے جذبات کا احترام تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ بھی سواری پر بیٹھنے سے معذرت کر دی۔

کچھ عرصے کے بعد ان کے والد محترم ابو بکر صدیق ﷜ نے

ان کو گھوڑا اور اس کی نگہداشت کے
لیے خادم عطا کیا۔

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند کے ساتھ مشکل حالات میں صبر کیا، تنگی اور ترشی میں گزارا کیا اور اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وافر مقدار میں رزق عطا فرمایا اور جب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو کیا آپ جانتے ہیں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو ترکہ میں کیا ملا؟

وہ عورت جو کھجوروں کی گٹھلیاں اکٹھی کر کے لایا کرتی تھی، اسے باون لاکھ 52,00,000 درہم ترکہ میں ملے۔ اور یہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حرام کی کمائی سے یا لوگوں کا مال چھین کر جمع نہیں کیے اور نہ لوگوں کو قربتِ رسول اور حواریٔ رسول ہونے کا واسطہ دے کر اکٹھے کیے؛ بلکہ انہوں نے تجارت کی اور حلال ذرائع سے مال اکٹھا کیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے خاوند کے پاس ایک ہزار کارندے تھے جو ان کے لیے کام کرتے اور اس کا حصہ ان کو دیتے تھے۔ اتنا رزق، اتنی جائیداد اور مال و دولت کے باوجود ان پر کبھی زکوٰۃ فرض نہیں ہوئی کیونکہ انہوں نے کبھی مال و دولت کو ذخیرہ نہیں کیا نہ اس کے انبار لگائے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس جب کچھ نہ تھا، فقر و فاقہ تھا تو وہ اس

حال میں گھبرائی نہیں اور واویلا نہیں کیا اور
مال و دولت آئی تو اس پر فخر و غرور کا اظہار نہیں کیا اور
ساری زندگی خیر کے کاموں میں' لوگوں پر احسان کرنے میں اور
نیکی کرنے میں گزار دی...... رضی اللہ عنہا

(اسد الغابہ:309/2)

ہونے والے شوہر کا امتحان

21 جنوری 2001ء کو جب میں پیرس ایئرپورٹ سے شہر کی طرف روانہ ہو رہا تھا تو یہاں بسنے والے مسلمانوں کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اب تو اس دار کفر میں مسلمانوں کی خاصی بڑی تعداد موجود ہے۔ ان میں اکثریت بیرونی ممالک سے آنے والے مسلمانوں کی ہے۔ کچھ تعداد مقامی لوگوں کی بھی ہے جو دین اسلام کی طرف کشاں کشاں چلے آرہے ہیں۔ میں بطور خاص بچوں کی تربیت کے حوالے سے غور کر رہا تھا کہ میں نے اپنے ساتھ بیٹھے گاڑی چلاتے ہوئے دوست عامر عقاد سے پوچھا: اس کفریہ ماحول میں مسلمانوں کے بچوں کا اپنے دین سے تعلق کیسا ہے؟

عامر عقاد گزشتہ دو دہائیوں سے یہاں مقیم ہیں۔ شام کے مشہور شہر حلب کے رہنے والے ہیں۔ تعلیم کے لیے آئے تو کتابوں کی تجارت میں دلچسپی لینے لگے۔ پھر احباب کے ساتھ مل کر مکتبہ السلام کے نام سے ایک اشاعتی ادارہ قائم کیا جو غالباً اسلامی کتابوں کا پیرس میں سب سے بڑا ادارہ شمار ہوتا ہے۔ پیرس میں دارالسلام کے نمائندہ اور سول ایجنٹ وہی ہیں۔ انہوں نے میری بات پر ذرا سا غور کیا اور کہا: یوں تو اچھے برے لوگ ہر جگہ موجود ہوتے ہیں، مگر گزشتہ دنوں ہمارے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا۔ اس کو سن لیں

تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ
یہاں لڑکیوں میں بھی حصولِ دین کا کتنا شوق ہے۔

وہ گویا ہوئے: میرے ایک عزیز یہاں پیرس میں خاصے عرصے سے مقیم ہیں۔ برسر روزگار ہیں' مگر ابھی تک کسی وجہ سے اپنا گھر نہیں بسا سکے۔ ایک دن میرے پاس آئے تو گھر بسانے کا قصہ چھیڑ دیا۔ وہ کسی مناسب رشتے کی تلاش میں تھے۔ عربی کے الفاظ میں کسی ''بنت الحلال'' کی تلاش کے لیے مجھ سے بھی کہا۔ میں نے کہا کہ کوئی بات نہیں' مختلف لوگ جن کی بچیاں شادی کی عمر کو پہنچ چکی ہیں' کہتے رہتے ہیں' کسی نہ کسی جگہ مناسب رشتہ دیکھ کر بات چلا دیں گے۔

چنانچہ ایک جگہ میں نے بات شروع کی۔ لڑکی کے والد مراکش کے رہنے والے ہیں اور عرصۂ دراز سے یہاں مقیم ہیں، اولاد یہیں پیدا ہوئی' لہٰذا فرنچ زبان عربی پر حاوی ہو چکی ہے۔ والد اور والدہ سے بات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ ہمیں تو کوئی اعتراض نہیں، رشتہ مناسب ہے' لڑکی کی عمر بھی 20 ' 21 سال ہو چکی ہے۔ وہ خود بھی سمجھدار اور پڑھی لکھی ہے' اس سے مشورہ کر کے بتاتے ہیں۔

بات آگے بڑھتی گئی' ہمیں قوی یقین تھا کہ سمبندھ ضرور ہو جائے گا کیونکہ یہ رشتہ ہم پلہ تھا۔ چنانچہ وہ دن بھی آیا کہ فریقین نے اس بات پر اتفاق کیا کہ لڑکا لڑکی کو دیکھ لے

اور دونوں آپس میں گفتگو بھی کر لیں

تا کہ بات طے ہو سکے۔

اتفاق کی بات کہ ملاقات کے لیے ریلوے اسٹیشن کا انتخاب ہوا' چنانچہ لڑکا اور لڑکی ذرا دور ہٹ کر بیٹھ گئے۔ لڑکی کی والدہ' والد' میری اہلیہ اور میں ان کو دور سے دیکھ رہے تھے کہ دفعتاً لڑکی نے اپنے پرس سے کچھ اوراق نکالے اور لڑکے کے سامنے رکھ دیے۔ مجھے بڑا تعجب ہوا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ میں نے لڑکی کی والدہ سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ تو وہ کہنے لگی کہ دراصل اس کی بیٹی نے اپنے ہونے والے شوہر سے اس کی نجی زندگی کے بارے میں معلوم کرنے کے لیے ایک سوال نامہ مرتب کیا ہے۔ اس کے جوابات کی روشنی میں وہ اسے اپنا شریک حیات بنانے کے بارے میں کوئی فیصلہ کرے گی۔ سوالات عربی اور فرنچ دونوں زبانوں میں تھے' مگر زیادہ تر فرنچ زبان استعمال کی گئی تھی۔ میرا دوست اس زبان سے زیادہ واقف نہیں تھا۔ اس نے دور سے مجھے اشارہ کر کے اپنے پاس بلایا تا کہ میں ان سوالات کا جواب لکھنے میں اس کی مدد کر سکوں۔

وہ سوالات تین صفحات پر مشتمل تھے۔ پہلے صفحہ پر اس کی ذاتی زندگی کے بارے میں سوالات تھے' مثلاً نام' ولدیت' ایڈریس' قد' وزن' پیشہ' تعلیم' کاروبار' نوکری' گھر اپنا ہے یا پرایا' آپ کتنے گھنٹے ڈیوٹی دیتے ہیں اور کتنی تنخواہ لیتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ عام

سے سوالات تھے جن کا جواب میرے دوست نے لکھ لیا تھا' مگر اصلی سوالات اگلے دو صفحات میں تھے۔

ان میں سوالات کچھ اس قسم کے تھے کہ آپ کا اسلام سے اور مذہب سے کس حد تک تعلق ہے؟ پانچوں نمازیں آپ ادا کرتے ہیں یا نہیں؟ اسلام کی راہ میں کتنا وقت صرف کرتے ہیں؟ قرآن پاک کا کتنا حصہ زبانی یاد ہے؟ مہینے میں کتنی مرتبہ آپ قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں؟ حدیث کی کون سی کتاب آپ پڑھ چکے ہیں اور کتنی احادیث آپ کو یاد ہیں؟ حقوق الزوجین کے بارے میں ایک صفحہ لکھیں۔ سیرت کی کون سی کتاب آپ کے زیر مطالعہ ہے؟ آپ نے کسی حلقۂ درس میں کبھی شرکت کی ہے' اگر کی ہے تو کون سا عالم دین تھا' اور آپ نے اس سے کون سی کتاب پڑھی ہے؟

عامر عقاد کہہ رہا تھا: میں اس لڑکی کے سوال پڑھتا چلا جا رہا تھا اور جہانِ حیرت میں گم ہوتا جا رہا تھا کہ اس ماحول میں بھی اسلام سے اس حد تک محبت رکھنے والی بچیاں موجود ہیں۔

ایک سوال یہ بھی تھا: کیا آپ اولاد کے خواہش مند ہیں؟ لڑکیاں چاہتے ہیں یا لڑکے؟ شادی کے بعد جو پہلا بچہ ہوگا اس کا نام کیا رکھیں گے؟ آپ اپنی شریک حیات میں کس قسم

کی خوبیاں دیکھنا پسند کرتے ہیں؟

وہ سوال نامہ کیا تھا؟ حقیقت میں اس کی زندگی اور طرز فکر کے بارے میں مکمل کھوج تھا۔ان سوالات کے جوابات ملنے اور پڑھنے کے بعد بلاشبہ ایک شخص کی زندگی کا عکس پوری طرح نظر آ جاتا ہے۔

''تو پھر آپ کے دوست نے ان تمام سوالوں کا صحیح صحیح جواب لکھا؟'' میں نے پوچھا۔عقاد بولا:'' کیوں نہیں ؟اس نے سارے جوابات مفصل دینے کی کوشش کی۔''

''اچھا تو پھر یہ شادی انجام پذیر ہوئی یا نہیں؟''

''نہیں مجاہد بھائی! نہیں ٗوہ رشتہ طے نہ ہو سکا۔لڑکی ان جوابات سے مطمئن نہیں ہوئی اور اس نے اپنے والدین سے کہہ دیا کہ مجھے ایسا شوہر نہیں چاہیے جو اپنے رب کے ساتھ مخلص نہیں۔جو اپنے خالق کا وفادار نہیں وہ کل کلاں میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟''

اور میں سوچ رہا تھا کہ واقعتاً اگر ہماری بچیاں اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے سے پہلے اپنے ہونے والے شوہر کی اپنے ربّ سے وفاداری اور تعلق کے بارے میں معلومات حاصل کر لیں تو پھر ان کی آئندہ زندگی یقیناً بے حد خوشگوار گزرے گی۔

اب تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ فرمائیے۔

ہمارے ایک جاننے والے نے بتایا کہ اس کی عزیزہ نہایت فیشن ایبل ہے۔ اپنے لباس کا' اپنے گھر کا' حتیٰ کہ اپنے جوتوں کا بھی خاص اہتمام کرتی ہے۔ گھر میں چلے جاؤ تو ہر چیز میں آپ کو یکسانیت نظر آئے گی۔ اس کا اختیار اتنا لاجواب اور خوبصورت ہوتا ہے کہ آدمی حیران ہو جاتا ہے۔ بڑی سگھڑ ہے ہماری عزیزہ۔ اور خرید و فروخت میں تو اس کو کمال حاصل ہے۔ کوئی چیز خریدنے کی نوبت آ جائے تو پھر دیکھتے جائیے۔ بازار میں جائے گی تو خوب چھان پھٹک کرے گی۔ ایک مرتبہ اسے جوتا خریدنا تھا' اس نے چار گھنٹے لگا دیے۔ ایک دکان سے دوسری میں' دوسری سے تیسری میں۔ کسی جگہ اس کو نمونہ پسند نہیں آ رہا تھا، کسی جگہ جوتے کا رنگ اچھا نہ تھا۔ کسی دکان میں اس کا چمڑا ردی قسم کا تھا تو کسی دکان میں یہ معروف کمپنی کا نہ تھا۔ کوئی دکان اتنی بڑی نہ تھی کہ اس کو اہمیت دی جاتی۔ خدا خدا کر کے ایک بڑی دکان میں گئی' قیمت مناسب تھی' کمپنی معروف تھی' رنگ بھی اچھا تھا' مگر ہائے ری قسمت... جوتا ذرا سا تنگ تھا۔ اسے بھی چھوڑنا پڑا۔ پھر ایک مرتبہ سیل لگی' لوٹ سیل۔ اس بڑی کمپنی نے قیمتوں میں بہت زیادہ کمی کر دی۔ دراصل انہوں نے ایک اور جگہ شوروم کھولا تھا۔ اس مناسبت سے انہیں پرانا اسٹاک نکالنا تھا۔ اب تو

اس عزیزہ نے اپنے شوق کی خاطر تمام
سہیلیوں کو فون پر فون کرنا شروع کر دیے کہ چلو مل کر
چلتی ہیں۔ جوتا خریدنا ہو تو ایسا کہ چمڑا اصلی ہو' مصنوعی نہ ہو'
انٹرنیشنل کمپنی کا بنا ہوا ہو' رنگ بھی اصلی ہو۔ پاؤں بڑے نازک ہوتے
ہیں' پہن کر خراماں خراماں چلتے جائیں۔ ماڈل اتنا خوبصورت اور جدید ہو کہ
لوگ دیکھتے رہ جائیں۔ آخر سوسائٹی میں مقام اور مرتبہ بھی کوئی چیز ہے۔ ہاں یہ
بھی دیکھنا ہو گا کہ اگر کبھی جوتا بھیگ جائے تو پانی اس پر اثر نہ کرے' وغیرہ
وغیرہ...... تو صاحبو! پوری جدو جہد اور کوشش کے باوجود مطلوبہ چیز نہ ملی۔ ساری تگ و
دو خاک میں مل گئی۔ مگر اچانک ایک نیا خیال آیا۔ اس کا بڑا بھائی اکثر یورپ جاتا رہتا
ہے' اس نے سوچا کہ کیوں نہ اسے ماپ دے دیا جائے۔

اپنے بھائی سے پوچھا: بھیا! آپ یورپ کب جا رہے ہیں؟ جواب ملا: دس دن کے
بعد، مگر کام کیا ہے؟ التجا کی: آپ یورپ سے میرے لیے ایک خوبصورت جوتا
خرید لائیں گے؟ بھائی نے کہا: ارے یہ بھی کوئی بات ہے۔ تم ایسا کرو کہ جیسے
شوز درکار ہیں، اس کی تفصیل کاغذ پر لکھ دو۔ تمہاری خواہش کے مطابق
شوز لے آؤں گا۔

اب اس نے لکھنا شروع کیا کہ جوتے کا رنگ' اس کی قسم'
اس کا ماڈل' مشہور زمانہ کمپنی' وغیرہ
وغیرہ...... ایک لمبا سا

سوال نامہ بھائی کے ہاتھ میں تھما دیا۔

بھیا کو سفر پر رخصت کرتے وقت اس نے دوبارہ تاکید کی کہ میں خراماں خراماں چلنا چاہتی ہوں، میرے شوز نہ بھولنا۔ اور پھر اس نے بھائی کا انتظار شروع کر دیا۔

بھائی واپس آئے تو اس نے آتے ہی سوال کیا: میری طلب؟

مجھے افسوس ہے کہ تمہاری مراد پوری نہ کر سکا۔ جو صفات تم چاہتی تھیں' ان کے حامل شوز نہ مل سکے۔ آئی ایم سوری۔

اور میں نے سوچنا شروع کیا کہ تعجب ہے ان جیسی خواتین پر' اپنے کپڑوں اور شوز کے اختیار میں اتنی تگ و دو اور کوشش۔ مگر کیا ہماری خواتین اور ان کے والدین نے کبھی شوہر کے اختیار میں بھی اتنی کوشش اور احتیاط کی ہے؟ جوتے پہن کر تو خراماں خراماں اس دنیا میں چلنا ہے۔ لیکن اگر شوہر اچھا مل جائے تو وہ جنت میں داخلے کے لیے پروانہ بن جاتا ہے۔ آخرت کی راحت اور جنت میں خراماں خراماں چلنے کے لیے کتنی تگ و دو اور کوشش کی جاتی ہے؟ مناسب جوتے اور کپڑے کے انتخاب کے لیے تو اتنا لمبا سوال نامہ لیکن مناسب رفیق حیات کے انتخاب کے لیے ایک سوال بھی نہیں؟

ایک خاتون نے میری اہلیہ سے کہا: میرا خاوند مجھے مارتا ہے اور گالیاں بکتا ہے۔ اہلیہ نے اس سے پوچھا: یہ

بتاؤ جب تمہاری شادی ہوئی تھی کیا تمہارا خاوند نماز پڑھتا تھا؟ اس نے کہا: نہیں۔ سوال ہوا: کیا سگریٹ پیتا تھا؟ جواب ہاں میں تھا۔ پھر پوچھا: اس کی سوسائٹی اور محفل کیسی تھی؟ جواب ملا کہ مناسب نہ تھی۔ اہلیہ نے کہا: محترمہ! جو اپنے رب کے حقوق کے بارے میں غافل اور اس کی نافرمانی کرنے والا ہوگا وہ تمہارے حقوق کے بارے میں بدرجۂ اولیٰ غافل ہوگا۔ خاتون کہنے لگی کہ شروع شروع میں تو ایسا نہ تھا۔ بہت اچھا' بڑا خوش اخلاق' میرا دیوانہ تھا' مجھے خوش رکھنے کی کوشش کرتا۔

میری اہلیہ نے کہا: شروع شروع میں تم نئی نویلی دلہن تھیں' لہٰذا وہ ناز اٹھاتا تھا۔ بہن! کاش! تم نے شادی سے پہلے اپنے ہونے والے خاوند کی عادات اور اس کا دین سے تعلق معلوم کر لیا ہوتا تو تمہیں آج ان مسائل کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔

(یہ مضمون مؤلف کی ڈائری سے لیا گیا ہے)

اگر بیوی کے ساتھ دوڑ لگانی ہے!

امام شعبی رحمہ اللہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا: میں نے ایک عورت سے شادی کی ہے۔ شادی کے بعد معلوم ہوا ہے کہ وہ لنگڑی ہے۔ کیا اس کو اس کے والدین کے گھر واپس بھجوا دوں؟ امام شعبی رحمہ اللہ فرمانے لگے: اگر تمہیں بیوی کے ساتھ دوڑ لگانی ہے، پھر تو تمہیں ضرور اسے چھوڑ دینا چاہیے اور اگر ایسا نہیں تو پھر......!!

نہایت ذہین عورت اور خاوند کی حسرت

ایک شخص اپنی بیوی سے بڑا تنگ تھا اور اسے ہر حالت میں طلاق دینا چاہتا تھا۔ ایک دن اس نے دیکھا کہ اس کی بیوی سیڑھیاں چڑھ رہی ہے۔ اس نے بیوی کو مخاطب کیا اور کہنے لگا: سنو! اگر تو اوپر چڑھی تو تجھے طلاق' نیچے اتری تو بھی طلاق اور اپنی جگہ کھڑی رہی پھر بھی طلاق۔

اس عورت نے اپنے خاوند کی طرف دیکھا، لمحہ بھر کے لیے رکی، ذرا سوچا اور پھر اس کے خاوند نے دیکھا کہ اس نے سیڑھی سے چھلانگ لگا دی۔

خاوند کی حسرتوں پر پانی پھر گیا۔ اپنی بیوی سے مخاطب ہوا: میرے ماں باپ تجھ پر قربان! تو کتنی بڑی فقیہہ ہے۔ اگر امام مالک رحمہ اللہ وفات پا جائیں تو ممکن ہے اہل مدینہ فتوئی کے لیے تیرے ہی پاس آئیں۔

عقلمند بیوی کی تلاش میں تین سوال

اس کا نام ''شن'' تھا۔ عرب میں اس کی پہچان ایک نہایت ذہین و فطین اور ذکی انسان کی سی تھی۔ لوگ اس کی خوبصورت، حکمت بھری، ذو معنی گفتگو سنتے اور خوش ہوتے۔ دور دور تک اس کی عزت تھی۔ اب اس کی عمر شادی کی تھی۔ اس نے شادی کے لیے تگ و دو شروع کی۔ خواہش اس کی یہ تھی کہ ایسی بیوی ملے جو اسی کی طرح سمجھدار اور ذہین ہو۔ اس نے کہا: میں اپنے علاقے میں مختلف جگہوں پر جاؤں گا اور اپنے لیے بیوی تلاش کروں گا۔ ایک دن اس نے اسی مقصد کے لیے قریبی گاؤں کا ارادہ کیا۔ ابھی اپنے گاؤں سے نکلا ہی تھا کہ ایک آدمی مل گیا، وہ بھی اسی گاؤں جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ دونوں چلنے لگے تو شن کہنے لگا:

ساتھی! «أَتَحْمِلُنِي أَمْ أَحْمِلُكَ؟»

''تم مجھے اٹھاؤ گے یا میں تمہیں اٹھاؤں؟''

وہ آدمی جواب میں بولا:

«يَا جَاهِلُ! كَيْفَ يَحْمِلُ الرَّاكِبُ الرَّاكِبَ؟»

''اے جاہل! بھلا کبھی کسی سوار نے بھی دوسرے سوار کو اٹھایا ہے؟''

ذرا آگے بڑھے۔ ایک کھیتی نظر آئی جس کی فصل پک چکی تھی۔ شن کہنے لگا: «أَتَرَى هٰذَا الزَّرْعَ قَدْ أُكِلَ أَمْ لَا؟»

"تمہارا کیا خیال ہے، اس کھیتی کا اناج کھایا گیا ہے یا نہیں؟"

اس نے کہا: «يَا جَاهِلُ! أَمَا تَرَاهُ قَائِمًا؟»

"اے جاہل! کیا تجھے نظر نہیں آتا کہ فصل کھڑی ہے؟"

ذرا آگے بڑھے تو انہیں ایک جنازہ جاتا دکھائی دیا۔ ش نے اپنے ساتھی سے پوچھا:

«أَتَرَى صَاحِبَ هٰذَا النَّعْشِ حَيًّا أَمْ مَيِّتًا؟»

"تمہارا کیا خیال ہے، یہ جنازہ والا شخص زندہ ہے یا مردہ؟"

اب تو اس کے ہمسفر کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔ کہنے لگا: دنیا میں بڑے بڑے جاہل اور غبی لوگ دیکھے مگر تیرے جیسا کوئی نہیں دیکھا۔ کیا کبھی تم نے کسی زندہ شخص کا جنازہ قبرستان کی طرف جاتے ہوئے دیکھا ہے؟

اس دوران میں ان کا مطلوبہ گاؤں آ گیا۔ وہ آدمی اپنے گھر پہنچا تو اس نے اپنے گھر والوں سے اس شخص کا ذکر کیا اور باتیں بتائیں۔ اس کی ایک بیٹی تھی جس کا نام "طبقة" تھا۔

وہ لڑکی کہنے لگی: ابا جان! اس شخص کا یہ کہنا کہ "تم مجھے اٹھاؤ گے یا میں تمہیں اٹھاؤں؟" اس کا مفہوم یہ تھا کہ وہ آپ سے گفتگو کرنا چاہتا تھا

تاکہ کہتے سنتے سفر کٹ جائے۔

اس شخص کا یہ کہنا کہ ”تمہارا کیا خیال ہے، اس کھیتی کا اناج کھایا گیا ہے یا نہیں؟“ اس سے مراد یہ تھی کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس کھیتی کے مالکان نے اس کھڑی فصل کو فروخت کر کے اس کی قیمت کھالی ہو۔

جہاں تک مسافر کا یہ سوال تھا کہ ”جنازہ زندہ ہے یا مردہ؟“ تو اس کا مقصد یہ تھا کہ اس مُردے نے اپنے پیچھے نیک اولاد یا کوئی قابل قدر کارنامہ چھوڑا ہے جس سے اس کا ذکر خیر باقی رہے۔

لڑکی کا باپ شن کو تلاش کرتے ہوئے اس سے جا ملا اور اسے اپنی بیٹی کی باتیں سنائیں۔ شن نے کہا: مجھے اسی طرح کی عورت کی تو تلاش تھی۔ چنانچہ اس نے اس لڑکی کا رشتہ طلب کیا اور پھر شادی کر کے اسے اپنے گاؤں لے آیا۔ لوگوں نے جب اس لڑکی کی عقل اور ذہانت دیکھی تو بے اختیار کہہ اٹھے:

«وَافَقَ شَنٌّ طَبَقَةَ»

”ہوشیار نوجوان 'شن' کو ذہین وفطین دوشیزہ 'طبقہ' ہاتھ لگ گئی۔“

پھر اس کے بعد لوگوں میں یہ ضرب المثل رائج ہوگئی۔

(دیکھئے: مجمع الامثال للمیدانی: 418/3، جمہرۃ الامثال: 186/1)۔

رملہ رضی اللہ عنہا کی خوش نصیبی کی انتہا

یہ ابوسفیان کی صاحبزادی تھیں، ان کا نام رملہ تھا اور کنیت ام حبیبہ تھی۔ وہ اپنے خاوند عبیداللہ بن جحش کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ گئیں۔ خاوند وہاں دین اسلام سے مرتد ہو گیا اور نصرانی بن گیا، اور عیسائیت پر ہی اس کی وفات ہوئی۔ ایک دن ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے خواب میں دیکھا کہ کوئی ان کو ام المومنین کہہ کر پکار رہا ہے۔ بڑی حیران ہوئیں، خود ہی اس کی تعبیر یہ نکالیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ شادی کریں گے۔

ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: میری عدت ختم ہوئی ہی تھی کہ ایک دن نجاشی کا پیغامبر میرے گھر کے دروازے پر پہنچا۔ میں نے اجازت دی تو اَبرہہ نام کی ایک لونڈی اندر داخل ہوئی۔ کہنے لگی کہ بادشاہ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے اور کہا ہے کہ جا کر ام حبیبہ کو بتاؤ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہ کو خط لکھا ہے جس میں آپ نے ام حبیبہ سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔

میں نے لونڈی سے کہا: "بَشَّرَكِ اللهُ بِخَيْرٍ"

''اللہ تعالیٰ تجھے شاداب رکھے۔ تمہیں خیر کی بشارت ہو۔'' (عرب جب کسی بات سے خوش ہوں تو اس قسم کے جملے ادا کرتے ہیں جن میں خوشی کا اظہار ہوتا ہے) یعنی میں نے اپنی طرف سے موافقت کا اظہار کر دیا۔

لونڈی نے مزید بتایا: بادشاہ نے یہ بھی کہا ہے کہ آپ اپنی جانب سے کوئی

ولی مقرر کر دیں جو آپ کی شادی کے امور سرانجام دے' چنانچہ میں نے خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو وکیل مقرر کیا اور لونڈی ابرہہ کو بشارت دینے کی خوشی میں اپنے ہاتھ سے چاندی کی انگوٹھیاں اور چاندی کے دو کنگن اتار کر دے دیے۔

جب شام ہوئی تو نجاشی نے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور وہاں موجود دیگر مسلمانوں کی مجلس قائم کی اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد کہا:

«أَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ كَتَبَ إِلَيَّ أَنْ أُزَوِّجَهُ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ أَبِي سُفْيَانَ، فَأَجَبْتُ إِلَى مَا دَعَا إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَقَدْ أَصْدَقْتُهَا أَرْبَعَمِائَةِ دِينَارٍ»

''اما بعد! رسول اکرم ﷺ نے میرے پاس خط بھیجا ہے کہ میں ان کی شادی ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے کر دوں، چنانچہ میں رسول اکرم ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ام حبیبہ کو ان کی طرف سے چار سو دینار بطور مہر ادا کرتا ہوں۔''

پھر اسی وقت نجاشی نے حاضرین کے سامنے مہر کی یہ رقم ادا کر دی۔ اس کے بعد ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے وکیل خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد حاضرین سے یوں خطاب کیا:

«أَمَّا بَعْدُ! فَقَدْ أَجَبْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ إِلَى مَا دَعَا إِلَيْهِ وَزَوَّجْتُهُ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ أَبِي سُفْيَانَ، وَبَارَكَ اللهُ لِرَسُولِهِ»

"اما بعد! میں نے رسول اکرم ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ام حبیبہ بنت ابی سفیان کی شادی آپ ﷺ سے کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو برکت سے نوازے"۔

پھر جب مجلس برخاست ہونے لگی تو شاہ حبشہ نے کہا:

«اجْلِسُوا فَإِنَّ مِنْ سُنَّةِ الأَنْبِيَاءِ إِذَا تَزَوَّجُوا أَنْ يُؤْكَلَ الطَّعَامُ عَلَى التَّزْوِيجِ».

"سب حضرات تشریف رکھیں۔ انبیاء کی سنت ہے کہ جب وہ شادی کرتے ہیں تو ولیمہ کی دعوت منعقد ہوتی ہے۔"

چنانچہ نجاشی نے ایک شاندار ولیمہ کا اہتمام کیا۔

شادی کے بعد نجاشی نے حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں مدینہ منورہ روانہ کیا۔

رسول اکرم ﷺ سے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی محبت اور اخلاص کی ایک واضح دلیل وہ واقعہ ہے جب ان کے والد ابوسفیان حالت کفر میں فتح مکہ سے قبل مدینہ منورہ ان کے گھر آئے۔ بیٹی کے گھر پہنچ کر جب بیٹھنا چاہا تو ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد کو رسول اکرم ﷺ کے بستر پر بیٹھنے سے منع کر دیا اور کہا: "یہ رسول اکرم ﷺ کا بستر ہے اور آپ مشرک ہیں اور مشرک نجس ہوتا ہے' لہٰذا آپ بستر رسول پر بیٹھنے کے لائق نہیں ہیں۔" یہ کہہ کر بستر لپیٹ دیا۔

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۴۴ھ میں ہوا۔

(أسد الغابة: 303/7، الإصابة: 140/8، الاستيعاب: 483/4)

اپنی بیٹی سے میری شادی کردو

جُلیبیب رضی اللہ عنہ ایک انصاری صحابی تھے۔ نہ مالدار تھے نہ کسی معروف خاندان سے تعلق تھا۔ صاحب منصب بھی نہ تھے۔ رشتہ داروں کی تعداد بھی زیادہ نہ تھی۔ رنگ بھی سانولا تھا۔ لیکن اللہ کے رسول ﷺ کی محبت سے سرشار تھے۔ بھوک کی حالت میں پھٹے پرانے کپڑے پہنے اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے، علم سیکھتے اور صحبت سے فیض یاب ہوتے۔

ایک دن اللہ کے رسول ﷺ نے شفقت کی نظر سے دیکھا اور ارشاد فرمایا:

«یَا جُلَیْبِیبُ! أَلَا تَتَزَوَّجُ؟».

''جُلیبیب! تم شادی نہیں کرو گے؟''

جُلیبیب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! مجھ جیسے آدمی سے بھلا کون شادی کرے گا؟

اللہ کے رسول ﷺ نے پھر فرمایا: ''جُلیبیب! تم شادی نہیں کرو گے؟'' اور وہ جواباً عرض گزار ہوئے کہ اللہ کے رسول! بھلا مجھ سے شادی کون کرے گا؟ نہ مال نہ جاہ وجلال!!

اللہ کے رسول ﷺ نے تیسری مرتبہ بھی ارشاد فرمایا: ''جُلیبیب! تم شادی

نہیں کرو گے؟'' جواب میں انہوں نے پھر وہی کہا: اللہ کے رسول! مجھ سے شادی کون کرے گا؟ کوئی منصب نہیں' میری شکل بھی اچھی نہیں' نہ میرا خاندان بڑا ہے اور نہ مال و دولت رکھتا ہوں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اذْهَبْ إِلَى ذَاكَ الْبَيْتِ مِنَ الْأَنْصَارِ وَقُلْ لَهُمْ: رَسُولُ اللهِ ﷺ يُبَلِّغُكُمُ السَّلَامَ وَيَقُولُ: زَوِّجُونِي ابْنَتَكُمْ».

''فلاں انصاری کے گھر جاؤ اور ان سے کہو کہ اللہ کے رسول ﷺ تمہیں سلام کہہ رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اپنی بیٹی سے میری شادی کر دو۔''

جُلیبیب رضی اللہ عنہ خوشی خوشی اس انصاری کے گھر گئے اور دروازہ پر دستک دی۔ گھر والوں نے پوچھا: کون؟ کہا: جُلیبیب۔ گھر والوں نے کہا: ہم تو تمہیں نہیں جانتے' نہ تم سے کوئی غرض ہے۔ خیر گھر کا مالک باہر نکلا' ادھر جُلیبیب کھڑے تھے۔ پوچھا: کیا چاہتے ہو' کدھر سے آئے ہو؟ کہا: اللہ کے رسول ﷺ نے تمہیں سلام بھجوایا ہے۔

یہ سننے کی دیر تھی کہ گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اللہ کے رسول نے ہمیں سلام کا پیغام بھجوایا ہے۔ ارے! یہ تو بہت ہی خوش بختی کا مقام ہے کہ ہمیں اللہ کے رسول نے سلام کہلا بھیجا ہے۔

جُلیبیب کہنے لگے: آگے بھی سنو! اللہ کے رسول ﷺ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کردو۔

صاحب خانہ نے کہا: ذرا انتظار کرو، میں لڑکی کی ماں سے مشورہ کرلوں۔ اندر جا کر لڑکی کی ماں کو پیغام پہنچایا اور مشورہ پوچھا؟ وہ کہنے لگی: نا' نا' نانا... قسم اللہ کی! میں اپنی بیٹی کی شادی ایسے شخص سے نہیں کروں گی؛ نہ خاندان' نہ شہرت' نہ مال ودولت۔ ان کی نیک سیرت بیٹی بھی گھر میں ہونے والی گفتگو سن رہی تھی اور جان گئی تھی کہ حکم کس کا ہے؟ کس نے مشورہ دیا ہے؟ سوچنے لگی اگر اللہ کے رسول ﷺ اس رشتہ داری پر راضی ہیں تو اس میں یقیناً میرے لیے بھلائی اور فائدہ ہے۔

اس نے والدین کی طرف دیکھا اور مخاطب ہوئی:

«أَتَرُدُّونَ عَلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ أَمْرَهُ؟ اِدْفَعُونِي إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَإِنَّهُ لَنْ يُضَيِّعَنِي».

"کیا آپ لوگ اللہ کے رسول ﷺ کا حکم ٹالنے کی کوشش میں ہیں؟ مجھے اللہ کے رسول ﷺ کے سپرد کردیں (وہ اپنی مرضی کے مطابق جہاں چاہیں میری شادی کردیں)، کیونکہ وہ ہرگز مجھے ضائع نہیں ہونے دیں گے۔"

پھر لڑکی نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تلاوت کی:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ

﴿ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ﴾

"اور دیکھو! کسی مومن مرد و عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد اپنے امور میں کوئی اختیار باقی نہیں رہتا"۔ (الأحزاب: 36)

لڑکی کا والد اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: اللہ کے رسول! آپ کا حکم سر آنکھوں پر آپ کا مشورہ' آپ کا حکم قبول' میں شادی کے لیے راضی ہوں۔ جب رسول اکرم ﷺ کو اس لڑکی کے پاکیزہ جواب کی خبر ہوئی تو آپ نے اس کے حق میں یہ دعا فرمائی:

«اللَّهُمَّ صُبَّ الْخَيْرَ عَلَيْهَا صَبًّا وَلَا تَجْعَلْ عَيْشَهَا كَدًّا»

'اے اللہ! اس بچی پر خیر اور بھلائی کے دروازے کھول دے اور اس کی زندگی کو مشقت و پریشانی سے دور رکھ'۔

(موارد الظمآن: 2269، أحمد: 425/4، مجمع الزوائد: 370/9 وغیرہ)

پھر جلیبیب رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس کی شادی ہوگئی۔ مدینہ منورہ میں ایک اور گھرانہ آباد ہوگیا جس کی بنیاد تقویٰ اور پرہیزگاری پر تھی، جس کی چھت مسکنت اور محتاجی تھی، جس کی آرائش و زیبائش تکبیر و تہلیل اور تسبیح و تحمید تھی۔ اس مبارک جوڑے کی راحت نماز میں اور دل کا اطمینان تپتی دوپہروں کے نفلی روزوں میں تھا۔

رسول اکرم ﷺ کی دعا کی برکت سے یہ شادی خانہ آبادی بڑی ہی برکت

والی ثابت ہوئی۔ تھوڑے ہی عرصے میں ان کے مالی حالات اس قدر اچھے ہو گئے کہ راوی کا بیان ہے:

«فَكَانَتْ مِنْ أَكْثَرِ الْأَنْصَارِ نَفَقَةً وَّمَالًا».

''انصاری گھرانوں کی عورتوں میں سب سے خرچیلا گھرانہ اسی لڑکی کا تھا۔''

ایک جنگ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنے صحابۂ کرام سے دریافت فرمایا:

«هَلْ تَفْقِدُونَ مِنْ أَحَدٍ؟».

''دیکھو! تمہارا کوئی ساتھی بچھڑ تو نہیں گیا؟''

مطلب یہ تھا کہ کون کون شہید ہو گیا ہے؟

صحابہ نے عرض کیا: ہاں، فلاں فلاں حضرات موجود نہیں ہیں۔

پھر ارشاد ہوا: «هَلْ تَفْقِدُونَ مِنْ أَحَدٍ؟».

''کیا تم کسی اور کو گم پاتے ہو؟''

صحابہ نے عرض کیا: نہیں۔

آپ نے فرمایا: «لٰكِنِّي أَفْقِدُ جُلَيْبِيبًا فَاطْلُبُوهُ».

''لیکن مجھے جلیبیب نظر نہیں آ رہا، اس کو تلاش کرو۔''

چنانچہ ان کو میدان جنگ میں تلاش کیا گیا۔

وہ منظر بڑا عجیب تھا۔ میدان جنگ میں ان کے اردگرد سات کافروں کی لاشیں تھیں۔ گویا وہ ان ساتوں سے لڑتے رہے اور پھر ساتوں کو جہنم رسید کر کے شہید ہوئے۔ اللہ کے رسول ﷺ کو خبر دی گئی۔ رؤف ورحیم پیغمبر تشریف لائے۔ اپنے پیارے ساتھی کی نعش کے پاس کھڑے ہوئے۔ منظر کو دیکھا۔ پھر فرمایا:

«قَتَلَ سَبْعَةً ثُمَّ قَتَلُوهُ، هَذَا مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ، هَذَا مِنِّي وَأَنَا مِنْهُ».

''اس نے سات کافروں کو قتل کیا' پھر دشمنوں نے اسے قتل کر دیا۔ یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔''

«فَوَضَعَهُ عَلَى سَاعِدَيْهِ لَيْسَ لَهُ إِلَّا سَاعِدَا النَّبِيِّ ﷺ».

''پھر آپ نے اپنے پیارے ساتھی کو اپنے ہاتھوں میں اٹھایا اور شان یہ تھی کہ اکیلے ہی اس کو اٹھایا ہوا تھا۔ صرف آپ کے دونوں بازوؤں کا سہارا اسے میسر تھا۔''

جُلیبیب رضی اللہ عنہ کے لیے قبر کھودی گئی، پھر نبی ﷺ نے اپنے دست مبارک سے انہیں قبر میں رکھا۔ (صحیح مسلم: 2472)

بہترین عورت کی خوبیاں

ایک اعرابی سے جس کا عورتوں کی صفات کے بارے میں خاصا تجربہ تھا، پوچھا گیا: بہترین عورت میں کیا خوبیاں ہونی چاہئیں؟

اس نے جواب دیا: ایک اچھی عورت میں درج ذیل خوبیاں ہوتی ہیں:

کھڑی ہو تو لمبے قد کی ہو اور بیٹھے تو نمایاں نظر آئے۔ گفتگو کرے تو سچ بولے۔ اس کو غصہ دلایا جائے تو بردباری کا مظاہرہ کرے۔ ہنسے تو صرف مسکراہٹ بکھیرے۔ کھانا پکائے تو نہایت ہی لذیذ...

اپنے خاوند کی فرمانبردار ہو۔ اپنے گھر سے محبت کرنے والی اور کم سے کم گھر سے باہر نکلنے والی ہو۔ اپنی قوم میں نہایت عزیز اور باوقار ہو، مگر انتہائی متواضع و منکسر مزاج ہو۔ خاوند سے محبت کرنے والی اور کثرت سے اولاد جننے والی ہو، پھر اس کا ہر کام نہایت پسندیدہ ہوگا۔

خنساء رضی اللہ عنہا کی ایمان افروز نصیحت

امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں مثنیٰ ابن حارثہ شیبانی رضی اللہ عنہ قادسیہ کی طرف روانہ ہوئے تو لشکر میں سیدہ خنساء رضی اللہ عنہا بھی اپنے چار بیٹوں کے ساتھ شریک تھیں۔ میدان جنگ میں لڑائی شروع ہونے سے ذرا پہلے سیدہ خنساء رضی اللہ عنہا نے اپنے چاروں بیٹوں کو بلایا ور ان کو جہاد وقتال کے لیے تیار کرنا شروع کیا۔ انہوں نے اللہ کی راہ میں شہادت کا مقام ومرتبہ بیان کیا۔ آیئے اس عظیم عورت نے اس نازک اور مشکل وقت میں اپنے بیٹوں سے جو خطاب کیا، اور انہیں جو ایمان افروز نصیحت کی، اس کے ایک حصے کا مطالعہ کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا:

''میرے پیارے بیٹو! تم مسلمان ہو اور اپنے رب کے اطاعت گزار ہو۔ تم اپنی مرضی سے یہاں آئے ہو، زبردستی نہیں لائے گئے۔ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں! تم سب جس طرح ایک ماں کی اولاد ہو ویسے ہی ایک باپ کے بیٹے ہو۔ میں نے تمہارے باپ کی خیانت نہیں کی، نہ اپنے بھائیوں کو رسوا کیا ہے۔ میں نے تمہارے حسب و نسب کو عیب دار نہیں ہونے دیا اور نہ اس میں کوئی تبدیلی کی ہے۔ تمہیں خوب معلوم

ہے کہ اللہ رب العزت نے کافروں
کے ساتھ لڑائی کرنے میں کتنا اجر و ثواب رکھا
ہے۔ سنو اور اچھی طرح سنو کہ آخرت کا گھر جو ہمیشہ رہنے
کے لیے ہے اس فانی دنیا سے کہیں بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (آل عمران: 200)

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، صبر کرو اور دوسروں کو صبر کی تلقین کرو اور آپس میں ربط پیدا کرو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔"

کل جب صبح کا سورج طلوع ہو تو تم دشمن کے ساتھ لڑائی کے لیے کمر بستہ ہو جاؤ اور دشمنان اسلام پر غلبہ حاصل کرو اور ان پر فتح پاؤ۔ اور جب تم دیکھو کہ لڑائی میں خوب گرمی اور تیزی آ گئی ہے اور جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے ہیں تو پھر اس میں کود پڑو۔"

پھر سیدہ خنساء رضی اللہ عنہا کے چاروں بیٹے نہایت عزت و وقار اور ثابت قدمی کے ساتھ میدان جنگ میں کود پڑے اور تمام کے تمام شہید ہو گئے۔ جب سیدہ خنساء رضی اللہ عنہا کو ان کی شہادت کی خبر ملی تو فرمایا:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي شَرَّفَنِي بِاسْتِشْهَادِهِمْ، وَأَرْجُو مِنْ رَبِّي أَنْ

يَجْمَعَنِي بِهِمْ فِي مُسْتَقَرِّ رَحْمَتِهِ».

”اللہ ہی کا شکر ہے جس نے مجھے شہیدوں کی ماں بنایا ہے اور ان کو شہادت کا شرف حاصل ہوا۔ میں اپنے رب سے یہ امید رکھتی ہوں کہ وہ مجھے جنت میں ان کے ساتھ اکٹھا کرے گا۔“

شوہر کو بیوی کا صدقہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی زینب ثقفیہ رضی اللہ عنہا بڑی مالدار خاتون تھیں۔ فرماتی ہیں کہ ایک دن اللہ کے رسول ﷺ کا یہ فرمان ہم نے سنا: «تَصَدَّقْنَ يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ وَلَوْ مِنْ حُلِيِّكُنَّ».

''اے عورتوں کی جماعت! صدقہ اور خیرات کیا کرو اگرچہ اپنا زیور (فروخت کر کے) ہی کیوں نہ ہو۔''

کہتی ہیں کہ میں اپنے خاوند عبداللہ بن مسعود کے پاس آئی اور کہا: آپ محتاج ہیں اور اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں صدقہ وخیرات کرنے کا حکم دیا ہے۔ آپ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ مسئلہ دریافت کریں۔ اگر یہ صدقہ میں آپ پر کروں اور یہ کفایت کر جائے تو ٹھیک ورنہ میں یہ صدقہ دوسروں کو دیا کروں گی۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: تم ہی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ مسئلہ پوچھو۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: چنانچہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے گھر کی طرف چل دی' وہاں دروازے پر ایک انصاری عورت کھڑی تھی۔ میں نے جب اس سے پوچھا کہ تم یہاں کیا لینے آئی ہو تو اس کا مسئلہ بھی میرے ہی جیسا تھا۔ اب احترام کے باعث باہر کھڑی ہو گئیں کہ اندر جانے کی جرأت کون کرے۔ اتنے میں گھر سے

حضرت بلال رضی اللہ عنہ باہر نکلے۔ہم نے
موقع غنیمت جانا اور ان سے کہا کہ وہ اللہ کے
رسول ﷺ سے پوچھنا چاہتی ہیں کہ کیا وہ اپنا صدقہ اور خیرات
اپنے شوہروں کو دے سکتی ہیں اور اسے اپنے زیر پرورش یتیموں پر خرچ
کر سکتی ہیں، اور ساتھ ہی ان سے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ کو ہمارے
بارے میں نہ بتانا کہ ہم کون ہیں۔

فرماتی ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس گئے اور مسئلہ دریافت کیا۔اللہ کے رسول ﷺ نے پوچھا کہ جو دو عورتیں دروازے پر ہیں کون کون ہیں؟ انہوں نے عرض کیا: ایک تو انصاری عورت ہے اور دوسری زینب ہے۔آپ نے فرمایا: «أيُّ الزَّيَانِبِ» ''کونسی زینب؟'' حضرت بلال نے عرض کیا: عبداللہ بن مسعود کی بیوی۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَهُمَا أَجْرَانِ: أَجْرُ الْقَرَابَةِ وَأَجْرُ الصَّدَقَةِ».

''ان کے لیے دہرا اجر وثواب ہے'ایک تو قرابت داروں سے حسن سلوک کا اور دوسرا صدقہ وخیرات کرنے کا۔''

(بخاری:1466،مسلم:1000)

بڑے باپ کی سمجھدار بیٹی

حاتم طائی کو کون نہیں جانتا؟ اس کی سخاوت کے قصے زبان زد خاص وعام ہیں۔ اس کا تعلق قبیلہ طے سے تھا۔ مدینہ منورہ سے چار ساڑھے چار سو کلومیٹر شمال مشرقی جانب موجودہ شہر حائل کے قریب اس قبیلہ کا مسکن تھا۔ اسلام کے خلاف مختلف قبائل سازشیں کرتے رہتے تھے، ان کی سرکوبی کے لیے اللہ کے رسول ﷺ گاہے بگاہے چھوٹے بڑے لشکر ارسال کرتے رہتے۔ قبیلہ بنی طے کی طرف حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر بھیجا گیا کیونکہ ان کی طرف سے کسی وقت بھی حملے کا خطرہ تھا۔ حاتم طائی خود تو فوت ہو چکا تھا اور اب قبیلہ طے کا سردار اس کا بیٹا عدی تھا جو اسلام دشمنی میں پیش پیش تھا۔ مسلمانوں کا لشکر جب اچانک ان کی بستی پر حملہ آور ہوا تو عدی گھبرا گیا اور شام کی طرف بھاگ گیا۔ بھاگتے وقت اس نے اپنی بہن سفانہ کو بھی ساتھ نہیں لیا بلکہ اسے چھوڑ کر ہی بھاگ کھڑا ہوا۔ ادھر اسلامی لشکر نے قبیلہ بنی طے کے مردوں اور عورتوں کو غلام اور لونڈیاں بنا لیا۔ جانوروں کو ہانکا اور مدینہ منورہ لے آئے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے قیدیوں کو اسلامی حکومت کے دارالخلافہ مدینۃ الرسول ﷺ میں مسجد نبوی کے قریب اتارا۔ ان قیدیوں میں نامور سخی اور ہر دلعزیز حاتم طائی

کی صاحبزادی سفانہ بھی شامل تھی۔

سفانہ بنت حاتم طائی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ
سے مخاطب ہوئی:

''براہ کرم آپ اپنے چچا زاد بھائی (محمد ﷺ) سے میری رہائی کے لیے سفارش کر دیں۔''

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں کہا کہ ہم لوگ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں کسی کی سفارش نہیں کرتے ؛ البتہ جب رسول اکرم ﷺ نماز کے لیے نکلیں گے، تو قیدیوں کا معاینہ فرمائیں گے'اس وقت تم خود ہی رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں اپنی گذارش پیش کرنا اور اپنے باپ حاتم طائی کا بھی تذکرہ کرنا، کیونکہ رسول اکرم ﷺ ہر کسی کی تکریم کرنے والے، خیر خواہی اور بھلائی کرنے والے اور تمام لوگوں سے زیادہ حلیم و بردبار ہیں۔

چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ جب نماز عصر کے لیے نکلے تو قیدیوں کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا، اسی وقت سفانہ کھڑی ہو کر عرض گزار ہوئی:

''محمد (ﷺ)! میرا والد فوت ہو چکا ہے اور اس کے بعد میرا بھائی بھاگ گیا ہے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھے رہا فرما دیں۔ مجھے قیدیوں میں رکھ کر میرے دشمنوں کو خوش نہ کریں۔ آپ کو معلوم ہے کہ میرا والد اپنی قوم کا سردار

تھا۔ وہ قیدیوں کو آزاد کرتا، ظالموں
کو قتل کرتا اور پڑوسیوں کی خیر خواہی اور حفاظت
کرتا تھا۔ بہادروں کی قدر کرتا اور ان کی حمایت کرتا تھا۔
پریشان حال لوگوں کے کام آتا، لوگوں کی مہمان نوازی کرتا، امن
اور چین کا علمبردار تھا۔ محتاجوں کی ضرورتیں پوری کرتا اور مصائب کے
مارے لوگوں کی مدد کرتا تھا۔ اس کے پاس جب بھی کوئی شخص آیا تو اس نے
اس کو خالی ہاتھ نہیں لوٹایا۔"

نبی کریم ﷺ نے اس کی گفتگو سنی تو ارشاد فرمایا:

«يَا هَنْتَاهُ! لَوْ كَانَ أَبُوكِ مَاتَ مُسْلِمًا لَتَرَحَّمْنَا عَلَيْهِ».

"او خاتون! (تم نے اپنے والد کی جو صفات بیان کی ہیں یہ مومنوں کی ہیں۔) اگر
تمہارا والد مسلمان ہو کر فوت ہوتا تو ہم اس کے لیے دعائے رحمت کرتے۔"

پھر حکم دیا: «خَلُّوا عَنْهَا، فَإِنَّ أَبَاهَا كَانَ يُحِبُّ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ».

"سفانہ کو چھوڑ دو، اس لڑکی کا والد اعلیٰ اخلاق کو پسند کرتا تھا۔"

پھر صحابہ کرام کو مکارم اخلاق کا درس دیا کہ اگر کسی قوم کا معزز ذلیل
ہو جائے، مالدار محتاج ہو جائے یا عالم جاہلوں میں ضائع ہو
جائے تو ان پر رحم کیا کرو۔ اللہ کے رسول نے جب
سفانہ پر احسان کیا اور اسے رہا کرنے کا
حکم دیا تو اس نے

تشکر آمیز انداز میں استدعا کی:

''میں دعا مانگنے کی اجازت چاہتی ہوں۔''

آپ نے اسے اجازت دے دی اور ساتھ ہی صحابہ کرام سے کہا کہ ذرا غور سے سنو کہ یہ عورت کیا دعا مانگتی ہے۔ اب اس عورت نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے:

''اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے' آپ کو کبھی کوئی مشکل پیش نہ آئے اور اگر کسی قوم سے نعمت چھن جائے تو آپ اس کے لوٹانے کا سبب بنیں۔''

رسول اکرم ﷺ نے سفانہ کو نہ صرف رہا کر دیا بلکہ اسے کپڑوں کے جوڑے بھی دیے' سواری مہیا کی اور زادِ راہ سے نوازا۔

وہ رہا ہو کر سیدھی اپنے بھائی عدی کے پاس پہنچی جو بھاگ کر شام چلا گیا تھا۔ سفانہ اس کے پاس پہنچ کر اسے لعن طعن کرنے اور کہنے لگی:

«اَلْقَاطِعُ الظَّالِمُ، اِحْتَمَلْتَ بِأَهْلِكَ وَوَلَدِكَ وَتَرَكْتَ بَقِيَّةَ وَالِدِكَ عَوْرَتَكَ»

''رشتوں کو توڑنے والے، ظالم! اپنے بیوی بچوں کو تو اپنے ساتھ سوار کر لیا اور بھاگ کھڑا ہوا اور اپنے باپ کی بیٹی کو چھوڑ دیا جو تیری عزت تھی؟''

عدی نے کہا: بہن! میں نے واقعی غلطی کی ہے۔ تو میری سرزنش نہ کر اور میرے بارے میں خیر ہی کہہ۔ پھر عدی نے اپنی بہن سے جو عقلمندی اور ہوشیاری میں معروف تھی' پوچھا:

16

«ماذا ترَيْنَ في هذا الرَّجل؟»

''اس آدمی (محمد) کے اندر تم نے کونسی خوبیاں دیکھی ہیں؟''

(دیکھئے: سیرت ابن ہشام: 235/4، أسد الغابة: 144/7)۔

سفانہ نے کہا: ''میرا مشورہ ہے کہ جس شخص کے پاس سے میں ابھی ہو کر آرہی ہوں' تم فوراً اس سے ملاقات کرو۔ وہ بڑا عظیم رہنما ہے اور وہ وقت آنے والا ہے جب وہ بڑے بڑے لوگوں اور قبائل پر غلبہ پا لے گا۔ میں نے اس کے اندر کچھ ایسی صفات دیکھی ہیں جو عام حکمرانوں میں نہیں پائی جاتیں۔ وہ فقراء سے محبت کرتا ہے' قیدیوں کو آزاد کرتا ہے' چھوٹوں پر رحم کرتا ہے اور بڑوں کی قدر پہچانتا ہے۔ میں نے اس سے بڑا سخی اور کریم کوئی نہیں دیکھا۔ سنو! اگر وہ نبی ہیں جس کے وہ دعویدار ہیں تو ان کی نبوت کو ماننے میں سبقت کرنا ہی بہتر ہے اور اگر وہ محض حکمران ہیں تو بھی وہ ایسے ہیں جن کی بادشاہی میں کوئی معزز شخص رسوا اور ذلیل نہیں ہوتا۔''

پھر سفانہ نے اپنے ساتھ رسول اکرم ﷺ کے رویہ اور اخلاق کریمانہ کا تذکرہ کیا کہ کس طرح اسے عزت و احترام کے ساتھ سواری دے کر اپنے آدمیوں کی حفاظت میں واپس بھیجا ہے،

تو عدی کے دل سے تمام وسوسے اور خدشات دور ہو

گئے۔ چنانچہ عدی وہاں سے سیدھے
مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ ان کے ذہن میں اللہ
کے رسول ﷺ کے بارے میں کئی سوالات تھے۔

مسجد نبوی میں آئے تو دیکھا کہ آپ ﷺ کی مسجد کچی اینٹوں سے
بنی ہوئی ہے اور آپ اپنے صحابہ کرام کے درمیان بالکل عام آدمی کی
طرح بیٹھے ہیں' حالانکہ وہ سوچ رہے تھے کہ نہ جانے انہوں نے کتنی زیادہ
دولت اکٹھی کر رکھی ہوگی اور گھر کتنا خوبصورت بنایا ہوگا؟

اللہ کے رسول ﷺ نے عدی کا مسجد میں ہی استقبال کیا۔ تھوڑی دیر گفتگو کے بعد
عدی کے کندھے پر اپنا مبارک ہاتھ رکھا اور کہا کہ عدی چلو باقی گفتگو گھر چل کے
کرتے ہیں۔ عدی کہتے ہیں: گھر میں داخل ہوئے تو میں حیران ہو گیا کہ گھر بھی
بالکل سادہ تھا۔ فرش پر چٹائی تک موجود نہ تھی' فرش بھی کچا تھا۔ اللہ کے رسول نے
اپنے کندھے سے چادر مبارک کو اتارا اور اسے زمین پر بچھا دیا۔ میرے دل
میں خیال آیا کہ اب خود تو چادر کے اوپر بیٹھیں گے اور مجھے کچے فرش پر
بٹھائیں گے۔ مگر یہ کیا ہوا! اللہ کے رسول ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے
چادر کے اوپر بیٹھنے کا حکم دیا اور جو ارشاد فرمایا اس کا مفہوم یہ تھا:

''تم ایک سخی باپ کے بیٹے ہو اور سخی کے گھر میں آئے
ہو۔ تم بڑے باپ کے بیٹے ہو' چادر پر
بیٹھو۔ میرا کیا ہے

میں فرش پر بیٹھ جاتا ہوں۔''

عدی خاموش نظروں سے اللہ کے رسول ﷺ کی طرف دیکھتے رہے۔ آپ کے اخلاق کریمانہ کا اثر عدی کے دل کی گہرائیوں تک پہنچ چکا تھا۔ سفانہ نے جو باتیں اور صفات بیان کی تھیں سب کی سب درست تھیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے پوچھا: ''عدی! تم کچھ سوالات کرنا چاہتے تھے' وہ کیا تھے؟'' عرض کیا: ''اب سارے سوالات ختم ہو چکے ہیں۔ آپ سے ایک ہی گذارش ہے کہ مجھے بھی کلمہ پڑھائیں اور اپنے جانثاروں میں شامل کرلیں۔'' اور چند لمحوں کے بعد عدی مسلمان ہو چکے تھے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ان کی ہمشیرہ سفانہ نے بھی اسلام قبول کرلیا۔

مورخین نے عدی رضی اللہ عنہ کے واقعہ کو مختلف انداز میں پیش کیا ہے۔ ایک اور ثقہ روایت کے مطابق حضرت عدی بن حاتم طائی جب اپنی ہمشیرہ کی گفتگو سن کر رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے انتہائی خوبصورت لباس زیب تن کر رکھا تھا اور اپنی گردن میں سونے کی صلیب لٹکائی ہوئی تھی۔ چونکہ وہ عرب کے سب سے بڑے فیاض و سخی اور ہر دلعزیز شخص کے صاحبزادے تھے اور اپنے قبیلے کے سردار بھی تھے، اس لیے بستی کے سارے ہی لوگ ان کو الوداع کہنے کے لیے باہر نکل آئے تھے اور مدینہ کے لیے انہیں رخصت کیا تھا۔

آگے حضرت عدی رضی اللہ عنہ کا اپنا بیان ہے:

میں رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو میری گردن میں سونے کی صلیب لٹک رہی تھی۔ آپ نے فرمایا:

«يَا عَدِيُّ! اطْرَحْ عَنْكَ هَذَا الْوَثَنَ».

"اے عدی! اس بت کو اپنی گردن سے نکال پھینکو۔"

نیز میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ تلاوت کرتے ہوئے سنا: ﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾.

"ان لوگوں (یہود و نصاریٰ) نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنا لیا۔" (التوبۃ:31)

یہ آیت سن کر حضرت عدی نے عرض کیا: یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء کی عبادت تو نہیں کی؟ آپ نے ارشاد فرمایا: «أَمَا إِنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا يَعْبُدُونَهُمْ وَلَكِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا أَحَلُّوا لَهُمْ شَيْئًا اسْتَحَلُّوهُ، وَإِذَا حَرَّمُوا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَّمُوهُ».

"یہ بات ٹھیک ہے کہ ان لوگوں نے اپنے علماء کی عبادت نہیں کی، لیکن یہ بات تو ہے نا، کہ جب ان علماء نے اللہ کی حرام کردہ کسی چیز کو ان کے لیے حلال قرار دیا، انہوں نے اسے حلال مان لیا اور جب اللہ کی حلال کردہ چیز کو ان علماء نے حرام قرار دیا، انہوں نے اس کو حرام ہی سمجھ لیا۔ یہی ان کی عبادت ہے"۔

(حسن] ترمذی:3095)

16

یہ سن کر عدی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

نبی کریم ﷺ نے مذکورہ حدیث میں یہ صاف وضاحت فرمادی کہ اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کرنے والے یا حرام کردہ اشیاء کو حلال ٹھہرانے والے کسی بھی آدمی کی اطاعت دراصل اس کی عبادت ہے جبکہ عبادت کے لائق صرف اور صرف اللہ وحدہ لاشریک ہے۔اس کے سوا کسی کی عبادت پل بھر کے لیے بھی صحیح نہیں،اسی پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے،اسی کے ناموں کی قسمیں کھائی جاسکتی ہیں، وہی کسی چیز کو حلال کرسکتا ہے اور کسی چیز کو حرام قرار دینا بھی اسی کا کام ہے۔ جو آدمی اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے اللہ اس کے لیے کافی ہے،مگر جو کوئی اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ پر توکل کرے گا، اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ناموں کی توہین کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو دنیا و آخرت میں ذلیل ورسوا کریں گے۔

یہ عورت جنت میں جائے گی

امام بخاری و مسلم یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ عطا بن ابی رباح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ کھڑے تھے کہ سامنے سے کالے رنگ کی ایک لونڈی گزری۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے عطا کی طرف دیکھا۔ کہنے لگے: تمہارا کیا خیال ہے' کیوں نہ تمہیں ایک جنتی عورت دکھاؤں؟ حضرت عطا نے تعجب سے کہا کہ ایک جنتی عورت؟

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں ایک عورت ہے' جب وہ وفات پاجائے گی تو جنت میں جائے گی۔ عطا نے تعجب کیا۔ کہنے لگے کہ مجھے دکھائیں وہ کون سی خوش نصیب خاتون ہے جو جنتی ہے، ہمارے درمیان رہتی ہے، بازاروں' گلیوں میں چلتی پھرتی ہے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کالے رنگ کی اس بوڑھی لونڈی کی طرف اشارہ کیا۔ کہنے لگے کہ وہ بوڑھی عورت جنتی ہے۔ حضرت عطا نے پوچھا: ابن عباس! آپ کو کیسے معلوم کہ وہ جنتی ہے؟

جواب دیا: کئی سال گزرے یہ کالی کلوٹی لونڈی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی، تب اس کو مرگی کے دورے پڑتے تھے۔ اس نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر شفا کے لیے دعا کی درخواست کی۔ وہ کہنے لگی:

"میری زندگی اجیرن ہوگئی ہے، بچے مجھ سے ڈرتے ہیں، میرا مذاق اڑاتے

ہیں' مجھ پر ہنستے ہیں۔ میں بازار میں ہوں یا گھر میں' یا لوگوں کے پاس، اچانک مجھے دورہ پڑتا ہے اور مجھے ہوش نہیں رہتا۔ میں اس زندگی سے تنگ آ چکی ہوں۔ اللہ کے رسول! اللہ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے شفا عطا فرمائے۔''

اللہ کے رسول ﷺ نے چاہا کہ صحابہ کرام کو صبر پر درس دیں۔ آپ نے فرمایا:

«إِنْ شِئْتِ صَبَرْتِ وَلَكِ الْجَنَّةُ، وَإِنْ شِئْتِ دَعَوْتُ اللهَ أَنْ يُعَافِيَكِ»

''اگر تم چاہو تو صبر سے کام لو اور اس کے عوض تمہارے لیے جنت ہے، اور اگر چاہو تو میں تمہاری شفا کے لیے اللہ سے دعا کر دوں۔''

اللہ کے رسول ﷺ نے جب بات ختم کی تو اس عورت نے غور و فکر کیا۔ سوچا' اپنے حالات اور اپنی بیماری کو دیکھا۔ آپ ﷺ کے فرمان کو اپنے دل میں دہرایا۔ اب وہ دونوں میں فیصلہ کرنا چاہ رہی تھی کہ کس کو اختیار کرے۔ صبر کو یا دنیاوی آرام کو؟ سوچا، غور کیا کہ دنیا تو فانی ہے، اسے ایک دن ختم ہو جانا ہے۔ میں جنت کی طلب گار کیوں نہ بنوں، اس کی چاہت کیوں نہ کروں؟ اور پھر اس نے اپنا فیصلہ صادر کر دیا: ''اے اللہ کے رسول! میں صبر سے کام لوں گی، لیکن جب مجھے مرگی کا دورہ پڑتا ہے تو میں بے پردہ ہو جاتی ہوں، اس لیے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرما دیں کہ وہ مجھے بے پردہ نہ کرے۔'' رسول اکرم ﷺ نے اس کے حق میں دعا فرما دی۔

(دیکھیے: بخاری: 5652، مسلم: 2576)

مکین جنت الفردوس کا

حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ ایک انصاری صحابی تھے۔ سیرت نگاروں نے ان کا تذکرہ غزوہ بدر کے شہداء میں کیا ہے۔ غزوہ بدر کفر و اسلام کے درمیان پہلی جنگ نہایت ہی دور رس نتائج اور اہمیت کی حامل تھی۔ یہ حق و باطل میں فرق کرنے والی تھی۔ یہی وجہ ہے اسے غزوۃ الفرقان بھی کہتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے جب لوگوں کو دعوت جہاد دی اور ان سے کفر کے مقابلے کے لیے نکلنے کو کہا تو حارثہ رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کے پاس آئے۔ ان کی والدہ بوڑھی ہو چکی تھیں' خاوند پہلے ہی فوت ہو چکا تھا' بڑھاپے کا واحد سہارا حارثہ تھے' جن سے شدید محبت تھی۔ یوں تو تمام مائیں اپنی اولاد سے بڑی محبت اور پیار کرتی ہیں مگر اکلوتی اولاد کی وجہ سے ان کی محبت ضرب المثل تھی۔ بیٹے کی معمولی تکلیف پر تڑپ اٹھتیں۔ سردی کے موسم میں ذرا سی سردی پر پریشان ہو جاتیں کہ کہیں میرے بیٹے کو سردی نہ لگ جائے۔ گرمی کے موسم میں یہ پریشانی لاحق ہوتی کہ کہیں میرے بیٹے کو لو نہ لگ جائے۔

اور آج بیٹا اپنی والدہ کے روبرو کھڑا تھا۔ ماں نے بیٹے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: بیٹے! اب تم بڑے ہو چکے ہو۔ میری ایک ہی خواہش ہے کہ اب تمہاری شادی کر دوں۔ تمہاری اولاد ہو' میں ان سے دل بہلاؤں' ان سے کھیلوں۔ اور بیٹا کہہ رہا ہے: اماں جان! آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے جہاد کا اعلان کیا ہے۔ میں بھی لوگوں کے ساتھ جہاد کے لیے جانا چاہتا ہوں۔ آپ کی اجازت لینے

کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ اماں جان! مجھے خوشی خوشی اجازت عطا فرمائیں۔

والدہ کہنے لگی: بیٹے مجھ سے تمہاری جدائی ومفارقت برداشت نہ ہو پائے گی۔ تم میرے پاس ہی رہو۔ ادھر حارثہ رضی اللہ عنہ اپنی والدہ سے بار بار اجازت کے لیے اصرار کر رہا ہے۔ اس کے ہاتھ چوم رہا ہے' سر چوم رہا ہے' کہتا ہے: اماں جان! خوشی سے اجازت دیں۔ جب بیٹے کا اصرار حد سے بڑھا تو بوڑھی والدہ نے کہا: بیٹے! ٹھیک ہے تم جہاد پر جانا چاہتے ہو' میں تمہیں اجازت دیتی ہوں' مگر سنو! تمہارے بغیر میرا دل نہیں لگے گا۔ جب تک تم واپس نہیں آ جاتے مجھے کھانا پینا اچھا نہیں لگے گا' مجھے چین نہیں آئے گا۔ پھر والدہ اٹھی' اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے کپڑے پہنائے' تلوار اس کے گلے میں لٹکائی' پھر بیٹے کی پیشانی پر بوسہ دیا اور اسے میدان جہاد کی جانب روانہ کر دیا۔

جب مسلمان بدر کے مقام پر پہنچے تو کنویں کے پاس پڑاؤ ڈالا۔ ادھر قریش بھی اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ وارد ہوئے اور پھر یوم الفرقان آ گیا' حق اور باطل کے درمیان فیصلے کا دن۔ مسلمانوں نے بھی اور کافروں نے بھی لڑائی کے لیے صفیں باندھ لیں۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لشکر کی صف بندی فرمائی۔ آپ نے حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر آگے بڑھ کر پانی کے کنویں پر قبضہ کر لیا تھا اور اس کی حفاظت کے لیے ایک انصاری جوان حبان بن عرقہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا کہ کوئی دشمن اس میں زہر نہ ملا دے' چنانچہ ان کو یہ ہدایت کی گئی کہ دشمن کا

کوئی بھی آدمی کنویں کے قریب پھٹکنے نہ پائے۔ بنی نجار سے تعلق رکھنے والے یہ صحابی تیر چلانے میں بڑی مہارت رکھتے تھے' ان کا نشانہ کم ہی چوکتا تھا۔

لڑائی شروع ہونے سے ذرا پہلے حارثہ رضی اللہ عنہ کو پیاس محسوس ہوئی اور انہوں نے کنویں کا رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر کنویں سے پانی نکالا۔ اپنی پیاس بجھانا چاہتے تھے کہ کنویں کی حفاظت پر مامور انصاری صحابی نے سمجھا یہ دشمن کا آدمی ہے جو کنویں میں زہر ملانا چاہتا ہے یا مسلمانوں کو ایذا پہنچانا چاہتا ہے۔ کہنے لگے: نعوذ باللہ' اسلام کا یہ دشمن ہمارے کنویں کو خراب کرنے کے لیے آیا ہے۔ انہوں نے اپنے تیر کو کمان میں رکھا اور شست باندھ کر پوری قوت سے حارثہ رضی اللہ عنہ کی طرف پھینکا۔ تیر سیدھا ان کے حلق میں جا لگا۔ حارثہ رضی اللہ عنہ نے چیخ ماری' زمین پر گر پڑے۔ مسلمانوں نے انہیں دشمن کا آدمی سمجھا' کسی نے ان کی طرف توجہ نہ دی۔ حارثہ رضی اللہ عنہ نے تیر نکالنے کی کوشش کی' مگر ان کی اجل آ چکی تھی' شہ رگ کٹ چکی تھی' خون کا فوارہ بہہ رہا تھا' اور اسی حالت میں وہ اپنے رب کے پاس چلے گئے۔ جب ان کی موت واقع ہو گئی تو کنویں پر مامور محافظ صحابی آگے بڑھے اور اپنے تیر کا شکار ایک مسلمان کو دیکھ کر سخت حیران و پریشان ہوئے کہ یہ کیا ہوا' میں نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا؟! لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ میں نے تو اسے دشمن کا آدمی سمجھا تھا!!

(دیکھیے: اسد الغابہ' ترجمہ' حارثہ بن سراقہ)

سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی۔ آپ نے اس انصاری صحابی کو

معاف کر دیا کہ ان کا کوئی قصور نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بدر کے میدان میں مسلمانوں کو فتح ونصرت سے ہمکنار فرمایا۔ مسلمان خوش خوش واپس مدینہ آئے۔ آپ ﷺ نے پہلے ہی حضرت بلال اور حضرت زید رضی اللہ عنہما کو فتح کی خوشخبری دے کر مدینہ بھجوا دیا تھا۔ جب مسلمان واپس آئے تو اہل مدینہ نے مجاہدین کا والہانہ استقبال کیا۔ عورتیں بچے اور بوڑھی عورتیں اپنے خاوندوں' باپوں اور بیٹوں کے انتظار میں تھیں۔ رشتہ دار والہانہ طور پر اپنے عزیزوں کا استقبال کر رہے تھے۔ انھی استقبال کرنے والوں میں ام حارثہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھی۔ مسلمان مجاہد مدینہ میں داخل ہوئے۔ بچے آگے بڑھ بڑھ کر اپنے باپوں کو سلام کر رہے ہیں' ان کے احوال پوچھ رہے ہیں۔ ام حارثہ رضی اللہ عنہا ایک طرف شوق انتظار میں کھڑی ہے کہ کب اس کا لخت جگر نظر آئے' اس کو سینے سے لگائے، اپنی اداسی دور کرے۔ قافلے آتے رہے اس کے پاس سے گزرتے رہے' مگر ان میں اس کو اپنا لخت جگر حارثہ نظر نہ آیا۔ دل میں طرح طرح کے وسواس اور خدشات پیدا ہو رہے تھے۔ آخر دل کو تھام نہ سکی' ایک صحابی کا راستہ روک کر کھڑی ہوگئی۔

پوچھا: تم حارثہ کو جانتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہاں جانتا ہوں' مگر تمہارا حارثہ سے کیا تعلق؟ کہنے لگی: میں اس کی والدہ ہوں' میں ام حارثہ ہوں۔ صحابی نے کہا: تو پھر اپنے بیٹے پر صبر کرو' تمہارا بیٹا قتل ہوگیا ہے۔ ام حارثہ رضی اللہ عنہا نے جب خبر سنی' شہید کا مقام ومرتبہ یاد آ گیا۔ بیٹا شہید ہوگیا۔ میں شہید کی ماں' میرا بیٹا جنتی۔ اللہ اکبر۔ یہ

مقام اور مرتبہ' میرا بیٹا میری سفارش کرے گا۔ بے اختیار کہنے لگی: میرا بیٹا شہید ہے۔

مگر میں تو اس کو شہید نہیں سمجھتا' صحابی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ پوچھا: کیوں؟ کیا اس کو کافروں نے قتل نہیں کیا؟ کہا: نہیں تو۔

پوچھا: کیا وہ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان لڑائی کے دوران قتل نہیں ہوا؟

کہا: نہیں۔

کیا کہا؟ میرا بیٹا اپنے دین کا' اسلام کا دفاع کرتے ہوئے شہید نہیں ہوا' میرا بیٹا کیسے قتل ہوا؟ میرا بیٹا حارثہ کدھر ہے؟ وہ غم و مصیبت میں مبتلا سوال پر سوال کیے جا رہی تھی۔

صحابی نے کہا کہ دراصل تمہارا بیٹا معرکہ شروع ہونے سے پہلے ہی قتل ہو گیا تھا' اور اس کو قتل کرنے والا ابھی مسلمان ہے۔ تمہارے بیٹے نے معرکہ میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ اماں نے کہا کہ تمہارا مطلب یہ ہے کہ میرا بیٹا شہید نہیں ہے۔ صحابی نے کہا: وہ شہید تو نہیں' مگر ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے جنت نصیب کر دے۔ اس بوڑھی اماں نے جب سارا قصہ سنا تو مضطرب اور بے چین ہو کر کہنے لگی کہ کائنات کے امام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کہاں ہیں؟ صحابی نے کہا کہ وہ دیکھو اللہ کے رسول تشریف لا رہے ہیں۔ وہ دوڑتی ہوئی آگے بڑھی' آنکھوں سے آنسو جاری' غم والم کا پہاڑ آ پڑا کہ جوان' اکلوتا بیٹا شہید نہیں ہوا۔ مشفق اعظم ﷺ نے دیکھا کہ ایک خاتون آ رہی ہے' رک گئے۔ اماں پاس آئی تو پوچھا:

کون؟ کہا: ام حارثہ۔ فرمایا: ام حارثہ! کیا چاہتی ہو؟ عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ کو خوب معلوم ہے کہ مجھے اپنے بیٹے حارثہ سے کتنی محبت تھی۔ سارا مدینہ میری محبت سے خوب واقف ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ میرا بیٹا قتل ہوگیا ہے۔ اللہ کے رسول! مجھے بتایئے قتل کے بعد حارثہ کہاں ہے' میرا لخت جگر کہاں ہے؟ اگر تو جنت میں ہے تو میں صبر و شکر کروں' اور اگر وہ جنت میں نہیں ہے تو پھر مجھے اجازت دیں میں اس کا نوحہ کروں' خوب روؤں' اتنا روؤں کہ اس سے پہلے اس کی مثال نہ ہو' حتیٰ کہ مجھے قرار آ جائے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا: ''ام حارثہ! کیا کہتی ہو؟'' کہنے لگی: یا رسول اللہ! وہی جو آپ مجھ سے سن چکے ہیں۔ اگر جنتی ہے تو صبر اور شکر کروں اور جنتی نہیں تو کم از کم نوحہ تو کرلوں۔

کائنات کی سب سے مشفق شخصیت نے رحمت بھری نظروں سے دیکھا' ایک بوڑھی عورت اپنے بیٹے کے لیے تڑپ رہی ہے' پھر بھی صبر کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ وہ اگر اس کے سامنے ہوتا تو اسے گلے سے لگاتی' اس کا منہ چومتی' اپنے سے کبھی جدا نہ ہونے دیتی۔

ام حارثہ نہایت اضطراب کے عالم میں کھڑی نتیجہ کا انتظار کر رہی ہے۔ نجانے آپ کیا فرماتے ہیں۔ قدموں میں لغزش ہے' حلق خشک ہوگیا ہے' چہرے پر آنسو ٹھہر گئے ہیں' حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہی ہے کہ ابھی وہ زبان میں حرکت

آنے والی ہے جس سے صرف سچ نکلتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے جب اس عورت کی اپنے بیٹے سے محبت اور عجز و انکسار دیکھا تو فرمایا:

«وَيْحَكِ أَوْ هَبِلْتِ، أَوَ جَنَّةٌ وَاحِدَةٌ هِيَ؟ إِنَّهَا جِنَانٌ كَثِيرَةٌ، وَإِنَّهُ فِي جَنَّةِ الْفِرْدَوْسِ».

''ام حارثہ! تمہیں کیا ہوگیا ہے' بیٹے کی محبت میں دیوانی ہوگئی ہو۔ تم ایک جنت کی بات کرتی ہو' رب العزت نے اس کو بہت ساری جنتوں کا مالک بنا دیا ہے۔ خوش ہو جاؤ' تمہارا بیٹا جنت الفردوس میں پہنچ گیا ہے۔''

(بخاری: 3982' ترمذی: 3174' احمد: 124/3)

جنت الفردوس کی چھت رحمٰن کا عرش ہے۔ جنت میں سب سے اونچا مقام جنت الفردوس کا ہے' جس کے اوپر رحمٰن جل جلالہ کا عرش ہے۔ جب اس بوڑھی عورت نے خوشخبری سنی' سر عجز و انکسار سے جھک گیا' چہرے پر تازگی آ گئی اور آنسو رک گئے۔ چہرہ آسمان کی طرف اٹھایا اور کہا: اللہ اکبر! اللہ تیرا شکر ہے' میں شہید کی ماں بن گئی' میرے بیٹے کو جنت الفردوس کی خوشخبری مل گئی۔ میری خوش قسمتی کے کیا کہنے! نہ مال غنیمت مقصود' نہ دنیا کی ستائش اور نہ صلہ۔ یہاں تو رب تعالیٰ کی رضا' اس کی خوشنودی' اس کی چاہت اور اس کی محبت مطلوب ہے۔

آپ کے لیے مجھ سے شادی جائز نہیں!

خیزران بنت عطا خلیفہ مہدی کی لونڈیوں میں سے ایک تھی۔ اس کا تعلق یمن سے تھا۔ یہ بہت ہی عقلمند کنیز تھی، فقہی مسائل کے استنباط میں اسے دسترس حاصل تھی کیونکہ امام اوزاعی سے اس نے فقہ کا علم حاصل کر رکھا تھا۔ اس کی ذہانت وفطانت کو دیکھ کر خلیفہ مہدی نے اسے آزاد کر کے اپنی زوجیت میں شامل کر لینا چاہا مگر خیزران نے اس سے کہا: آپ مجھ سے شادی نہ ہی کریں تو بہتر ہے، کیونکہ آپ کے لیے مجھ سے شادی کرنا جائز نہیں!

خلیفہ کو اس کے جواب پر بڑا تعجب ہوا۔ ایک حاکمِ وقت ایک لونڈی کو پیغامِ نکاح دے اور وہ اس پر چون وچرا سے کام لے۔

خلیفہ مہدی نے خیزران سے پوچھا: آخر تم میری بیوی کیوں نہیں بن سکتی، جبکہ تم پہلے سے ہی میری لونڈی ہو؟

خیزران نے جواب دیا: «لَا يَحِلُّ لَكَ أَنْ تَتَزَوَّجَ عَلَيَّ».

''آپ کے لیے مجھے کسی کی سوکن بنانا جائز نہیں۔''

خلیفہ مہدی نے جب خیزران سے شادی کے لیے اصرار کیا تو اس نے کہا: کسی عالم دین سے پوچھ لیں کہ آپ کے لیے مجھ سے شادی کرنا کیوں جائز نہیں؟

خلیفہ مہدی نے کہا: کیا تم سفیان ثوری کے فتویٰ سے راضی ہو؟

خیزران نے کہا: کیوں نہیں، میں ان کے فتویٰ سے مطمئن ہو جاؤں گی۔

خلیفہ مہدی نے امام سفیان ثوری سے اس سلسلہ میں گفتگو کی اور انہیں بتایا کہ آخر میرے لیے اپنی ایک لونڈی کو اپنی ازواج کی فہرست میں شامل کرنا کیوں جائز نہیں، جبکہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ﴾.

"عورتوں میں جو بھی تمہیں اچھی لگیں تم ان سے شادی کر لو: دو دو، تین تین، چار چار سے"۔

یہ کہہ کر خلیفہ مہدی خاموش ہو گیا تو امام سفیان ثوری کہنے لگے: آپ نے آیت کا ایک ٹکڑا تو پڑھ ڈالا، ذرا آگے کا حصہ بھی پڑھیں۔

امام ثوری نے آیت کا اگلا حصہ پڑھا: ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾. "یعنی اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کئی بیویوں میں برابری کا برتاؤ نہیں کر سکتے تو پھر ایک بیوی کافی ہے، یا تمہاری ملکیت کی لونڈی" (النساء:3)

امام ثوری نے خلیفہ کو

سمجھا دیا کہ آپ خیزران کو اپنی بیوی بنا
کر اس کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتے اس لیے اس
کو بحیثیت لونڈی رکھنا ہی بہتر ہے۔

خلیفہ نے انہیں دس ہزار درہم بطور عطیہ دینے کا حکم دیا مگر امام سفیان
ثوری نے لینے سے انکار کر دیا۔

خیزران کی فقاہت خلیفہ کو اچھی طرح ذہن نشین ہو گئی کہ وہ اگر خیزران کو بیوی بنائے گا
تو اس کے ساتھ پورا انصاف کرنا ہوگا' اس کے ساتھ دوسری بیویوں کی طرح یکساں
سلوک کرنا ہوگا اور اسے بھی تمام ازدواجی حقوق مہیا کرنا ہوں گے چنانچہ کچھ عرصہ بعد
159ھ میں خلیفہ نے خیزران کو آزاد کر کے اس سے شادی کر لی۔ اس کے بطن سے دو
لڑکے پیدا ہوئے: ایک ہادی اور دوسرا ہارون الرشید۔ مہدی کی وفات کے بعد ہادی
خلیفہ بنا اور ہادی کے بعد ہارون الرشید۔ خیزران نے اپنے بیٹے ہارون کے عہد
خلافت میں بیت اللہ کا حج کیا اور نیکی کے کاموں میں اور حاجت مندوں کی مدد میں
ایک خطیر رقم اللہ کی راہ میں اپنے ہاتھوں سے تقسیم کی۔

خیزران کی وفات بغداد میں 173ھ میں ہوئی۔(1)

---

(1) دیکھیے: الاعلام للزرکلی: 2/328، وفیات الاعیان: 2/389، البدایۃ و
النہایۃ: 13/568

پروردگار! میرا رزق تیرے ذمے ہے

ابوعبداللہ بن جعفر جو کہ برقی کے لقب سے مشہور ہیں، کہتے ہیں: میں نے ایک بیابان میں ایک بدو خاتون کو دیکھا جس کی کھیتی کڑاکے کی سردی، زوردار آندھی اور موسلا دھار بارش کے سبب تباہ و برباد ہو چکی تھی۔ لوگ اس کے اردگرد جمع تھے اور اس کی فصل تباہ ہونے پر اسے دلاسا دے رہے تھے۔

اس نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی اور کہنے لگی:

«اللّٰهُمَّ أَنْتَ الْمَأْمُولُ لِأَحْسَنِ الْخَلَفِ، وَبِيَدِكَ التَّعْوِيضُ عَمَّا تَلَفَ، فَافْعَلْ بِنَا مَا أَنْتَ أَهْلُهُ، فَإِنَّ أَرْزَاقَنَا عَلَيْكَ، وَآمَالَنَا مَصْرُوفَةٌ إِلَيْكَ».

”اے پروردگار! پسماندگان کی عمدہ دیکھ بھال کے لیے تجھ ہی سے امید وابستہ کی جاتی ہے جو کچھ تباہ و برباد ہو گیا اس کی تلافی تیرے ہی ہاتھ میں ہے، اس لیے تو اپنی نرالی شان کے مطابق ہمارے ساتھ معاملہ فرما، کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ ہماری روزی کا بندوبست تیرے ہی ذمہ ہے اور ہماری آرزوئیں اور تمنائیں تجھی سے وابستہ ہیں“۔

ابوعبداللہ بن جعفر کہتے ہیں: میں ابھی اس خاتون کے پاس ہی تھا کہ ایک آدمی وہاں آن پہنچا، ہمیں اس کے

بارے میں کوئی علم نہیں تھا کہ یہ کون

ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ مقصد کیا ہے؟ جب اسے

اس عورت کے عقیدے، منہج اور اللہ تعالیٰ سے تعلق کا پتہ چلا تو

اس نے 500 دینار نکالے اور اس عورت کی خدمت میں پیش کر کے

اپنی راہ چلتا بنا۔ (مجلۃ العربی: 188/444 منا وذکیات جدا: 44)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو آدمی بھی اللہ تعالیٰ پر کامل اعتماد کرے گا، اور تقویٰ اختیار کرے گا، وہ کبھی نعمتِ خداوندی سے محروم نہیں رہے گا؛ نیز اللہ تعالیٰ اسے ایسے راستے سے روزی بہم پہنچائیں گے جس کا وہ کبھی گمان بھی نہیں کر سکتا تھا' جیسا کہ اس دیہاتی خاتون کے ساتھ واقعہ پیش آیا جس کا آپ نے اوپر مطالعہ کیا۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وضاحت ہوتی ہے:

﴿وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾.

''جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اس کے لیے (مشکل سے) چھٹکارے کی شکل پیدا فرما دیتا ہے، اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو''۔ (الطلاق:2-3)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ان سطور کے راقم نے عربی ادب کی بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ ایک فقیر محتاج عورت، بادیہ نشین' جنگل میں خیمہ

لگائے ہوئے تھی۔ اپنی ضروریات
کے لیے اس نے اردگرد کھیتی لگا رکھی تھی۔ گزر اوقات
اسی سے کرتی تھی۔ ایک دن طوفان آیا، بجلی چمکی اور کڑکی،
آسمان سے ژالہ باری ہوئی اور کھیتی تباہ و برباد ہو گئی۔ جب طوفان تھم
گیا تو اس عورت نے خیمہ سے سر نکالا۔ اپنی کھیتی کو دیکھا، ہر چیز تباہ و برباد ہو
چکی تھی۔ اس نے حسرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر اپنا منہ آسمان کی
طرف کیا اور کہنے لگی:

«اصْنَعْ یَا إِلٰهِي مَا شِئْتَ، فَإِنَّ رِزْقِي عَلَیْكَ»

"اے میرے پروردگار! جو جی چاہے کر (تجھے کون پوچھنے والا ہے) ہاں (اتنی بات
ضرور ہے کہ) میرا رزق تو تیرے ہی ذمہ ہے۔"

انہیں بالکل سیدھا کرنے کی کوشش مت کرو

مشہور مورخ وسیرت نگار واقدی کا بیان ہے کہ میں ایک روز خلیفہ مہدی کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس سے چند احادیث بیان کیں۔ میری بیان کردہ حدیثیں اس نے لکھ لیں، پھر تھوڑی دیر بعد وہ اپنے گھر میں داخل ہوا۔ جب وہ گھر سے نکلا تو غصہ سے اس کا چہرہ سرخ تھا اور وہ غیظ وغضب سے بھرا ہوا تھا۔ میں نے عرض کیا: امیر المومنین! خیریت تو ہے؟ خلیفہ مہدی کہنے لگا: «دَخَلْتُ عَلَى الْخَيْزُرَانِ فَقَامَتْ إِلَيَّ وَمَزَّقَتْ ثَوْبِي وَقَالَتْ: مَا رَأَيْتُ خَيْرًا مِنْكَ» ”میں اپنی بیوی خیزران کے پاس گیا تو اس نے میرا کپڑا اس قدر زور سے کھینچا کہ وہ پھٹ گیا اور کہنے لگی: میں نے تم میں کوئی خیر کا پہلو نہیں دیکھا ہے۔“

خلیفہ نے مزید کہا: اے واقدی! آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں نے خیزران کو ایک غلام فروش سے خریدا تھا، پھر میں نے اسے آزاد کر کے اس سے شادی کر لی؛ چنانچہ اب وہ قصر شاہی میں میری بیوی کی حیثیت سے خوش وخرم زندگی گزار رہی ہے، نیز اس کو ناز ونعم اور آرائش وزیبائش کے لیے وہ چیزیں دستیاب ہیں جو دیگر آزاد عورتوں کو کم ہی نصیب ہوا کرتی ہیں، مگر آج اس کا ذہن اس قدر بدل گیا کہ اس نے میرے

سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دیا اور
کہنے لگی کہ آج تک میں نے کبھی تم میں خیر نہیں
دیکھی!! حالانکہ میں نے اس کے دونوں لڑکوں (ہادی اور ہارون
رشید) کے لیے پیشگی بیعت کروادی ہے، میرے بعد یکے بعد دیگرے
وہ دونوں مسلمانوں کے خلیفہ ہوں گے، پھر بھی وہ مجھے طعنے دے رہی ہے کہ
میں نے اس کے لیے کوئی بھلائی نہیں کی ہے!!

واقدی نے خلیفہ مہدی کی بات سن کر کہا: امیر المومنین! آپ ناراض نہ ہوں، کیونکہ کفرانِ نعمت عورتوں کی فطرت ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «خَيْرُكُم خَيْرُكُم لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُم لِأَهْلِي» ''تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہلخانہ کے لیے بہتر ہو، اور میں اپنے اہلخانہ کے حق میں تم سب سے بہتر ہوں''۔

(صحیح] ابن ماجہ، کتاب النکاح: 1977)

ایک اور حدیث میں رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: «اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ، فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ، وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ، فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ، فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ». ''عورتوں کے بارے میں میری نصیحت کا ہمیشہ
خیال رکھنا، کیونکہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے، اور
پسلی میں بھی سب سے زیادہ ٹیڑھا اوپر
کا حصہ

ہوتا ہے۔ اگر تم اسے بالکل سیدھی
کرنے کی کوشش کرو گے تو انجام کار توڑ کر رہو گے
اور اگر اس ٹیڑھی پسلی کو یونہی چھوڑ دو گے تو ویسے ہی ٹیڑھی رہے گی
(اور تم اس کے ٹیڑھے پن کے باوجود اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہو) پس
تم لوگ عورتوں کے بارے میں میری نصیحت مانو، عورتوں سے اچھا سلوک
کیا کرو!!" (بخاری: 3331، مسلم: 1468)

واقدی نے اس موضوع سے متعلق چند مزید احادیث خلیفہ سے بیان کیں۔ خلیفہ مہدی نے انہیں دو ہزار دینار دینے کا حکم دیا۔ جب واقدی خلیفہ کے پاس سے نکل کر اپنے گھر پہنچے تو اسی وقت ملکہ خیزران کا پیغامبر بھی ان کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور ملکہ کا دیا ہوا تقریباً دو ہزار دینار کا عطیہ بھی ان کی خدمت میں پیش کیا، علاوہ ازیں کپڑے اور جوتے بھی تھے۔ ملکہ نے پیغامبر کے ذریعے ان عطیات کے ساتھ ساتھ اس کار خیر پر ان کا شکریہ بھی ادا کیا تھا۔

(دیکھئے: البدایة والنهایة: 545/13، طبع دار ہجر)

سب سے پیاری بیوی کون؟

ایک آدمی کی ایک سے زائد بیویاں تھیں۔ ایک روز اس کی سب سے چھوٹی بیوی اس سے کہنے لگی: «أُحِبُّ أَنْ تُعْلِنَ أَمَامَ زَوْجَاتِكَ أَنِّي أَكْثَرُهُنَّ حُبًّا إِلَى قَلْبِكَ» ''میں چاہتی ہوں کہ آپ اپنی دیگر بیویوں کے سامنے اس بات کا اظہار کر دیں کہ میں آپ کی دوسری تمام بیویوں کی نسبت آپ کو زیادہ محبوب اور پیاری ہوں''۔

شوہر بڑا ہوشیار تھا، اس نے فوراً ایک درہم اپنی جیب سے نکالا اور اسے اپنی کم عمر بیوی کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ پھر اس نے اپنی دیگر بیویوں کو بھی چھپا کر ایک ایک درہم دے دیا۔ اس کی کسی بھی دوسری بیوی کو معلوم نہ تھا کہ اس کے علاوہ بھی کسی کو درہم ملا ہے۔ جب ساری بیویاں اکٹھی ہوئیں تو کم عمر بیوی نے اپنے شوہر سے پوچھا: «مَنْ أَحَبُّ نِسَائِكَ إِلَيْكَ؟» ''آپ کی نگاہ میں آپ کی بیویوں میں سب سے زیادہ پیاری کون ہے؟'' یہ کہہ کر اس نے اپنے تئیں گمان کر لیا کہ شوہر تو میرا ہی نام لیں گے۔ مگر شوہر نے جواباً کہا: «مَنْ أَعْطَيْتُهَا دِرْهَمًا» ''میری نظر میں سب سے زیادہ پیاری بیوی وہ ہے جس کو میں نے ایک درہم دے رکھا ہے۔''

یہ سننا تھا کہ کم عمر بیوی نے مارے خوشی کے اپنا ہاتھ اٹھا دیا اور اس

میں موجود اپنا درہم دکھانے لگی۔ وہ
دیگر بیویوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کر رہی تھی کہ وہ
ان کے مقابلے میں اپنے شوہر کو زیادہ پیاری ہے۔ اتنے میں
دیگر بیویوں نے بھی اپنا اپنا ہاتھ بلند کر دیا اور ان سب کے ہاتھ میں
ایک ایک درہم تھا!!

23

نہر زبیدہ

یہ دوسری صدی ہجری کا زمانہ تھا۔ دنیا کے چپے چپے میں اسلام کی کرنیں اپنی تابناک شعاعیں بکھیر رہی تھیں۔ وہی عرب جو کچھ عرصہ پہلے انتقام کی آگ میں جھلس رہے تھے آج اسلامی تعلیمات کی بدولت باہم بھائی بھائی بن چکے تھے، قبائل کے درمیان باہمی اختلافات بلاشبہ پائے جاتے تھے مگر محاذ جنگ پر جب اکٹھے ہوتے تو سب ایک دوسرے کا بے حد احترام کرتے تھے۔ تلواروں کے سایے میں ان کی نمازیں ادا ہوتی تھیں اور جن جن ملکوں میں وہ جہاد کا پرچم لہراتے وہاں کے باشندوں کے ساتھ عدل وانصاف کرنا ان کی شان تھی۔ دوسری جانب مسلمان مبلغین بھی دعوت وتبلیغ کا کام جاری رکھے ہوئے تھے چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے مسلمانوں کی تعداد میں بے تحاشا اضافہ ہونے لگا۔ دوسری صدی ہجری کے اواخر میں مملکت اسلامیہ کی باگ ڈور خلیفہ ہارون رشید کے ہاتھ میں ہے، دنیا کے گوشے گوشے سے مسلمان بیت اللہ شریف کا حج ادا کرنے کے لیے آ رہے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں پانی ناپید ہے۔ حجاج کرام اور اہل مکہ بڑی مشکل سے کسی طرح پانی کا بندوبست کر پاتے ہیں۔

اسی زمانہ میں ملکہ زبیدہ بنت جعفر فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ آتی ہیں۔ انہوں نے جب اہل مکہ اور حجاج کرام کو پانی کی دشواری اور مشکلات میں مبتلا دیکھا تو انہیں سخت افسوس ہوا؛ چنانچہ انہوں نے اپنے اخراجات سے ایک عظیم الشان نہر کھودنے کا حکم دے کر ایک ایسا فقید المثال کارنامہ انجام دیا جو رہتی

دنیا تک عالم بشریت کو یاد رہے گا۔

ام جعفر زبیدہ بنت جعفر بن ابو جعفر منصور ہاشمی خاندان کی چشم و چراغ تھیں۔ یہ خلیفہ ہارون رشید کی چچا زاد بہن تھیں۔ ان کا نام ''اَمَۃُ العزیز'' تھا۔ ان کے دادا منصور بچپن میں ان سے خوب کھیلا کرتے تھے' ان کو ''زبیدہ'' (دودھ بلونیوالی متھانی) کہہ کر پکارتے تھے' چنانچہ سب اسی نام سے پکارنے لگے اور اصلی نام لوگ بھول ہی گئے۔ یہ نہایت خوبصورت اور ذہین و فطین تھیں۔ جب جوان ہوئیں تو خلیفہ ہارون رشید سے ان کی شادی ہوگئی۔ یہ شادی بڑی دھوم دھام سے ذوالحجہ 165 ہجری میں ہوئی۔ ہارون رشید نے اس شادی کی خوشی میں ملک بھر سے عوام وخواص کو دعوت پر بلایا اور مدعوین کے درمیان اس قدر زیادہ مال تقسیم کیا جس کی مثال تاریخ اسلامی میں مفقود ہے۔ اس موقع پر خاص بیت المال سے اس نے پچاس ملین درہم (50,000,000) خرچ کیے۔ ہارون رشید نے اپنے خاص مال سے جو کچھ خرچ کیا وہ اس کے علاوہ تھا۔

ہارون رشید ملکہ زبیدہ سے بہت زیادہ محبت کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے اپنی بیوی کو یہ کہہ کر پکارا: «هَلُمِّي يَا أُمَّ نَهْرٍ» ''ام نہر! ذرا ادھر آنا''۔ زبیدہ نے بعد میں مشہور عالم اصمعی کو بلوا کر پوچھا: امیر المومنین مجھے 'ام نہر' کہہ کر پکارتے ہیں، اس کے کیا معنی ہیں؟ اصمعی نے جواب دیا: چونکہ جعفر عربی لغت میں 'نہر' کو کہتے ہیں اور آپ کی کنیت ام جعفر ہے، اس لیے نہر معنی مراد لے کر آپ کو اس نام سے پکارا ہوگا۔

زبیدہ بڑی ہی سمجھدار خاتون تھیں، حاشیہ برداروں کے کہنے پر بھی فوری فیصلہ نہیں کرتی تھیں۔ایک مرتبہ ایک شاعر نے ان کی خدمت میں چند اشعار سنائے، مگر ردیف وقافیہ اور الفاظ کی ترکیب میں شاید وہ اپنا مافی الضمیر اچھی طرح سے ادا نہیں کر سکا۔ شعر کے مفہوم سے ان کی عظمت کی بجائے گستاخی عیاں تھی۔ حشم وخدم نے شاعر کی عبارت کو ملکہ کی بے ادبی پر محمول کیا اور اس کو گرفتار کرنا چاہا مگر ملکہ نے ان سے کہا:

«دَعُوهُ فَإِنَّ مَنْ أَرَادَ خَيْرًا فَأَخْطَأَ خَيْرٌ مِمَّنْ أَرَادَ شَرًّا فَأَصَابَ»

''اس کو نظر انداز کر دو، کیونکہ جس کی نیت اچھی بات کہنے کی ہو مگر اس سے لغزش ہو جائے' ایسا شخص اس آدمی سے بہتر ہے جس کی نیت بری ہو مگر وہ بات اچھی کہہ جائے۔''

ملکہ زبیدہ کی خدمت کے لیے ایک سو نوکرانیاں تھیں جن کو قرآن کریم یاد تھا اور وہ ہر وقت قرآن پاک کی تلاوت کرتی رہتی تھیں۔ ان کے محل میں سے قرأت کی گنگناہٹ شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح آتی رہتی تھی۔

زبیدہ نے پانی کی قلت کے سبب حجاج کرام اور اہل مکہ کو درپیش مشکلات اور دشواریوں کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا تو انہوں نے مکہ میں ایک نہر بنانے کا ارادہ کیا۔ اس سے پہلے بھی وہ مکہ والوں کو بہت زیادہ مال سے نوازتی رہتی تھیں اور حج وعمرہ کے لیے مکہ آنے والوں کے ساتھ ان کا سلوک بے حد فیاضانہ تھا۔ اب نہر کی کھدائی کا منصوبہ سامنے آیا تو مختلف علاقوں سے ماہر انجینئر بلوائے گئے۔ مکہ

مکہ مکرمہ سے 35 کلومیٹر شمال مشرق میں وادیٔ حنین کے ''جبال طاد'' سے نہر نکالنے کا پروگرام بنایا گیا۔ ایک نہر جس کا پانی ''جبال قرا'' سے ''وادی نعمان'' کی طرف جاتا تھا اسے بھی نہر زبیدہ میں شامل کر لیا گیا۔ یہ مقام عرفات سے 12 کلومیٹر جنوب مشرق میں واقع تھا۔ علاوہ ازیں منٰی کے جنوب میں صحرا کے مقام پر ایک تالاب بئر زبیدہ کے نام سے تھا جس میں بارش کا پانی جمع کیا جاتا تھا، اس سے سات کاریزوں کے ذریعہ پانی نہر میں لے جایا گیا، پھر وہاں سے ایک چھوٹی نہر مکہ مکرمہ کی طرف اور ایک عرفات میں مسجد نمرہ تک لے جائی گئی۔ اس عظیم منصوبے پر سترہ لاکھ (17,00000) دینار خرچ ہوئے۔

ملکہ زبیدہ نے انتہائی شوق اور جذبۂ اخلاص کے تحت نہر کی کھدائی کرائی تھی۔ وہ حجاج کرام اور اہل مکہ کو پانی کی دشواریوں سے نجات دلانا چاہتی تھیں اور یہ کام صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے انہوں نے کیا۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ جب نہر زبیدہ کی منصوبہ بندی شروع ہوئی تو اس منصوبہ کا منتظم انجینئر آیا اور کہنے لگا: '' آپ نے جس منصوبہ کا حکم دیا ہے اس کے لیے خاصے اخراجات درکار ہیں، کیونکہ اس کی تکمیل کے لیے بڑے بڑے پہاڑوں کو کاٹنا پڑے گا، چٹانوں کو توڑنا پڑے گا، نشیب و فراز کی مشکلات سے نمٹنا پڑے گا، سیکڑوں مزدوروں کو دن رات محنت کرنی پڑے گی، تب کہیں جا کر اس منصوبہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا جا سکتا ہے۔''

یہ سن کر ملکہ زبیدہ نے جو جواب دیا وہ دلچسپ بھی ہے اور اس سے ان کی

قوت فیصلہ اور منصوبے سے دلچسپی کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ انہوں نے چیف انجینئر سے کہا:

«اعْمَلْهَا وَلَوْ كَانَتْ ضَرْبَةُ فَأْسٍ بِدِينَارٍ»

"اس کام کو شروع کردو، خواہ کلہاڑے کی ایک ضرب پر ایک دینار خرچ آتا ہو۔"

اس طرح جب نہر کا منصوبہ تکمیل کو پہنچ گیا تو منتظمین اور نگران حضرات نے اخراجات کی تفصیلات ملکہ کی خدمت میں پیش کیں۔ اس وقت ملکہ دریائے دجلہ کے کنارے واقع اپنے محل میں تھیں۔ ملکہ نے وہ تمام کاغذات لیے اور انہیں کھول کر دیکھے بغیر دریا برد کر دیا اور کہنے لگیں:

"الٰہی! مجھے دنیا میں کوئی حساب کتاب نہیں لینی، تو بھی مجھ سے قیامت کے دن حساب نہ لینا۔"

ملکہ زبیدہ نے یہ عظیم الشان کام انجام دے کر حجاجِ کرام اور باشندگانِ مکہ مکرمہ کو پانی کی قلت کے سبب درپیش مشکلات کا مسئلہ حل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ اس نہر کو ان کے حق میں صدقہ جاریہ بنائے۔

ان کی وفات بغداد میں جمادی الاولیٰ 216ھ میں ہوئی۔

(وفیات الاعیان، البدایہ والنہایہ، کتاب الوافی بالوفیات، الاعلام للزرکلی اور تاریخ مکہ مکرمہ، محمد عبدالمعبود وغیرہ کتب سے مواد اکٹھا کر کے لکھا گیا ہے)

24

کھجوروں میں معجزانہ برکت

جنگ خندق کی تیاریاں زور شور سے جاری تھیں۔ مسلمانوں کی جماعت رسول اللہ ﷺ کے اردگرد خندق کی کھدائی میں مشغول تھی۔ بہت سے مسلمانوں کے گھروں میں ایک وقت کی روٹی بھی دستیاب نہ تھی، پھر بھی وہ رسول اکرم ﷺ سے بے انتہا محبت اور شدید لگاؤ کے سبب آپ کے حکم کی تعمیل میں لگے رہتے تھے۔ بھوک کی شدت سے نڈھال ہو جاتے تو اپنے پیٹ پر پتھر باندھ کر خندق کی کھدائی کرتے تاکہ زیادہ سے زیادہ بھوک برداشت کر سکیں، حتی کہ رسول اکرم ﷺ نے بھی اپنے پیٹ پر بھوک کی وجہ سے پتھر باندھ رکھے تھے اور خندق کی کھدائی میں صحابہ کرام کے ساتھ پورے انہماک کے ساتھ مشغول تھے۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

«شَكَوْنَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ الْجُوعَ فَرَفَعْنَا عَنْ بُطُونِنَا عَنْ حَجَرٍ حَجَرٍ، فَرَفَعَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَنْ حَجَرَيْنِ».

''ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بھوک کا شکوہ کیا اور اپنے پیٹ سے ایک ایک پتھر بندھا ہوا دکھایا، تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے پیٹ سے دو پتھر بندھے ہوئے ہمیں دکھائے''۔ (جامع ترمذی، مشکاۃ المصابیح: 448/2)

خندق کی کھدائی کرنے والے صحابہ کرام کی تعداد ایک ہزار اور واقدی کی روایت کے مطابق تین ہزار بتائی گئی ہے۔ خندق کی کھدائی کے دوران کئی

معجزات رونما ہوئے۔ ان میں سے ایک معجزہ ہم یہاں ایک صحابیہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی بہن کا بیان ہے کہ میری والدہ عمرہ بنت رواحہ رضی اللہ عنہا نے مجھے بلایا اور دو مٹھی کھجوریں دے کر کہنے لگیں: انہیں اپنے والد بشیر اور ماموں (عبد اللہ بن رواحہ) کی خدمت میں لے جاؤ تاکہ وہ دوپہر کے کھانے میں کچھ کھالیں۔ میں کھجوریں لے کر اپنے والد اور ماموں کی تلاش میں نکلی، وہ رضی اللہ عنہم دیگر صحابہ کے ساتھ خندق کی کھدائی میں مشغول تھے۔ مجھے انہیں تلاش کرتے ہوئے دیکھ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا اور پوچھنے لگے:

«مَا الَّذِي مَعَكِ ؟» ”تیرے پاس کیا ہے؟“

میں نے عرض کیا:

«هَذَا تَمْرٌ بَعَثَتْنِي بِهِ أُمِّي إِلَى أَبِي وَخَالِي يَتَغَدَّيَانِهِ».

”یہ چند کھجوریں ہیں جنہیں دے کر میری امی نے میرے ابو اور ماموں کے پاس بھیجا ہے تاکہ وہ دوپہر کے کھانے میں کچھ کھالیں۔“

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «هَاتِيهِ» . ”یہ کھجوریں مجھے دے دو۔“

میں نے کھجوریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں میں رکھ دیں، آپ کی ہتھیلیاں نہیں بھریں۔ پھر آپ کے حکم سے چادر بچھائی گئی اور آپ نے چادر پر کھجوریں پھیلا دیں۔ پھر آپ نے ایک آدمی سے فرمایا: ”اہل خندق کو آواز دو کہ وہ آکر دوپہر کا کھانا کھالیں۔“

24

یہ آواز سنتے ہی خندق کی کھدائی کرنے والے تمام صحابہ کرام دسترخوان پر حاضر ہوئے اور کھجوریں تناول کرنے لگے۔ اہل خندق کھجوریں کھاتے گئے اور وہ بڑھتی گئیں۔ سارے اہل خندق کھا کر واپس ہو گئے مگر کھجوریں تھیں کہ کپڑے کے کنارے سے باہر گر رہی تھیں۔

واضح رہے کہ خندق کی کھدائی کے دوران اس قسم کی کئی معجزانہ برکات کا ظہور ہوا۔

(دیکھیے: سیرت ابن ہشام: 218/2، المغازی للواقدی: 476/2، أسد الغابۃ: 414/7)

25

ام معبد رضی اللہ عنہا کی بے مثال فصاحت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ کا رخ فرمایا تو راستے میں آپ کا گزر ام معبد خزاعیہ کے خیمہ کے پاس سے ہوا۔ ام معبد کا نام عاتکہ بنت خالد بن منقذ بن ربیعہ تھا، مگر کنیت سے معروف تھیں۔ ان کے شوہر کا نام اکثم بن ابی الجون الخزاعی تھا' وہ ابو معبد کی کنیت سے مشہور تھے۔ ان دونوں نے جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت کا اپنے گھر میں مشاہدہ کر لیا تو بعد میں دین اسلام میں داخل ہو گئے۔

ام معبد ایک مہمان نواز خاتون تھیں۔ لوگ جب ان کے خیمے کے پاس سے گزرتے تو انہیں کھانا کھلایا کرتیں۔ ہجرت کے سفر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ان کے خیمے کے پاس پہنچے تو ان سے کھانے پینے کی چیز طلب کی اور کہا کہ وہ اس کی قیمت ادا کریں گے۔ مگر ام معبد کے گھر میں اس وقت کھانے کو کچھ بھی نہ تھا۔ انہوں نے کہا: میرے پاس کھلانے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے، اگر میرے پاس کوئی چیز ہوتی تو میں آپ لوگوں کو ضرور کھلاتی۔ ام معبد کے خیمہ کے ایک کونے میں ایک دبلی پتلی بکری موجود تھی جس کو دیکھ کر معلوم ہوتا تھا نہ جانے وہ کب سے بھوکی پیاسی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ام معبد! کیا میں اس بکری کا دودھ دوہ سکتا ہوں؟'' ام معبد نے کہا: بھلا اس بکری میں دودھ کہاں سے آ سکتا ہے؟ یہ تو گھر سے باہر دوسری بکریوں کے ساتھ چرنے کے لیے بھی نہیں جا

سکی کیونکہ یہ بہت ہی کمزور اور لاغر ہے! آپ نے فرمایا: ''پھر بھی مجھے دوہنے کی اجازت دے دو۔'' ام معبد نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان' اگر آپ کو اس میں دودھ دکھائی دے رہا ہے تو ضرور دوہ لیں۔ اس گفتگو کے بعد رسول اللہ ﷺ نے بکری کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا' اللہ کا نام لیا اور دعا کی۔ بکری نے پاؤں پھیلا دیے۔ تھنوں میں بھرپور دودھ اتر آیا۔ آپ ﷺ نے ام معبد سے ایک بڑا سا برتن لیا جو ایک جماعت کو آسودہ کر سکتا تھا اور اس میں اتنا دودھ دوہا کہ جھاگ اوپر آ گیا۔ پھر ام معبد کو پلایا وہ پی کر شکم سیر ہو گئیں۔ پھر اپنے ساتھیوں کو پلایا۔ وہ بھی شکم سیر ہو گئے تو خود پیا۔ پھر اسی برتن میں دوبارہ اتنا دودھ دوہا کہ برتن بھر گیا اور اسے ام معبد کے پاس چھوڑ کر چل دیے۔

ادھر جب ام معبد کا شوہر بکریاں چرا کر آیا تو گھر میں دودھ دیکھ کر دنگ رہ گیا اور بیوی سے پوچھنے لگا: یہ دودھ کہاں سے آ گیا جبکہ گھر میں کوئی بکری نہیں اور ایک بکری ہے بھی تو وہ کمزور اور لاغر ہے جس کے تھن بالکل سوکھ چکے ہیں؟ ام معبد نے جواب دیا: دراصل بات یہ ہے کہ ایک صاحب یہاں تشریف لائے تھے، انہوں نے جونہی بکری کے تھنوں کو ہاتھ لگایا، تھن دودھ سے بھر گئے، پھر انہوں نے دودھ دوہا' اپنے ساتھیوں کو بھی پلایا اور خود بھی پیا، اور مزید دودھ ہمارے پاس ہی چھوڑ کر روانہ ہو گئے۔ ابو معبد نے کہا کہ یہ تو وہی قریشی معلوم ہوتے ہیں جنہیں قریش تلاش کر رہے ہیں۔ ابو معبد نے بیوی سے کہا: ذرا اس مبارک شخصیت کا حلیہ تو بیان کرو۔ ام معبد نے اپنے شوہر سے رسول اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک کہ اپنے مخصوص الفاظ میں بیان کیا۔

ام معبد نے اللہ کے رسول ﷺ کا حلیہ مبارکہ کیا بیان کیا، عربی زبان میں فصاحت وبلاغت کے دریا بہا دیے۔ ''رحمۃ للعالمین'' میں قاضی سلیمان منصور پوری نے اور الرحیق المختوم میں مولانا صفی الرحمن مبارکپوری نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ جیسے اُم معبد نے حلیہ بیان کرنے میں نہایت عمدہ الفاظ استعمال کیے اسی طرح ترجمہ کرنے والوں نے بھی اردو الفاظ کے چناؤ کا حق ادا کر دیا۔ صاحب الرحیق المختوم کا ترجمہ درج ذیل ہے:

''وہ ظاہری وضع قطع کے حامل تھے، جسمانی بناوٹ بڑی معقول تھی۔ چمکتا رنگ، تابناک چہرہ، خوبصورت ساخت۔ نہ تو ندلے پن کا عیب نہ گنجے پن کی خامی۔ جمال جہاں تاب کے ساتھ ڈھلا ہوا پیکر، سرگیں آنکھیں، لمبی پلکیں، بھاری آواز، لمبی گردن، سفید و سیاہ آنکھیں، باریک اور باہم ملے ہوئے ابرو، چمکدار کالے بال۔ خاموش ہوں تو باوقار، گفتگو کریں تو پرکشش۔ دور سے دیکھنے میں سب سے تابناک و پرجمال، قریب سے سب سے خوبصورت اور شیریں۔ گفتگو میں چاشنی، بات واضح اور دو ٹوک، نہ مختصر نہ فضول، انداز ایسا کہ گویا لڑی سے موتی جھڑ رہے ہیں۔ درمیانہ قد، نہ ناٹا کہ نگاہ میں نہ جچے، نہ لمبا کہ ناگوار لگے، دو شاخوں کے درمیان ایسی شاخ کی طرح ہیں جو سب سے زیادہ تازہ و خوش منظر ہے۔ رفقاء آپ کے اردگرد حلقہ بنائے ہوئے، کچھ فرمائیں تو توجہ سے سنتے ہیں، کوئی حکم دیں تو لپک کر بجا لاتے ہیں، مطاع و مکرم، نہ ترش رو نہ لغوگو۔''

(عربی متن کے لیے دیکھیے: البدایۃ والنہایۃ: 29/6، زاد المعاد: 54/2)

حکمران کی ذمہ داری

ایک مرتبہ خلافت عثمانیہ کے حکمران سلیمان قانونی (1520-66ء) کی خدمت میں ایک بوڑھی خاتون یہ شکایت لے کر حاضر ہوئی کہ خلیفہ کے سپاہیوں نے اس کے مویشی چرا لیے ہیں جبکہ چوری کے وقت وہ اپنے گھر کے اندر سو رہی تھی۔

سلیمان ذی شان نے بڑھیا کی سرزنش کرتے ہوئے کہا:

«كَانَ عَلَيْكِ أَنْ تَسْهَرِي عَلَى مَوَاشِيكِ وَلَا تَنَامِي».

"تمہارے لیے ضروری تھا کہ اپنے مویشیوں کی حفاظت کے لیے رات کو جاگتیں اور سونے سے اجتناب کرتیں!!"

خلیفہ کی بات سن کر بڑھیا ٹکٹکی باندھے کچھ دیر اسے دیکھتی رہی، پھر اس کی سرزنش کا جواب ان الفاظ میں دیا: «ظَنَنْتُكَ سَاهِرًا عَلَيْنَا يَا مَوْلَايَ، فَبِتُّ مُطْمَئِنَّةَ الْبَالِ».

"میرے آقا! میں نے سمجھا کہ آپ ہماری دیکھ بھال کے لیے جاگ رہے ہیں اس لیے میں کسی پروا کے بغیر اطمینان کی نیند سو رہی تھی۔"

بڑھیا کا اطمینان بخش جواب سن کر سلیمان کو اپنی غلطی کا اعتراف کیے بغیر کوئی چارہ نہ رہا' چنانچہ وہ گویا ہوا: «مَعَكِ حَقٌّ».

"تمہارے ساتھ حق ہے (یعنی تم حق پر ہو)۔"

(مجلۃ الفیصل: 264/126' نساء ذکیات جلد 1:43)۔

کنایہ سے حقیقت کی پہچان

ایک اعرابی (دیہاتی، بدو) کا گزر کسی صحرا و بیابان سے ہو رہا تھا۔ اسے شدت کی پیاس لگی تو پانی کی تلاش میں آگے بڑھتا چلا گیا، مگر دور دور تک پانی کے کوئی آثار نہ تھے۔ ادھر پیاس کی شدت سے وہ بالکل نڈھال ہو چکا تھا، تلاش بسیار کے بعد وہ ایک کنویں کے پاس پہنچا جس کے قریب ہی ایک نوجوان اعرابیہ (دیہاتی عورت) موجود تھی۔ کنواں دیکھ کر اعرابی کی جان میں جان آئی، اس نے اعرابیہ سے کہا:

«أَهْوَنَ مَا عِنْدَكُمْ نُرِيدُ وَأَصْعَبَ مَا عِنْدَكُمْ لَا نَطْلُبُ».

''تمہارے پاس جو کچھ بآسانی دستیاب ہے وہی ہم چاہتے ہیں، اور جو تمہارے لیے مشکل ہے وہ ہم طلب نہیں کریں گے!''

یہ سن کر نوجوان لڑکی نے اعرابی کو پانی پلایا۔ جب وہ پانی پی کر سیراب ہو چکا تو اعرابیہ کہنے لگی: اگر تمہارا نام معلوم ہو جاتا تو میں تمہیں خوش آمدید کہتی۔

اعرابی نے جواب دیا: «اسْمِي عَلَى وَجْهِكِ» ''میرا نام تمہارے چہرے میں ہے۔''

اعرابیہ کہنے لگی: «هَنِيئًا يَا حَسَنُ» ''تمہارا آنا مبارک ہوا ے حسن۔''

اس نے اپنے حُسن کی رعایت سے اعرابی کا نام حُسن بھانپ لیا۔

اعرابی نے کہا: «وَأَنَا لَوْ عَرَفْتُ اسْمَكِ لَشَكَرْتُكِ».

''اگر مجھے تیرا نام معلوم ہو جاتا تو میں تیرا شکریہ ادا کرتا۔''

اعرابیہ نے جواب دیا: «اسْمِي عَلَى جَنْبِكَ» ''میرا نام تمہارے پہلو میں ہے۔''

اعرابی اپنے پہلو میں تلوار لٹکائے ہوئے تھا، اس نے فوراً اعرابیہ کا نام بھانپ لیا اور کہنے لگا:

«شُكْرًا يَا هِنْدُ» ''اے ہند! تیرا بہت بہت شکریہ۔''

تلوار کے بہت سارے ناموں میں سے ایک نام «مُهَنَّد» بھی ہے جو اس کے پہلو میں لٹکی ہوئی تھی۔ ہندستانی لوہے سے میں تیار ہونے کی وجہ سے عربی میں اسے مہند کہا گیا۔ اسی سے بدو نے اعرابیہ کا نام معلوم کر لیا(1)

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے دیہات میں رہنے والے مرد اور عورتیں کس قدر ذہین اور عربی زبان سے واقفیت رکھنے والے ہوتے ہیں۔

(1) مرایا نسائیہ: 70، نساء ذکیات جدا: 43

پیکر تسلیم و رضا خاتون

اس دنیا میں سب سے زیادہ ظلم وستم کا تختۂ مشق بننے والے وہی لوگ ہوتے ہیں جو بندوں کو بندوں کی عبادت سے نکال کر بندوں کے خالق و مالک کی طرف بلاتے ہیں۔ شرک و ضلالت کی ظلمت سے نجات دلا کر توحید و سنت کی روشنی کی طرف لاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب توحید کی آواز بلند کی اور باطل معبودوں کی عبادت ترک کر کے اپنی قوم کو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلایا تو قوم درپے آزار ہوگئی اور وہ اپنے خاندان والوں ہی کی نہیں بلکہ پوری قوم کی آنکھوں میں ایک کانٹا بن کر چبھنے لگے۔

نمرود نے جب دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دعوت توحید لے کر اٹھ کھڑے ہوئے ہیں تو توحید کی یہ صدا اس کے دل پر بجلی بن کر گری۔ اگر وہ اس دعوت حق پر لبیک کہتا تو اسے خدائی کے رتبے سے اتر کر بندہ بننا پڑتا اور اللہ وحدہ لاشریک کے آگے سر جھکانا پڑتا۔ اس دعوت کو قبول کرنا اس کے لیے ناممکن تھا۔ یہ دعوت اس کے لیے تھوہر کا نوالہ بن گئی کہ نہ نگلتے بنے نہ اگلتے بنے۔ چنانچہ وہ ابراہیم علیہ السلام کا جانی دشمن بن گیا۔ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خاندان بادشاہ کا منظور نظر تھا اس لیے بادشاہ کے معاندانہ رویہ سے متاثر ہو کر ان کا باپ بھی اپنے لخت جگر سے برہم ہو گیا۔

حکومت وقت، قوم اور

خاندان کی ناقابل برداشت مخالفت
ومعاندت سے تنگ آکر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے
اس وطن عزیز سے ہجرت کرنے کا ارادہ کر لیا جہاں ان کی
پرورش وپرداخت ہوئی تھی۔ جس مٹی میں وہ بچپن سے کھیل کود کر جوان
ہوئے تھے وہی مٹی اب انہیں قبول کرنے کو تیار نہ تھی۔ ساری زمین اپنی
وسعت وکشادگی کے باوجود ان کے لیے تنگ کر دی گئی۔ بالآخر وہ عراق سے
ہجرت کر کے حران اور شام سے ہوتے ہوئے مصر تشریف لے گئے تاکہ وہاں کھلی
فضا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکیں۔ آپ کی معیت میں آپ کی شریک حیات سیدہ
سارہ نے بھی جو آپ کی چچا زاد بہن بھی تھیں، ہجرت کی۔ وہاں مصر کے بادشاہ کو
اطلاع دی گئی کہ ایک نو وارد آدمی یہاں آیا ہے اور اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی ہے
جو بہت ہی حسین وجمیل ہے۔ بادشاہ نے سیدہ سارہ کو بلایا اور غلط نیت سے اپنا ہاتھ
ان کی طرف بڑھایا، مگر اس کا ہاتھ اللہ تعالیٰ نے آگے بڑھنے سے روک لیا۔ یہ
حرکت اس نے تین چار بار کی مگر ہر مرتبہ پہلے سے کہیں سخت گرفت ہوئی۔
چنانچہ وہ گھبرا سا گیا اور حضرت سارہ کی کرامت کا اندازہ کر لیا۔ پھر
اس نے اپنے درباریوں سے کہا:

«مَا أَرْسَلْتُمْ إِلَيَّ إِلَّا شَيْطَانَةً، أَرْجِعُوهَا إِلَى
إِبْرَاهِيمَ وَأَعْطُوهَا هَاجَرَ»

''تم لوگوں نے میری خدمت میں کسی
جنیہ کو پیش کیا ہے، اس کو ابراہیم کے پاس لے جاؤ
اور اس کی خدمت کے لیے ہاجرہ کو بھی دے دو۔''

سیدہ سارہ ؓ ہاجرہ کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں واپس آئیں اور آپ کو سارے واقعات سے آگاہ کیا۔

(دیکھیے مسند احمد: 404/2، بخاری: 3358، ابوداود: 2212 وغیرہ)

یہی وہ ہاجرہ ہیں جو فلسطین میں آکر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجیت میں شامل ہو گئیں اور جن کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے اسمٰعیل کو عطا فرمایا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جب اس عالم رنگ و بو میں آنکھ کھولی تو چرخ نیلی فام اس وقت 2074 ق م کا نقارہ بجا رہا تھا۔ وہ حضرت ابراہیم کی برسوں کی دعاؤں کے بعد مرحمت ہوئے تھے۔ ابھی اسمٰعیل شیر خوارگی ہی میں تھے کہ اللہ عزوجل نے آپ کو اپنے چہیتے لخت جگر اور پیاری رفیقۂ حیات کو مکہ مکرمہ کے سنسان بیابان میں لے جانے کا حکم دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی مونس وغمگسار زوجہ مکرمہ، شرم وحیا
جس کا نقاب اور وفاداری وفرماں برداری جس کی اوڑھنی تھی،
اور معصوم وشیر خوار بچہ جو پیہم دعاؤں اور برسوں کی
التجاؤں کے بعد نصیب ہوا تھا،

کے جلو میں اس تاریخی سفر کا آغاز فرماتے ہیں اور چلتے چلتے ایک ایسے خطۂ زمین پر پہنچتے ہیں جو خاردار جھاڑیوں سے گھرا ہوا تھا اور ہر سو خشک و بے آب وگیاہ گھاٹیاں جلوہ نما تھیں۔ وہاں آپ نے اپنی رفیقۂ حیات اور فرزند ارجمند کو زمزم والی جگہ پر ایک درخت کے نیچے بٹھا کر آرام کرنے کی تلقین فرمائی اور واپس چل پڑے۔ ان دنوں وہاں نہ تو کوئی آبادی تھی نہ کہیں پانی کا نام ونشان تھا اور نہ زندگی کی بقا کا کوئی ظاہری وسیلہ نظر آتا تھا۔ البتہ اطراف واکناف میں قبیلہ جرہم آباد تھا جس کے ساتھ آگے چل کر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی رفیقۂ حیات اور لخت جگر کے گزر بسر کے لیے ایک تھیلی میں کچھ کھجوریں اور ایک مشکیزے میں تھوڑا سا پانی چھوڑ کر الوداعی سلام کرتے ہوئے وطن کو واپس ہونے لگے تو سراپا صبر واستقامت، پیکر شرم وحیا بیوی دامن تھام کر عرض کرنے لگی:

«أَيْنَ تَذْهَبُ وَتَتْرُكُنَا بِهَذَا الْوَادِي الَّذِي لَيْسَ بِهِ أَنِيسٌ وَلَا شَيْءٌ؟!».

”آپ ہمیں اس لق ودق صحرا اور چٹیل میدان میں اکیلے چھوڑ کر کہاں تشریف لے

جا رہے ہیں؟ یہاں نہ تو کوئی مونس
و غمگسار ہے اور نہ ہی حیات مستعار کو سہارا دینے والی
کوئی چیز موجود ہے؟''

مگر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بیوی کو کوئی جواب نہ دیا، رخ انور پھیر کر ان
کی طرف دیکھا تک بھی نہیں، سنی ان سنی کر دی اور چپ سادھے چلتے
رہے۔ اتنے میں حضرت ہاجرہ کی آواز پھر بلند ہوئی: ان خشک پہاڑوں اور گرم
ریگ زاروں میں ہمیں کس کے سپرد کیے جا رہے ہیں؟ پھر اچانک خیال آیا، شاید
یہی مشیت ایزدی ہے؛ چنانچہ دریافت فرمایا:

«آللّٰهُ أَمَرَكَ بِهٰذَا؟».

''کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہمیں یہیں چھوڑ جائیں؟''

حضرت ابراہیم نے اشارہ فرمایا: ''ہاں! یہی اللہ عزوجل کا حکم ہے۔''

جواب سن کر حضرت ہاجرہ نہایت سکون و اطمینان اور پراعتماد لہجہ میں کہتی ہیں:

«إِذًا لَا يُضَيِّعُنَا».

''تب وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔''

حضرت ابراہیم چلتے چلتے جب ثنیہ نامی ٹیلہ کے قریب پہنچے
جو ان دنوں ٹھیکہ محلّہ کی جانب واقع ہے، اور
انہیں یقین ہو گیا کہ ہاجرہ

ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکی ہیں تو
بیت اللہ کی طرف رخ کر کے انتہائی عجز وانکسار
سے یہ دعا مانگنے لگے:

﴿رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ﴾.

''اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی اولاد کو تیرے محترم گھر کے قریب ایک غیر زرعی چٹیل میدان میں لا بسایا ہے۔ اے ہمارے رب! یہ اس لیے کہ وہ نماز قائم کریں، پس تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے، اور انہیں پھلوں کا رزق عنایت فرما تا کہ یہ شکر گزاری کریں''۔ (سورۃ ابراہیم: 37)

اب حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل پر شاداں وفرحاں مکہ کی سرزمین سے اپنے وطن کو واپس ہوتے ہیں اور اپنے معصوم بچے اور عفت شعار بیوی کو صرف اور صرف اللہ کے سہارے وہاں چھوڑ جاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھجوروں اور پانی کی شکل میں جو کچھ توشۂ زندگانی چھوڑا تھا بہت جلد ختم ہو گیا۔ اب پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے نہ تو کھجور کا ایک دانہ ہے اور نہ پیاس ختم کرنے کے لیے ایک گھونٹ پانی۔ حضرت ہاجرہ خود بھی بھوک اور پیاس

سے بے حال ہوگئیں اور ادھر معصوم بچے کا گلاب سا چہرہ بھی مرجھا گیا، کیونکہ ماں کے دودھ کی شکل میں ملنے والی اس کی غذا اب بند ہو چکی تھی۔ بچہ بھوک اور پیاس کی شدت سے بلبلانے لگا۔

ایسے موقع پر ایک ماں کی کیفیت کیا ہو سکتی ہے اس کا اندازہ کوئی مرد نہیں بلکہ ایک مہربان ماں ہی کر سکتی ہے۔ حضرت سارہ کی ماں بھری مہربانہ آنکھیں اپنے دل کے ٹکڑے کی حالت زار آخر کب تک برداشت کر سکتی تھیں، قریب ہی واقع صفا پہاڑی پر چڑھ کر مضطربانہ انداز میں تجسس آمیز نگاہیں دوڑانے لگیں کہ شاید کوئی بھولا بھٹکا آدمی نظر آ جائے یا کہیں چند گھونٹ پانی مل جائے تا کہ وہ اپنی اور اپنے لخت جگر کی پیاس بجھا سکیں، مگر مایوسی اور محرومی کے سوا کچھ نظر نہیں آیا۔ صفا سے اتریں اور تیز قدموں سے چلتے ہوئے وادی کو عبور کر کے مروہ پہاڑی پر چڑھ گئیں۔ یہاں بھی چاروں طرف نگاہیں دوڑا کر جائزہ لیا، مگر مایوسی ومحرومی سے ہی پالا پڑا' چنانچہ دوبارہ صفا کی طرف چل پڑیں۔

صفا اور مروہ کے درمیان تھوڑا سا نشیبی حصہ تھا، اسے دوڑ کر طے کیا۔ اسی طرح صفا اور مروہ کے درمیان سات مرتبہ آتی جاتی رہیں اور ہر چکر کے دوران میں اپنے لخت جگر کو بھی آ کر دیکھ جاتیں۔ بچے کی حالت زار دیکھ کر آپ کے غم واندوہ میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

سیدہ ہاجرہ کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کو اتنا
پسند آیا کہ اس نے تا قیامت حجاج کرام کے لیے
صفا اور مروہ کے اس درمیانی حصہ میں چلنا حج اور عمرہ کا رکن
قرار دے دیا۔ اس سراپا تسلیم و رضا خاتون کے اس عمل کی یاد ہمیشہ
کے لیے مناسک حج کا حصہ گئی جو ایک پیغمبر کی بیوی اور دوسرے پیغمبر کی
والدہ ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«فَذٰلِكَ سَعْيُ النَّاسِ بَيْنَهُمَا».

''حضرت ہاجرہ کے اس عمل ہی کے سبب لوگوں پر صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا
واجب کیا گیا۔''

ساتویں مرتبہ جب حضرت ہاجرہ نگاہیں دوڑاتی ہوئی مروہ پر پہنچیں تو اس بار
انہیں ایک آواز سنائی دی۔ وہ آواز کی طرف ہمہ تن گوش ہوگئیں۔ اتنے میں دوبارہ
آواز سنائی دی۔ وہ آواز کی طرف پھریں اور کہنے لگیں:

«قَدْ أَسْمَعْتَ إِنْ كَانَ عِنْدَكَ غُوَاثٌ».

''تمہاری آواز مجھ تک پہنچ چکی ہے۔ اگر تم میری کوئی مدد کر سکتے
ہو تو کرو۔''

یکا یک ان کی نظر سامنے پڑی، ایک فرشتہ ان
کے لخت جگر کے قریب کھڑا

تھا۔ وہ جبرئیل علیہ السلام تھے، انہوں نے
اپنی ایڑی زمین پر رگڑی، بعض روایات کے مطابق
انگلی سے اشارہ کیا یا پر مارا، تو اللہ کی قدرت سے پانی کا چشمہ
ابلنے لگا۔ سیدہ ہاجرہ اپنا مشکیزہ بھرنے لگیں۔ پانی مسلسل ابل رہا تھا،
خود بھی نوش کیا اور لخت جگر کی بے چینی کا درماں بھی کیا۔ جب مشکیزہ بھر گیا
تو خیال آیا کہ کہیں یہ پانی ادھر ادھر بہہ کر ضائع نہ ہو جائے؛ چنانچہ وہ جلدی
جلدی چشمہ کے ارد گرد بند باندھنے لگیں اور زبان سے ''زم زم'' کہنے لگیں جس کے
معنی ہوتے ہیں: ''ٹھہر جا ٹھہر جا''۔ پھر یہی اس کا نام پڑ گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

«يَرْحَمُ اللهُ أُمَّ إِسْمَاعِيلَ لَوْ تَرَكَتْ - أَوْ قَالَ: لَوْ لَمْ تَغْرِفْ مِنَ الْمَاءِ - لَكَانَتْ زَمْزَمُ عَيْنًا مَعِينًا».

''اللہ تعالیٰ حضرت اسماعیلؑ کی والدہ پر رحم کرے، اگر وہ پانی یونہی چھوڑ دیتیں اور روک نہ لگاتیں تو زمزم ایک جاری نہر کی شکل اختیار کر لیتا۔''

(یہ واقعہ بخاری 3364، ابوداود، مسند احمد، البدایہ والنہایہ وغیرہ کتابوں کی مدد سے لکھا گیا ہے۔)

مجھے کوئی ندامت نہیں

اسلامی تاریخ میں جن نامور اور بہادر خواتین کا تذکرہ آیا ہے ان میں زرقاء بنت عدی بن غالب بن قیس ھمدانیہ کا ذکر بھی ہے۔ یہ کوفہ کی رہنے والی تھیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پر جوش حامی تھیں۔ اپنے رشتہ داروں سمیت جنگ صفین میں شامل تھیں۔ انہوں نے لڑائی کے دوران فوجیوں سے متعدد بار خطاب کیا اور فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیے جس سے فوجی اور زیادہ جوش وخروش سے لڑنے لگے۔ ان کے حوالے سے تاریخ نے ایک دلچسپ مگر سبق آموز قصہ محفوظ کیا ہے۔ آیئے صنف نازک سے تعلق رکھنے والی ایک خاتون کی جواں مردی اور حق گوئی کا مطالعہ کیجئے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ 41ھ میں خلافت سنبھال چکے تھے۔ مسلمانوں میں صلح ہو چکی تھی۔ کبھی کبھار جنگوں کے حوالے سے بعض مجالس میں تذکرہ ہو جاتا۔ ایک رات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے بعض خاص ساتھیوں کے ہمراہ مجلس میں بیٹھے تھے۔ اچانک کسی نے جنگ صفین کا تذکرہ کر دیا۔ اہل کوفہ کی جواں مردی کا تذکرہ ہوا تو زرقاء کا بھی نام لیا گیا۔ کسی نے کہا کہ اس روز اس عورت نے بڑی زوردار تقاریر کیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کو جوش دلایا۔ ان کے عزم واستقلال کو جلا بخشی اور اس پر جوش طریقے سے فوجیوں سے خطاب کیا کہ بزدل سے بزدل آدمی بھی اگر سن لے تو میدان کارزار میں آگے بڑھتا چلا جائے۔ چنانچہ اس کے خطاب کی وجہ سے کتنے ہی لوگ جو میدان جنگ سے پلٹ رہے تھے لوٹ آئے۔ جو صلح وآشتی کی

طرف مائل تھے میدان کارزار میں گھس گئے۔ اس کے الفاظ کیا تھے ایک جادو تھا۔ نہایت ہی کاٹ دار فقرے' پاٹ دار آواز' اس کی وجہ سے متزلزل قدم جم گئے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی گفتگو سے محظوظ ہو رہے تھے۔ اتنی عظیم عورت! یہ درست ہے کہ وہ مخالف گروپ سے تعلق رکھتی تھی مگر اس نے ایک عورت ہونے کے باوجود پامردی کا ثبوت دیا۔ اس کے استقلال اور ثابت قدمی سے وہ خاصے متاثر تھے۔ اچانک سوال کیا: ساتھیو! اس عورت کی تقریروں کے اقتباسات کسی کو یاد ہیں۔ بہت سوں نے جواب دیا: ہاں کیوں نہیں! وہ الفاظ کوئی بھولنے والے نہیں تھے۔ کم و بیش سب کو یاد ہیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک اور سوال کر دیا: «فَمَا تُشِيرُونَ عَلَيَّ فِيهَا؟»

''اس عورت کے بارے میں مجھے کیا مشورہ دیتے ہو؟''

بہت سوں نے اس عورت کے قتل کا مشورہ دیا مگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جو عرب کے نہایت ذہین وفطین آدمی تھے' یوں گویا ہوئے:

«بِئْسَ مَا أَشَرْتُمْ بِهِ وَقُبْحًا لِمَا قُلْتُمْ! أَيَحْسُنُ أَنْ يَشْتَهِرَ عَنِّي أَنَّنِي بَعْدَمَا ظَفِرْتُ وَقَدَرْتُ قَتَلْتُ امْرَأَةً وَفَتْ لِصَاحِبِهَا، إِنِّي إِذَنْ لَلَئِيمٌ، لَا وَاللهِ! لَا فَعَلْتُ ذٰلِكَ أَبَدًا».

''جو کچھ تم لوگوں نے کہا ہے' تمہارا یہ مشورہ اور قول بہت ہی برا اور نامناسب ہے! کیا یہ اچھا ہوگا کہ میرے متعلق مشہور ہو جائے کہ میں نے زمام اقتدار ہاتھ میں آجانے کے بعد ایک ایسی خاتون کو قتل کر دیا جس نے اپنے ساتھی (حضرت علی بن

ابی طالب رضی اللہ عنہ) کے ساتھ نہایت ہی وفاداری کا ثبوت دیا؟ اللہ کی قسم! میں ایسا ہرگز نہیں کرسکتا، کیوں کہ ایسی صورت میں یہ میری خست اور کمینگی کی دلیل ہوگی۔"

اس کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حاکم کوفہ کو ایک خط لکھا جس کا مضمون تھا:

«أَنْ أَنْفِذْ إِلَيَّ الزَّرْقَاءَ بِنْتَ عَدِيٍّ مَعَ نَفَرٍ مِنْ عَشِيرَتِهَا وَفُرْسَانٍ مِنْ قَوْمِهَا، وَمَهِّدْ لَهَا وِطَاءً لَيِّنًا وَمَرْكَبًا ذَلُولًا».

"زرقاء بنت عدی کو اس کے خاندان کے چند افراد اور اس کی قوم کے چند شہسواروں کے ہمراہ میری خدمت میں روانہ کریں۔ اس کے لیے نرم گدّے اور آرام دہ سواری کا بندوبست کرنا نہ بھولیں۔"

حاکم کوفہ نے جب زرقاء بنت عدی کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خط سے آگاہ کیا تو اس نے حکم کی تعمیل میں جلدی کی اور کہنے لگی: "امیر المومنین کی طاعت وفرماں برداری واجب ہے، میں اعراض نہیں کرسکتی۔"

چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق حاکم کوفہ نے زرقاء کو ان کی خدمت میں روانہ کردیا۔ جب زرقاء امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچی تو انہوں نے پرتپاک استقبال کیا اور پوچھنے لگے: "خالہ! کیا حال ہے؟ آپ کا سفر کیسا رہا؟ کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟"

زرقاء بنت عدی نے عرض کیا: «رَبِيبَةَ بَيْتٍ أَوْ طِفْلًا مُمَهَّدًا».

مفہوم یہ ہے کہ الحمد للہ میں خیریت سے ہوں۔ مجھے گھر کی مالکن کی طرح

باعزت لایا گیا ہے یا پھر گہوارے والے بچے کی طرح محفوظ طریقے سے آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: دراصل میں نے یہ حکم دے رکھا تھا، آپ کو معلوم ہے کہ میں نے کس لیے یہاں آنے کی زحمت دی ہے؟

زرقاء بنت عدی نے کہا: «وَأَنّٰی لِي بِعِلْمِ مَا لَمْ أَعْلَمْ؟! لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى».

''بھلا جس بات کی مجھے خبر نہیں اس کے بارے میں کیا جانوں! غیب کا علم تو صرف اللہ ہی کو ہے۔''

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''صفین کی جنگ میں تم نے حضرت علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کے ساتھیوں کو میرے خلاف جنگ پر ابھارا تھا اور انہیں اپنے پرجوش خطاب سے غیرت دلا رہی تھیں اور تم ہی وہ عورت ہو جس کی چرب زبانی نے نہ جانے کتنے بزدلوں کو ہمت وشجاعت سے بہرہ ور کردیا جو میرے خلاف اندھا دھند تلواریں چلانے لگے۔ تمہیں یہ کہتے ہوئے بھی سنا گیا کہ سورج کی تابناک روشنی میں چراغ کی کوئی اہمیت نہیں اور چاند کا مقابلہ تارے نہیں کرسکتے۔ اس لیے اب تم مردانہ وار لڑو، صبر واستقلال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو، اسی میں تمہاری سربلندی ہے، جیو تو شان سے، مرو تو شان سے!! اور جان لو:

«إِنَّ خِضَابَ النِّسَاءِ الْحِنَّاءُ وَخِضَابَ الرِّجَالِ الدِّمَاءُ».

''عورتوں کا خضاب مہندی ہے جبکہ مردوں کا خضاب خون ہے!!''

پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: زرقاء! میں نے تمہارے حوالے سے جو کچھ کہا ہے کیا یہ سچ نہیں ہے؟

زرقاء بنت عدی نے اثبات میں جواب دیا۔

امیر معاویہ کہنے لگے: «لَقَدْ شَارَكْتِ عَلِيًّا فِي كُلِّ دَمٍ سَفَكَهُ».

''گویا کہ تم ہر اس خون میں علی کی شریک ہو جو انہوں نے بہایا ہے۔''

زرقاء بنت عدی نے جواب دیا: امیر المومنین! اللہ تعالیٰ آپ کی بات کو شرف قبولیت سے نوازے کیونکہ یہ میرے لیے بشارت سے کم نہیں۔ بلاشبہ میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھی اور ان کی طرف سے بہائے گئے ہر ایک خون میں میری شراکت میرے لیے قابل فخر ہے۔ آپ کا شکریہ جو آپ نے مجھے اس خوشخبری سے نوازا!!

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس عورت کی ہمت وشجاعت اور بے خوفی و بے باکی کو دیکھ کر ہنس پڑے اور کہنے لگے:

«وَاللهِ لَوَفَاؤُكُمْ بَعْدَ مَوْتِهِ أَعْجَبُ عِنْدِي مِنْ حُبِّكُمْ لَهُ فِي حَيَاتِهِ».

''اللہ کی قسم! حضرت علی کی موت کے بعد تم لوگ ان کے ساتھ جو بے انتہا وفاداری کا ثبوت پیش کر رہے ہو، مجھے یہ بات ان کی زندگی میں تمہاری محبت سے زیادہ تعجب خیز لگ رہی ہے۔''

پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: ''تمہاری کوئی ضرورت ہو تو پیش

کرو، میں حاضر ہوں۔"

زرقاء بنت عدی کہنے لگی: ﴿يا أمير المؤمنين ، إني آليت على نفسي ألا أسأل أحدا أعنت عليه أبدا﴾

"امیر المومنین! میں نے اپنے بارے میں قسم کھا رکھی ہے کہ میں نے جس شخص کے خلاف (میدان جنگ میں) کردار ادا کیا ہے اس کے آگے کبھی دست سوال دراز نہیں کروں گی۔"

امیر معاویہ نے کہا: "مجھے چند لوگوں نے آپ کے قتل کا مشورہ دیا ہے۔"

زرقاء کہنے لگی: "مشورہ دینے والے کم ظرف لوگ ہیں۔ آپ اگر ان کی بات مان کر مجھے قتل کر دیں گے تو پھر آپ کا شمار بھی ان ہی جیسے لوگوں میں ہوگا۔"

چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فراخ دلی سے کام لیتے ہوئے اس عورت کو معاف کر دیا اور خلعت کے ساتھ ساتھ درہم و دینار سے بھی نوازا۔ مزید اسے ایک ایسی جاگیر سے نوازا جس سے سالانہ دس ہزار درہم کی آمدنی ہوتی تھی، اور اسے اس کے خاندان والوں کے ساتھ صحیح سلامت کوفہ روانہ کر دیا۔ حاکم کوفہ کو خط بھی لکھا کہ اس خاتون اور اس کے خاندان کا خاص خیال رکھا جائے۔

(دیکھیے: من قصص العرب: 237، العقد الفرید 106/2، بلاغات النساء: 37)

بیٹا! حق پہ جان دے دو

انسان ایک ہدف متعین کر کے اس کے حصول کی کوشش میں تن من دھن کی بازی لگا دیتا ہے اور خاص طور پر جب اسے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ وہ جس ہدف کے حصول میں کوشاں ہے وہی ہدف صحیح ڈگر پر لے جانے والا ہے اور اس کے مقابل جو بھی اہداف ہیں وہ سیدھے راستے سے ہٹانے والے ہیں تو پھر وہ اپنے مقصد کے حصول میں جان کی بازی لگانے سے بھی چنداں دریغ نہیں کرتا؛ خواہ اس کی راہ میں مضبوط سے مضبوط چٹان کیوں نہ حائل ہو، وہ اس چٹان کو چکنا چور کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ یہی عزم واستقلال حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے اندر بھی تھا۔ انہوں نے جس بات کو حق سمجھا اس کے لیے زندگی کی آخری سانس تک لڑتے رہے، اور ان کے اندر یہ جوش و جذبہ پیدا کرنے والی ان کی بہادر ماں سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا تھیں۔

692ء میں خلیفہ عبدالملک بن مروان کے سپہ سالار حجاج بن یوسف کے لشکر نے خلافت کے دعویدار عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو حرم مکہ میں محصور کر رکھا تھا اور ان کے اپنے بھی ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ وقت کی گردش ان کے خلاف ہے، لوگوں کی اکثریت ان کے مشن کی مخالف ہو گئی ہے اور لوگوں کی نگاہ میں ان کی کوئی وقعت باقی نہیں رہی ہے تو انہیں اپنی بےبسی محسوس ہوئی۔ چنانچہ وہ اپنی والدہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: امی جان! آپ دیکھ رہی ہیں کہ مجھے چاروں طرف کے لوگوں نے نظر انداز کر دیا

ہے، اور تو اور میرے بیوی بچے بھی میرے مشن کے خلاف ہیں، ان کی نگاہ میں بھی میری کوئی وقعت نہیں ہے۔ اب معدودے چند لوگ ہی میرا ساتھ دینے کے لیے رہ گئے ہیں، وہ بھی اس قدر کمزور ہیں کہ چند لمحے بھی مخالف گروہ کے سامنے ٹھہر نہیں سکتے۔ اگر آج میں اپنے مشن سے دستبردار ہو جاؤں تو مجھے معاشرے میں ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا، میں ساری بے رخ نگاہوں کی توجہ کا مرکز بن جاؤں گا، دنیاوی مال ومتاع سے مالا مال کر دیا جاؤں گا اور میرے جانی دشمن میرے غمگسار وہمدم بن جائیں گے، پھر ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟ امی جان! اس وقت میں زندگی اور موت کی کشمکش میں سانس لے رہا ہوں، مجھے آگے قدم بڑھانے کے لیے آپ کا مشورہ درکار ہے؟''

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا بیٹے کی دردانگیز گفتگو سن کر کہنے لگیں: جان من! تم اپنے متعلق جتنا کچھ جانتے ہو کوئی دوسرا اس قدر نہیں جان سکتا۔ اگر تمہیں اپنے طور پر کلی اطمینان ہے کہ تم جس بات کی طرف لوگوں کو دعوت دے رہے ہو، اس میں حق پر ہو اور تمہارے مقابل ناحق پر، تو پھر اپنی دعوت سے باز مت آؤ اور قدم آگے کی جانب بڑھاتے چلے جاؤ۔ پست ہمتی کا ثبوت ہرگز نہ دو اور اپنی گردن کو اتنی ڈھیلی مت کرو کہ بنوامیہ کے بچے تمہارے سر سے کھلواڑ کریں۔ اور اگر تم یہ سب کچھ دنیاوی مال ومتاع کے لالچ میں کر رہے تھے تو پھر تم ایک بدترین آدمی ہو، تم نے خود کو اور اپنے ساتھیوں کو تباہ وبرباد کر ڈالا اور تمہارے جو ساتھی قتل کر دیے گئے ہیں ان کے قتل کے ذمہ دار تم اور صرف تم ہو۔ اور اگر تمہاری رائے یہ ہے کہ تم حق

پر تھے مگر جب تمہارا ساتھ دینے والے کمزور پڑ گئے تو تم نے بھی ہمت ہار کر سر تسلیم خم کر دیا تو پھر یہ آزاد لوگوں کی شان نہیں اور نہ ہی اہل دین کا شیوہ۔ آخر اس دنیا میں تمہاری زندگی ہے ہی کتنی؟ ذلت کے ساتھ زندہ رہنے سے عزت کے ساتھ قتل ہو جانا کہیں بہتر ہے:

«وَاللهِ لَضَرْبَةٌ بِالسَّيْفِ فِي عِزٍّ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ ضَرْبَةٍ بِسَوْطٍ فِي ذُلٍّ».

''اللہ کی قسم! عزت و شان میں تلوار کی ضرب کھانا مجھے ذلت و رسوائی کی حالت میں کوڑا کھانے سے زیادہ محبوب ہے۔''

ماں کی یہ ایمان افروز تقریر سن کر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا:

«إِنِّي أَخَافُ إِنْ قَتَلُونِي أَنْ يُمَثِّلُوا بِي».

''مجھے خدشہ ہے کہ اگر میرے دشمن مجھے قتل کر دیں گے تو میرا مثلہ کریں گے (مثلہ کہتے ہیں میت یا مقتول کے کان، ناک، آنکھ یا ہاتھ وغیرہ اعضائے جسمانی کو بری طرح سے کاٹنے اور مسخ کرنے کو)''۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

«يَا بُنَيَّ! إِنَّ الشَّاةَ لَا يَضُرُّهَا سَلْخُهَا بَعْدَ ذَبْحِهَا».

''بیٹے! بکری کے ذبح ہونے کے بعد اس کی چمڑی ادھیڑنا اس کے لیے کسی تکلیف کا باعث نہیں ہوتا (اس لیے قتل کے بعد تمہاری لاش کی جتنی بھی بے حرمتی ہو، تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔)''

یہ سن کر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور اپنی ماں کے سر کا بوسہ لیا اور کہنے لگے: ''اللہ کی قسم! یہی میری رائے بھی ہے۔ جس دعوت کا علم میں نے بلند کیا تھا آج تک اسی کی سربلندی کے لیے کوشاں ہوں۔ میں نے کبھی دنیا کو تحسین نگاہ سے نہیں دیکھا ہے اور نہ آج دنیوی حرص وطمع کی میرے اندر کوئی گنجائش ہے۔''

«وَمَا دَعَانِي إِلَى الْخُرُوجِ إِلَّا الْغَضَبُ أَنِ اللهِ تُسْتَحَلُّ حُرَمُهُ»

''میں نے وقت کے حکمرانوں کے خلاف جو جنگ چھیڑ رکھی ہے اس کا سبب میری دینی حمیت ہے، کیونکہ ان کے دور میں اللہ تعالیٰ کی محرمات کی پامالی ہو رہی ہے اور انہیں جائز ٹھہرا لیا گیا ہے۔''

پھر گویا ہوئے: ''امی جان! میں نے اپنے مشن سے متعلق آپ کی رائے لے لینا مناسب سمجھا، الحمد للہ آپ کی ایمان افروز گفتگو نے میری بصیرت میں مزید اضافہ کر دیا۔ امی جان! آج ہی میں قتل ہونے والا ہوں، میرے قتل پر غمزدہ نہ ہونا اور اپنا معاملہ اللہ کے حوالے کر دینا کیونکہ آپ کے اس صاحبزادے نے کبھی کسی منکر و ناجائز کام کے کرنے کا ارادہ تک نہیں کیا اور نہ کسی غلط اور اخلاق سے گری ہوئی بات میں ملوث ہوا۔ میں نے اللہ کی سلطنت میں کبھی ظلم واستبداد کو نہیں سراہا' امن وامان کا جھانسا دے کر کسی پر دست درازی نہیں کی، کسی مسلمان یا غیر مسلم پر زیادتی کو روا نہیں رکھا۔ میرے عمال کی طرف سے ظلم وزیادتی کی جب بھی مجھے شکایت ملی میں نے مظلوموں کی بھرپور تائید کی اور ان کے حقوق دلوائے۔ میں نے کبھی رضائے الٰہی پر اپنی خواہش کو ترجیح نہیں دی؛ بلکہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو اپنی

خواہش پر مقدم رکھا۔

«اللّٰهُمَّ إِنِّي لَا أَقُولُ هٰذَا تَزْكِيَةً مِنِّي لِنَفْسِي - أَنْتَ أَعْلَمُ بِي - وَلٰكِنْ أَقُولُهُ تَعْزِيَةً لِأُمِّي لِتَسْلُوَ عَنِّي».

''اے اللہ! یہ سب باتیں میں اپنی ذات کے تزکیہ کے لیے نہیں کہہ رہا ہوں۔ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس سے تو بخوبی واقف ہے، بلکہ میں یہ سب کچھ اپنی ماں کو تسلی دینے کے لیے کہہ رہا ہوں تاکہ وہ مجھے پہنچنے والی مصیبت کو بھول جائے۔''

یہ تعزیت بھرے الفاظ سن کر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ کہنے لگیں:

«إِنِّي لَأَرْجُو مِنَ اللّٰهِ أَنْ يَكُونَ عَزَائِي فِيكَ حَسَنًا إِنْ تَقَدَّمْتَنِي وَإِنْ تَقَدَّمْتُكَ فَفِي نَفْسِي حَرَجٌ حَتّٰى أَنْظُرَ إِلَامَ يَصِيرُ أَمْرُكَ».

''مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اگر تم مجھ سے پہلے اللہ کے پاس چلے گئے تو تمہارے بارے میں میری تعزیت اچھی ہوگی؛ البتہ اگر میں تم سے پہلے انتقال کر گئی تو میرے دل میں یہ خلش بہرحال باقی رہے گی کہ میں تمہارے مشن کا انجام نہ دیکھ سکی۔''

پھر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنی ماں سے دعا کی درخواست کرتے ہوئے ان کے پاس سے روانہ ہو گئے اور اسی روز انہیں حجاج بن یوسف اور اس کے ساتھیوں نے قتل کر دیا۔ رضی اللہ عنہ

(دیکھیے: تاریخ طبری (188/6)، بلاغات النساء (130)، العقد الفرید (417/4)، نقص العرب (132/2))

خلیفہ کو بڑھیا کا برملا جواب

ایک مرتبہ عباسی خلیفہ مہدی (775-85ء) کہیں جا رہا تھا۔ راستہ میں ایک سن رسیدہ اعرابیہ سے ملاقات ہو گئی۔

خلیفہ نے پوچھا: بوڑھی ماں! تمہارا تعلق کس قبیلہ سے ہے؟

بڑھیا گویا ہوئی: قبیلۂ طے سے۔

خلیفہ مہدی نے کہا:

«مَا مَنَعَ طَيْئًا أَنْ يَكُونَ فِيكُمْ آخَرُ مِثْلَ حَاتِمٍ».

"قبیلہ طے میں کونسی ایسی رکاوٹ آگئی جو تمہارے درمیان اب حاتم طائی کی طرح کوئی سخی پیدا نہیں ہوتا۔"

بڑھیا نے فوراً جواب دیا:

«الَّذِي مَنَعَ الْمُلُوكَ أَنْ يَكُونَ فِيهِمْ مِثْلُكَ».

"وہی رکاوٹ جو بادشاہوں کو پیش آگئی کہ ان میں تم جیسا کوئی نہ ہوا۔"

خلیفہ مہدی کو بڑھیا کا جواب بڑا پسند آیا اور اس نے اسے انعام واکرام سے نوازنے کا حکم دیا۔

(أخبار الأذكياء، ابن الجوزي)۔

اللہ کی قسم! ہمشیرہ کا دانت نہیں ٹوٹے گا

نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں دو عورتوں میں جھگڑا ہو گیا۔ ان میں سے ایک حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ رُبیِّع بنت نضر رضی اللہ عنہا تھیں جنھوں نے دوسری عورت کا دانت توڑ دیا تھا۔ جب یہ مقدمہ بارگاہ نبوت میں پیش ہوا تو آپ نے فرمایا:

«اَلْقِصَاصُ اَلْقِصَاصُ».

''کتاب اللہ کے فیصلہ کے مطابق دانت کے بدلہ میں دانت ہی توڑا جائے گا''

حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی تھے جو جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اور بعد میں انھوں نے حمیت اسلامی سے سرشار ہو کر رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا تھا:

«وَاللهِ! لَئِنْ أَشْهَدَنِي اللهُ قِتَالَ الْمُشْرِكِينَ لَيَرَيَنَّ اللهُ مَا أَصْنَعُ».

''اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے مشرکین سے جنگ کا موقع دیا تو اللہ تعالیٰ خود دیکھے گا کہ میں کیسے کارنامے انجام دیتا ہوں۔''

چنانچہ غزوۂ احد میں بڑی جواں مردی سے کافروں کا مقابلہ کیا اور شہید ہو گئے۔ شہادت کے بعد دیکھا گیا تو ان کے جسم پر تلواروں، نیزوں اور تیروں کے اسی (80) سے زائد زخم لگے ہوئے تھے اور کافروں نے ان کا اس قدر برے طریقے سے مثلہ کیا تھا

کہ ان کی بہن رُبَیّع بنت نضر رضی اللہ عنہا انہیں
پہچان نہ سکیں، بلکہ ان کی انگلیوں کی پوروں کی مدد سے
انہیں پہچانا۔
غرض یہ صحابی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:
اے اللہ کے رسول! کیا آپ چاہتے ہیں کہ میری بہن رُبَیّع کا دانت توڑ دیا
جائے؟
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
«نَعَمْ، كِتَابُ اللّٰهِ» ''ہاں کتاب اللہ کا یہی فیصلہ ہے۔''
حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کی قسم! میری ہمشیرہ کا دانت نہیں ٹوٹے گا!
آخر یہ قسم کیسی تھی؟ کیا حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے شرعی حکم پر اعتراض کیا تھا؟ کیا نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ قبول نہ تھا؟
ہرگز نہیں، بلکہ انہوں نے یہ قسم اس لیے کھائی کہ انہیں اللہ کی ذات سے امید تھی
کہ اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو رائیگاں نہیں جانے دے گا بلکہ ضرور کوئی دوسری صورت
پیدا فرما دے گا۔ وہ اپنے رب ذوالجلال سے دعا کر رہے تھے۔
چنانچہ جب انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا: ''اس (زخمی) عورت کے گھر والوں کے پاس
جاؤ۔ اگر وہ لوگ تاوان پر راضی ہو جائیں تو
پھر کوئی حرج نہیں۔''

لوگ اس زخمی عورت کے گھر والوں کے پاس گئے۔ ان لوگوں نے تاوان پر رضا مندی ظاہر کر دی' حالانکہ اس سے پہلے وہ راضی نہیں ہو رہے تھے بلکہ وہ رُبیّع بنت نضر رضی اللہ عنہا کا دانت توڑنے پر مُصر تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر مسکراہٹ چھا گئی اور آپ انس بن نضر رضی اللہ عنہ کے پھٹے ہوئے کپڑے اور ان کے دبلے پتلے جسم کی طرف دیکھنے لگے' پھر فرمایا:

«إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللهِ مَنْ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ».

''اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ (کے بھروسہ) پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم پوری کر دیتے ہیں۔''

(بخاری:2703' مسند احمد:128/3)

مسلم خاتون اور مغربی عورت کا فرق

شیخ علی طنطاوی کا بیان اخبار ''الشرق الاوسط'' (27 محرم 1409ھ) میں شائع ہوا۔ وہ کہتے ہیں: ایک پروفیسر نے مجھے بتایا کہ وہ امریکہ کی کسی کانفرنس میں ''مسلم خاتون'' کے عنوان سے اپنا مقالہ پڑھ رہا تھا، اس نے کانفرنس کے سامعین کے سامنے مسلم خاتون کے اقتصادی و مالی حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ'' وہ اپنا علیحدہ اقتصادی فنڈ رکھ سکتی ہے جس پر نہ تو اس کے شوہر کا تسلط ہو سکتا ہے اور نہ اس کا باپ اس کے مال کو اپنے قبضہ میں لے سکتا ہے۔ اگر کوئی عورت فقر و فاقہ کی نوبت کو پہنچ جائے اور اس کے روزمرہ کے اخراجات وضروریات کا مسئلہ درپیش ہو تو اس کے نان ونفقہ کی ذمہ داری اس کے والد یا اس کے بھائی پر عائد ہوگی۔ اگر اس کا والد یا بھائی نہ ہوں تو اس کا کوئی بھی قریبی رشتہ دار اس کی دیکھ بھال کا ذمہ دار ہوگا، جو اس کا وارث بن سکتا ہے خواہ اس کا چچا زاد بھائی کیوں نہ ہو۔ اس عورت کا نان ونفقہ اس کی شادی نہ ہونے تک اس کے رشتہ داروں پر واجب ہے۔ پھر جب اس کی شادی ہو جائے تو اس کے نان ونفقہ اور پوشاک وغیرہ کی ذمہ داری اس کے شوہر پر عائد ہوگی۔

عورت اگرچہ لکھ پتی بھی ہو اور اس کا شوہر معمولی مزدور ہی کیوں نہ

ہو عورت سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ
نان ونفقہ خود فراہم کرے؛ بلکہ شوہر پر واجب ہے کہ
وہ مزدوری کر کے ہی سہی اپنی بیوی کو نان ونفقہ فراہم
کرے۔اس کے علاوہ بھی مسلم خاتون کو بہت کچھ حقوق حاصل
ہیں جن سے دوسرے مذاہب کی خواتین محروم ہیں۔''

یہ مقالہ سننا تھا کہ ایک امریکی خاتون جو کہ بہت مشہور ادیبہ ہے، کھڑی ہوئی اور کہنے لگی:

''اگر مسلم خاتون کا تحفظ تمہارے (یعنی مسلمانوں) کے نزدیک ویسا ہی ہے، جیسا کہ تم نے ابھی بیان کیا ہے، تو پھر تم لوگ مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلو۔ میں تمہارے درمیان چھ ماہ تک زندگی گزاروں گی، پھر تم لوگ مجھے بے شک قتل کر دینا۔''

امریکی خاتون کی بات سن کر پروفیسر کو بڑا تعجب ہوا؛ چنانچہ اس نے خاتون سے اس کے حالات دریافت کیے۔امریکی خاتون نے اپنی اور دیگر امریکی لڑکیوں کی حالت سے آگاہ کرتے ہوئے پروفیسر کے جواب میں کہا:

''جب امریکی عورت آزادی کا پرچم بلند کرنے نکلتی ہے تو درحقیقت وہ
مقید ہوتی ہے۔خود کو عزت واکرام کی حامل سمجھتی ہے مگر اس کا
وجود درحقیقت ذلت ورسوائی کے عمیق گڑھے میں
ہوتا ہے جس کا وہ بروقت احساس

نہیں کر پاتی۔ مرد معمولی اور حقیر
کاموں کے لیے اس کو مہرہ بنانے کے لیے تو استعمال
کرتے ہیں بلکہ اس کی خوب خوب تعظیم وتکریم اور حوصلہ افزائی
بھی کرتے ہیں مگر جب کوئی اہم اور بڑا مسئلہ درپیش ہوتا ہے تو عورت
کو دال میں پڑی مردار مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیتے ہیں؛ بلکہ ایسے
موقع پر اس سے مشورہ طلب کرنا بھی حقارت کے مترادف سمجھتے ہیں۔ ہاں گاڑی
سے اترتے وقت اس کی نازک کلائی بڑے طمطراق سے پکڑ لیتے ہیں تا کہ اسے کوئی
زک نہ پہنچنے پائے اور وہ بآسانی اتر جائے، نیز زیارت و ملاقات کے موقع پر اس کو
خود پر ترجیح دیتے ہیں اور آگے بڑھنے دیتے ہیں۔ بسا اوقات یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ
ریل گاڑی یا بس میں سیٹ پر سے خود اٹھ جاتے ہیں اور اپنی جگہ کھڑی عورت
کو بٹھا دیتے ہیں، یا اس کے گزرنے کے لیے راستہ چھوڑ دیتے ہیں؛ لیکن پس پردہ
وہ عورت کے ساتھ ایسی گندی اور گھناؤنی حرکات بھی کرتے ہیں جو اس کی شان
کے قطعاً منافی ہوتی ہیں۔"

"یہاں جب کوئی لڑکی جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتی ہے تو اس کا باپ اس کی
سرپرستی سے اپنا ہاتھ کھینچ لیتا ہے، اپنی نوجوان بیٹی کے لیے اپنا
دروازہ بند کر لیتا ہے اور اس سے کہتا ہے: جہاں جانا ہے
جاؤ، کماؤ کھاؤ، آج کے بعد میرے پاس
تمہارا کوئی حق باقی

نہیں۔اب بے چاری نوجوان لڑکی کرے تو کیا کرے اور جائے تو کہاں جائے؟ زندگی کے ایام تو گزارنا ہی ہیں' چنانچہ وہ گھر سے باہر قدم رکھتی ہے، زندگی کی پر پیچ وادیوں کا سفر تن تنہا طے کرتی ہے۔اس دنیا میں انسانی درندوں کی کثرت ہے، چاروں طرف بھوکے شیروں کا ازدحام ہے، خونخوار بھیڑیے اپنے جبڑے کھولے شکار کی تلاش میں ہیں اور انہیں سامنے صنف نازک کی شکل میں جو تازہ تازہ شکار نظر آرہا ہے سب اس کے درپے ہیں۔ اُف، یہ ہے وہ امریکی لڑکی جس کی جوانی پر سب نے نظریں گاڑ رکھی ہیں!! اس کے گھر والوں کو قطعاً کوئی فکر نہیں ہوتی کہ گھر سے باہر قدم رکھنے والی ان کی عزت وآبرو کس قسم کے پیشہ سے معاش کما رہی ہے؛ محنت ومشقت سے یا عصمت وعزت فروخت کر کے؟ کبھی بھول کر پوچھتے بھی نہیں کہ ان کی یہ لڑکی اپنے ہاتھ کی کمائی کھا رہی ہے یا آبرو کی!! کسی آفس میں سکریڑی کے عہدے پر اپنی جسمانی نمائش کر کے تنخواہ پا رہی ہے یا کسی شوروم میں ماڈلنگ کر کے!!.......اور ہاں، یہ مرض صرف امریکہ ہی میں نہیں بلکہ مغربی تہذیب کے نقش قدم پر چلنے والے تمام ملکوں میں پایا جاتا ہے......!!"

بیٹی کو باپ کی نصیحت

خُمارویہ بن احمد بن طولون بیس سال کی عمر میں اپنے باپ کی وفات کے بعد مصر کا گورنر بنا۔ خلیفہ معتمد علی اللہ کے زمانۂ حکومت (870-92ء) میں اس کی گورنری مصر میں برقرار رہی۔ جب معتمد کا انتقال ہو گیا تو معتضد باللہ نے خلافت کی باگ ڈور سنبھالی۔ خُمارویہ، جلدی سے بہت سے تحفے تحائف لے کر خلیفہ معتضد باللہ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ خلیفہ نے اسے اس کے عہدے پر بدستور برقرار رکھا۔

خمارویہ نے خلیفہ معتضد باللہ کے سامنے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ اپنے شہزادے مکتفی باللہ کی شادی میری بیٹی سے کر دیں۔ اس وقت مکتفی باللہ ولی عہد تھا۔

خمارویہ کی صاحبزادی قطر الندی جس کا نام اُسماء تھا، نہایت حسین وجمیل اور ہوشیار لڑکی تھی جس کی عقل وادب اور حسن وجمال کی مثال خال خال ہی ملتی ہے۔ خلیفہ نے خمارویہ سے کہا: ''تمہاری صاحبزادی قطر الندی سے میں خود شادی کرنے کا خواہشمند ہوں۔''

خمارویہ نے 281 یا 282ھ میں اپنی بیٹی کی شادی خلیفہ معتضد باللہ سے کر دی۔ اس کے مہر کی رقم دس لاکھ درہم تھی۔ چوں کہ قطر الندی بہت

زیادہ خوبصورت تھی' اس لیے خلیفہ
نے اس کے اکرام میں کچھ زیادہ ہی دھیان دیا۔

خلیفہ نے اپنی ایک الگ مجلس قائم کی، اس میں دنیا جہان کی آرائش وزیبائش کا اہتمام کیا، پھر خلیفہ اس میں اپنی دلہن قطر الندی کو لے گیا تا کہ اس سے انس اور قرار حاصل کرے۔ قطر الندی نے خلیفہ کے ہاتھ سے گلاس لے لیا اور خلیفہ اپنا رخسار اس کی ران پر رکھ کر سو گیا۔ جب خلیفہ کو گہری نیند آ گئی تو قطر الندی نے اس کا سر اٹھا کر تکیہ پر رکھ دیا اور کمرہ سے نکل کر قصر شاہی کے آنگن میں جا کر بیٹھ گئی۔ خلیفہ کی جب آنکھ کھلی تو کمرہ میں بیوی کو نہ پا کر سخت ناراض ہوا اور زور سے آواز دی ۔ قطر الندی قریب ہی موجود تھی، اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

خلیفہ کہنے لگا: میں نے تیری عزت واکرام کی خاطر یہ مجلس قائم کی تھی؟ کیا میں اپنی دیگر بیویوں کو نظر انداز کر کے خصوصی طور سے تجھ پر دل وجان سے فدا نہیں تھا؟ پھر بھی تو میرا سر تکیہ پر رکھ کر مجھے کمرے میں اکیلا چھوڑ کر نکل گئی؟

قطر الندی کہنے لگی: امیر المؤمنین! آپ نے مجھے جو اکرام وانعام بخشا ہے اس سے انکار ہے نہ میں اس کی ناقدری کرتی ہوں؛
البتہ میں نے اپنے باپ کی نصیحت پر عمل
کرتے ہوئے ایسا کیا

ہے۔ میرے ابو جان کہا کرتے تھے:

«لَا تَنَامِي بَيْنَ جُلُوسٍ، وَلَا تَجْلِسْ مَعَ النَّائِمِ».

''بیٹھے ہوئے لوگوں کے درمیان سویا نہ کرو اور نہ سونے والے کے ساتھ بیٹھا کرو۔''

خلیفہ کو اپنی اہلیہ کی بات اچھی لگی اور اس کا غصہ کافور ہو گیا۔

(دیکھیے: وفیات الأعیان، ابن خلکان: 249/2، سیر أعلام النبلاء: 473/13)

35

قمیص لختِ جگر سے زیادہ قیمتی!

ابوزناد سے مروی ہے کہ سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کے پاس رسول اکرم ﷺ کی قمیص تھی جو انہوں نے اپنے عظیم بیٹے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو عطا کر دی تھی مگر جب انہیں مخالفین نے قتل کر دیا تو اس عظیم سانحہ کے باعث وہ قمیص گم ہو گئی۔ اس حادثہ کے بعد بسا اوقات حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کہتی تھیں: «لَلْقَمِيصُ أَشَدُّ عَلَيَّ مِنْ قَتْلِ عَبْدِ اللهِ» ''میرے لختِ جگر عبداللہ کا قتل اس قدر تکلیف کا باعث نہیں جتنا کہ نبی کریم ﷺ کی قمیص کے گم ہو جانے سے مجھے تکلیف ہوئی۔''

کچھ عرصہ بعد ملک شام کے ایک شخص کے متعلق پتہ چلا کہ رسول اکرم ﷺ کی وہ قمیص اس شامی کے پاس ہے۔ جب قمیص کے متعلق حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے حزن وملال کا اس شامی کو علم ہوا تو اس نے قمیص لوٹانے کے لیے شرط عائد کر دی کہ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے دربار میں دعائے مغفرت کریں' چنانچہ وہ کہنے لگا:

«لَا أَرُدُّهُ أَوْ تَسْتَغْفِرَ لِي أَسْمَاءُ».

''میں اس قمیص کو اسی صورت میں لوٹاؤں گا جبکہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعائے مغفرت کریں۔''

«كَيْفَ أَسْتَغْفِرُ لِقَاتِلِ عَبْدِ اللهِ؟».

''بھلا اپنے لختِ جگر عبداللہ کے قاتل کے لیے میں کیوں کر دعائے استغفار کر سکتی ہوں؟''

لوگوں نے سیدہ اسماء سے عرض کیا کہ جب تک آپ اس شامی کے حق میں دعائے استغفار کے لیے اللہ تعالیٰ کے دربار میں ہاتھ دراز نہیں کریں گی وہ رسول اکرم ﷺ کی قمیص واپس کرنے سے انکاری ہے۔ جس کی واپسی کی آپ خواہاں ہیں۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: شامی کو میرے پاس آنے کے لیے کہو۔

چنانچہ وہ شامی رسول اکرم ﷺ کی قمیص لے کر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت اس کے ہمراہ عبداللہ بن عروہ بھی موجود تھے۔ حضرت اسماء نے شامی سے کہا: قمیص عبداللہ بن عروہ کے حوالے کر دو۔ شامی نے قمیص عبداللہ بن عروہ کے حوالے کر دی تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے پوچھا: عبداللہ! قمیص حاصل کر لی؟ عبداللہ بن عروہ نے عرض کیا: ہاں۔ تب حضرت اسماء کہنے لگیں: «غَفَرَ اللهُ لَكَ يَا عَبْدَ اللهِ» ''عبداللہ! اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے''۔

شامی نے سمجھا کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے 'عبداللہ' کہہ کر اس کے لیے مغفرت کی دعا کی ہے' حالانکہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے عبداللہ سے عبداللہ بن عروہ مراد لیا اور کنایہ میں انہی کو دعا دے گئیں مگر شامی نہیں سمجھ سکا!

(فراسة المؤمن: 41، إبراهيم الحازمي)

سوکن کے خلاف حیلہ سازی

ایک آدمی اہواز کا رہنے والا تھا (اہواز بصرہ کے شمال مشرق میں ایران کا ایک شہر ہے) وہ آدمی انتہائی مالدار تھا، دولت وثروت سے مالا مال۔ اس کی شادی ہو چکی تھی۔ ایک مرتبہ کسی کام سے بصرہ کے سفر پر نکلا، وہاں بھی اس نے ایک عورت کو پسند کر لیا اور اس سے شادی کر لی۔ وہ سال میں ایک دو دفعہ اپنی بصرہ والی بیوی کے پاس جایا کرتا تھا اور اس کو ضروریات زندگی مہیا کر آتا تھا۔ ادھر اس کی پہلی بیوی جو اہواز کی رہنے والی تھی، اس کو اس کی دوسری شادی کے بارے میں علم نہ تھا۔ بصریہ کے چچا سے اس کی خط کتابت ہوتی رہتی تھی۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ بصریہ کے چچا کا بھیجا ہوا خط اہوازیہ کے ہاتھ لگ گیا۔ خط کے مضمون سے اہوازیہ کو معلوم ہو گیا کہ اس کے شوہر نے بصرہ میں کسی عورت سے شادی کر لی ہے اور یہی وجہ ہے کہ سال میں ایک دو دفعہ وہ باقاعدہ بصرہ کا سفر کرتا ہے۔ اس راز سے واقف ہوتے ہی اہوازیہ کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔ اس نے اب تگ و دو شروع کی کہ اس کے شوہر کی زندگی سے بصرہ والی بیوی کا وجود ختم ہو جائے' چنانچہ اس نے ایک حیلہ سازی کی۔ وہ خط جو بصریہ کے چچا نے اس کے شوہر کے نام لکھا تھا، اسی کے اندر یہ مضمون لکھ کر رکھ دیا:

''میں بصرہ سے فلاں لکھ رہا ہوں، بڑے افسوس کے ساتھ میں لکھ رہا ہوں کہ تمہاری بیوی اب اس دنیا میں نہیں رہی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہانِ فانی سے رخصت ہو چکی ہے، اس لیے جتنا جلد ہو سکے بصرہ پہنچنے کی کوشش کرو۔''

یہ خط لکھ کر اہوازیہ نے اپنے شوہر کے حوالے کر دیا۔ شوہر نے جب خط پڑھا تو

جیسے اس پر بجلی گر پڑی، مگر کیا کرتا بیوی کے سامنے خود پر قابو رکھنا ضروری تھا۔ پھر کچھ دیر کے بعد وہ بصرہ جانے کے لیے رخت سفر باندھنے لگا۔ ادھر اس کی پہلی بیگم اس کی ساری حرکات وسکنات نوٹ کر رہی تھی، یکا یک وہ گویا ہوئی:

«إِنِّي أَرَاكَ مَشْغُولَ الْقَلْبِ وَأَظُنُّ أَنَّ لَكَ بِالْبَصْرَةِ امْرَأَةً».

''میں دیکھ رہی ہوں کہ تم کھوئے کھوئے سے لگ رہے ہو، تمہارا دل کہیں اور مشغول ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ تم نے بصرہ میں کسی عورت سے شادی کر رکھی ہے۔''

شوہر کہنے لگا: ''معاذ اللہ، میں نے کوئی شادی نہیں کی ہے!''

عورت انتہائی غصے اور غیرت میں کہنے لگی: «لَا أَقْنَعُ بِقَوْلِكَ دُونَ يَمِينِكَ فَتَحْلِفُ بِطَلَاقٍ بَائِنٍ لِكُلِّ امْرَأَةٍ لَكَ غَائِبَةٍ أَوْ حَاضِرَةٍ» ''میں تمہارے زبانی جمع خرچ سے مطمئن نہیں ہو سکتی۔ قسم کھاؤ کہ اگر میرے سوا تمہاری کوئی بیوی ہو تو اس کو طلاق بائن دیتا ہوں۔''

شوہر نے یہ قسم کھانے میں کوئی حرج نہیں سمجھا کیونکہ اس کو یقین تھا کہ اس کی بصرہ والی بیوی اب مر چکی ہے؛ چنانچہ اس نے بیوی کے سامنے اس کے کہنے کے مطابق قسم کھالی۔

شوہر جب قسم کھا چکا تو بیوی گویا ہوئی: «لَا حَاجَةَ لَكَ فِي الْخُرُوجِ فَإِنَّ تِلْكَ بَانَتْ، وَهِيَ فِي الْحَيَاةِ». ''اب تمہیں بصرہ جانے کی ضرورت نہیں، کیونکہ تمہاری بصرہ والی بیوی زندہ ہے مگر اس کو طلاق بائن ہو چکی ہے۔''(1)

(1) کتاب الأذکیاء، لابن الجوزی (251)

شیطان کی تصویر بنادو

جاحظ ایک بہت معروف ادیب گزرا ہے، اس کا نام ابوعثمان بن بحر بن محبوب تھا۔ یہ معتزلی تھا، اس کی شکل وصورت بہت ہی بری اور خوفناک تھی، گویا یہ بدصورتی کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھا، اس کا عقیدہ بھی درست نہیں تھا' البتہ علم وفن میں اس کی مثال خال خال ہی نظر آتی ہے۔ اس نے بہت سے علوم سیکھ رکھے تھے۔ چنانچہ اس نے بہت سی مفید کتابیں تصنیف کیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ غیر معمولی حافظے کا مالک تھا۔ اس کی لکھی ہوئی کتابوں میں دو کتابیں: کتاب الحیوان اور البیان والتبیین بہت ہی مشہور ہیں۔ اس کے بارے میں یہ بات تاریخ کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے:

«لَمْ يَقَعْ بِيَدِهِ كِتَابٌ قَطُّ إِلَّا اسْتَوْفَى قِرَاءَتَهُ حَتّٰى إِنَّهُ كَانَ يَكْتَرِي دَكَاكِينَ الْكُتُبِيِّينَ وَيَبِيتُ فِيهَا لِلْمُطَالَعَةِ».

''جو کتاب بھی اس کے ہاتھ لگتی وہ اسے مکمل پڑھ ڈالتا، بلکہ اس کا شوق مطالعہ اس حد تک تھا کہ وہ کتب فروشوں کی دکانیں اجرت پر لے کر رات بھر ان میں مطالعہ کرتا۔''

چہرہ تو اس کا بڑا بدصورت اور بدشکل تھا مگر مستحکم علم نے اسے خوبصورت بنا دیا تھا۔ آج بھی وہ اپنے علم کے سبب تاریخ وادب کی کتابوں میں زندہ ہے۔ اس کی بدصورتی کے متعلق ایک قصہ معروف ہے جو ایک خاتون کے ساتھ پیش آیا تھا

اور اسی وجہ سے مجھے یہ واقعہ خواتین کی کتاب میں لکھنے کی ضرورت پیش آئی۔ واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

جاحظ کا اپنا بیان ہے:

«مَا أَخْجَلَتْنِي قَطُّ إِلَّا امْرَأَةٌ مَرَّتْ بِي إِلَىٰ صَائِغٍ، فَقَالَتْ لَهُ: اعْمَلْ مِثْلَ هٰذَا».

''مجھے ایک عورت کے سوا کبھی کسی عورت نے رسوا نہیں کیا۔ ہوا یہ کہ وہ عورت مجھے ایک سُنار کے پاس لے گئی اور اس سے کہنے لگی: اس کی طرح بنا دو۔''

یہ کہہ کر وہ عورت تو چلی گئی مگر میں حیرت میں پڑ گیا۔ پھر میں نے زرگر سے پوچھا: یہ عورت تم سے میرے بارے میں کیا کہہ کر چلی گئی؟ زرگر نے جواب دیا:

«هٰذِهِ امْرَأَةٌ أَرَادَتْ أَنْ أَعْمَلَ لَهَا صُورَةَ شَيْطَانٍ، فَقُلْتُ: لَا أَدْرِي كَيْفَ أُصَوِّرُهُ، فَأَتَتْ بِكَ إِلَيَّ لِأُصَوِّرَهُ عَلَىٰ صُورَتِكَ».

''اس عورت نے (اپنی انگوٹھی پر) مجھ سے شیطان کی تصویر بنانے کی خواہش کی۔ میں نے اس سے کہا کہ جب میں نے کسی شیطان کو دیکھا ہی نہیں ہے تو بھلا اس کی شکل کیسے بنا سکتا ہوں؟ چنانچہ وہ آپ کو میرے پاس لے کر آئی تاکہ آپ کی صورت دیکھ کر اس کے لیے (اس کی انگوٹھی پر) شیطان کی تصویر منقش کروں۔''

(المستطرف: 38/1، جاحظ کی سوانح کے لیے دیکھیے: سیر أعلام النبلاء: 526/11، معجم الأدباء: 2101/5، البدایۃ والنہایۃ: 514/14، دار ہجر)

لونڈی کی حاضر دماغی

مدائنی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ عبید اللہ بن زیاد گھڑ سواروں کے ساتھ نکلا۔ گھڑ سواروں نے ایک آدمی کو دیکھا جس کے ساتھ ایک لونڈی بھی تھی۔ وہ لونڈی انتہائی حسین و جمیل تھی۔ گھڑ سواروں نے اس آدمی کو دھمکی آمیز لہجے میں پکارا: اس لونڈی کو ہمارے حوالے کر دو۔ اس آدمی کے پاس ایک کمان تھی۔ اس نے گھڑ سواروں میں سے ایک آدمی کو دے ماری جس سے کمان کی تانت ٹوٹ گئی اور گھڑ سواروں کو طیش آ گیا۔

چنانچہ اسے پکڑنے کے لیے سارے ہی گھڑ سوار اس پر ٹوٹ پڑے اور اس سے لونڈی کو چھین لیا۔ وہ آدمی اپنی جان بچا کر ان سے بھاگ نکلا۔ چونکہ گھڑ سواروں کی توجہ کا مرکز لونڈی ہی تھی اس لیے آدمی سے ان کی توجہ ہٹ گئی۔

گھڑ سواروں میں سے ایک شخص نے لونڈی کے کان کی بالی کو غور سے دیکھا تو بالی میں ایک بہت ہی نادر اور بیش قیمت موتی نظر آیا۔ لونڈی کہنے لگی: یہ موتی کوئی بڑی قیمت نہیں رکھتا۔ اگر تم اس آدمی کی ٹوپی کو کھول کر دیکھتے تو تمہیں اندازہ ہوتا کہ کس قدر بیش قیمت موتی اس نے چھپا رکھے ہیں۔ ان موتیوں کے مقابلے میں اس کی تو کوئی اہمیت ہی نہیں۔

یہ سننا تھا کہ سارے گھڑ سوار اس آدمی کے پیچھے دوڑ پڑے اور جب اس کے قریب پہنچے تو باآواز بلند کہنے لگے: جو کچھ تمہاری ٹوپی میں ہے اسے ہمارے حوالے کر دو، ہم تمہاری جان چھوڑ دیں گے۔

اس آدمی کی ٹوپی میں کمان کی ایک تانت تھی جسے اس نے بطور احتیاط چھپا رکھا تھا' تاکہ بوقت ضرورت کام آئے مگر مارے خوف و دہشت کے اسے یاد نہیں آرہا تھا کہ اس کے پاس تانت موجود ہے جس کو کمان پر چڑھا کر دشمنوں سے مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ گھڑ سواروں نے جب ٹوپی کے اندر کا سامان طلب کیا تو فوراً اسے یاد آگیا کہ میں نے تو کمان کی تانت ٹوپی کے اندر چھپا رکھی ہے۔ وہ ہوشیار ہو گیا اور ٹوپی سے تانت نکال کر کمان چڑھالی اور پھر گھڑ سواروں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جب گھڑ سواروں نے اس کی یہ جرأت مندانہ کیفیت دیکھی تو پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے اور لونڈی کو چھوڑ دیا۔(۱)

اس طرح لونڈی کی حاضر دماغی نے ابن زیاد کے آدمیوں کو ناکام کر دیا۔

---

(۱) ۔المجلۃ العربیۃ: 97-85 ،نساء ذکیات جلد ۱: 118۔

اشارہ کنایہ کا کردار

عبداللہ بن طاہر خراسان کا گورنر تھا، ادب میں خاصی دلچسپی رکھتا تھا۔ لوگ اس کی بہت عزت وتوقیر کرتے تھے کیونکہ وہ ایک بارعب سیاستدان اور عالم تھا اور جود وسخا میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ خلیفہ مامون رشید (198ھ تا 218ھ) بھی اس کی بہت عزت کرتا تھا بلکہ اس کے ذاتی معاملات پر بھی توجہ دیتا تھا۔ مامون نے اسے مصر وافریقہ کا بھی گورنر مقرر کر دیا تھا۔

ایک دن خلیفہ مامون عبداللہ بن طاہر سے سخت ناراض ہو گیا۔ عبداللہ بن طاہر کو جب مامون کی ناراضی کا علم ہوا تو اس نے خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا تاکہ گفت وشنید کے ذریعے پھر سے دونوں کے مابین اچھے تعلقات بحال ہو سکیں۔ ابھی سفر کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ اس کے ایک دوست کا خط آ گیا۔ خط کے اندر کچھ تفصیل سے نہیں لکھا ہوا تھا بلکہ صرف السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مکتوب تھا، اس کے علاوہ اس کے ایک کنارے پر ''یاموسیٰ'' لکھا ہوا تھا۔

عبداللہ بن طاہر نے خط دیکھا، اس کے اندر ''یاموسیٰ'' کے الفاظ پر غور کرنے لگا کہ آخر اس کے لکھنے کا مقصد کیا ہے؟ میرا دوست لکھنا کیا چاہتا تھا؟ اور مجھے بتانا کیا چاہتا ہے؟ ابھی غور وفکر کی اس کشمکش میں تھا کہ اس کی لونڈی جو بہت ہی ذہین وفطین تھی، کہنے لگی: درحقیقت آپ کا دوست آپ کو اس آیت کی یاددہانی کرانا چاہتا ہے:

﴿يٰمُوسٰىٓ اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ﴾

''اے موسیٰ! یہاں کے سردار آپ کے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں' اس لیے آپ بھاگ جائیں۔ بلاشبہ میں تمھارا خیر خواہ ہوں۔'' (القصص:20)

لونڈی نے جب یہ آیت پڑھی تو عبداللہ بن طاہر کو بات سمجھ آ گئی اور وہ خلیفہ مامون کا ارادہ جان کر محتاط ہو گیا۔

عبداللہ بن طاہر کی وفات 48 سال کی عمر میں 230ھ میں نیشاپور میں ہوئی۔

(یہ واقعہ کتاب الأذکیاء: 255 سے لیا گیا ہے جبکہ معلومات سیر أعلام النبلاء: 684/10 اور وفیات الأعیان: 89/3-83 وغیرہ کتابوں سے لکھی گئی ہے)

گریہ وزاری کا عذر

اصمعی کا بیان ہے کہ ایک بدوی عورت کے لخت جگر کا انتقال ہو گیا، اس نے بہت زیادہ آنسو بہائے۔ روتے روتے اس کے رخسار پر جھریاں پڑ گئیں۔ پھر وہ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون پڑھ کر کہنے لگی:

اے پروردگار! بلاشبہ تو والدین کی اپنی اولاد سے بے انتہا محبت سے واقف تھا۔ اسی لیے شاید تو نے والدین کو حکم نہیں دیا کہ وہ اپنی اولاد کے ساتھ حسن سلوک کریں، اس کے برعکس تجھے یہ علم تھا کہ اولاد اپنے والدین کی نافرمانی کر سکتی ہے اس لیے تو نے اولاد کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرے اور ان کی فرماں برداری بجا لائے۔ میرے پروردگار! یقیناً میرا یہ بیٹا اپنے والدین کا مطیع وفرماں بردار تھا، اپنے والدین کا خدمت گزار تھا، ان کے اشارے پر چلتا‘ ان کا ہر حکم بجا لاتا تھا، لہٰذا تو میرے بچے کو میری طرف سے اس کی اطاعت وفرماں برداری کے عوض اپنے خصوصی رحم وکرم سے نواز دے اور اس کو اپنی نعمتوں اور رحمتوں سے مالا مال کر کے اس کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا۔

اعرابی خاتون کا شوہر اپنی بیوی کی بات سن کر کہنے لگا: واقعی تم نے بہت اچھی دعا کی ہے، مگر اچھا ہوتا کہ اپنے بیٹے کی وفات پر واویلا نہ کرتیں اور جزع فزع سے گریز کرتیں۔

اعرابیہ نے جواب دیا: درحقیقت میں نے جو اپنے بیٹے کی وفات پر آنسو

بہائے ہیں، یہ اختیاری نہیں بلکہ غیر اختیاری ہیں۔ میں لاکھ کوشش کرتی مگر اس گریہ وزاری پر کنٹرول نہیں کر سکتی تھی اس کی میرے پاس طاقت ہی نہ تھی۔ اس لیے میرے پاس اللہ کے فضل سے عذر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَآ إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾.

''پھر جو مجبور ہو جائے اور وہ حد سے بڑھنے والا اور زیادتی کرنے والا نہ ہو، اس پر کوئی گناہ نہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا مہربان ہے۔'' (البقرۃ)

(نساء ذکیات جلد ا: 93)

بدو خاتون کی دانشمندی

اصمعی کہتے ہیں: میں نے ایک بدوی خاتون کو دیکھا جو انتہائی حسین وجمیل تھی مگر اس کا شوہر ایک بدصورت وبدشکل انسان تھا۔ میں نے اس خاتون سے کہا: «يَا هٰذِهِ أَتَرْضَيْنَ أَنْ تَكُونِي تَحْتَ هٰذَا؟»

"اے خاتون! تم نے (اس قدر خوبصورت ہونے کے باوجود) اس بدصورت انسان کی زوجیت میں رہنا کیسے گوارا کرلیا ہے؟"

وہ کہنے لگی: «يَا هٰذَا، لَعَلَّهُ أَحْسَنَ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ رَبِّهِ فَجَعَلَنِي ثَوَابَهُ، وَأَسَأْتُ فِيمَا بَيْنِي وَبَيْنَ رَبِّي فَجَعَلَهُ عَذَابِي أَفَلَا أَرْضَى بِمَا رَضِيَ اللّٰهُ بِهِ؟»

"دیکھیے جی! ہوسکتا ہے کہ میرے اس شوہر نے اپنے رب کی فرماں برداری کی ہو جس سے خوش ہو کر اللہ تعالیٰ نے مجھ جیسی خوبصورت بیوی سے اسے نوازا ہے۔ اس کے برعکس ممکن ہے مجھ سے اللہ کی فرماں برداری میں کوتاہی ہوئی ہو جس کی وجہ سے مجھ جیسی حسین وجمیل پر بطور سزا یہ بدصورت شوہر مسلط کیا گیا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے' کیا مجھے اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی نہیں ہونا چاہیے؟"

(المستطرف: 385/1)

اور وہ ایمان متزلزل نہ کر سکی!

مورخ اسلام ابن خلکان نے اپنی تاریخ "وفیات الأعیان" میں مشہور تابعی حضرت طاووس بن کیسان کے بارے میں ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

ایک بدکردار عورت کا بیان ہے: «مَا بَقِيَ أَحَدٌ إِلَّا فَتَنْتُهُ مَا خَلَا طَاوُوسَ»

''میں نے جس کو چاہا اپنے دام میں گرفتار کر لیا اور اس کے ایمان کا جنازہ نکالنے میں کامیاب ہوگئی۔ مگر ایک ہی آدمی ایسا نکلا جس کا ایمان متزلزل نہیں ہو سکا اور وہ میرے ناز وادا کے شکنجے میں گرفتار ہونے سے بچ گیا۔ میرے شکنجے سے بچ کر نکل جانے والی وہ شخصیت طاووس بن کیسان کی ہے جو مشہور تابعی ہیں۔''

اس بدکردار فاحشہ عورت کا بیان ہے کہ میں نے خوب بناؤ سنگار کیا اور پھر طاووس بن کیسان کے پاس گئی اور دعوت گناہ دی۔ انہوں نے میری دعوت پر بظاہر ہامی بھری اور کہا:

«إِذَا كَانَ وَقْتُ كَذَا فَتَعَالَي».

''فلاں وقت میرے پاس چلی آنا۔''

چنانچہ میں ان سے وعدہ لے کر چلی آئی۔ میں اپنے تئیں سوچ رہی تھی کہ چلو آج میں اس بزرگ کو بھی اپنے جال میں پھنسا چکی ہوں، میرے حسن

وجمال کو دیکھ کر یہ شیخ بھی تقویٰ کا دامن چھوڑ چکے۔ وعدے کے مطابق وقت مقررہ پر میں ان کے پاس پہنچ گئی۔ انہوں نے مجھے اپنے ساتھ لیا اور مسجد حرام میں لے گئے۔ وہاں پہنچ کر مجھ سے کہا:

«اضْطَجِعِي».

''چلو لیٹ جاؤ۔''

میں نے کہا: ''ھاھنا! یہ کیا کہہ رہے ہیں، بھلا ایسی جگہ یہ کام؟''

انہوں نے کہا: «الَّذِي يَرَانَا هُنَا يَرَانَا ثَمَّ».

''جو ہستی ہمیں یہاں دیکھ رہی ہے وہ ہر جگہ ہمارے کرتوتوں پر نظر رکھے ہوئے ہے۔''

چنانچہ وہ بدکردار عورت اپنے مقصد میں ناکام ہو کر لوٹ گئی۔

(وفیات الأعیان، ابن خلکان: 510/2)

شکر رنجی کا اظہار

ہر گھر میں بعض اوقات شکر رنجیاں ہو جاتی ہیں۔ میاں بیوی میں بھی کبھی کبھار غلط فہمیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ بعض اوقات بیوی خاوند سے ناراض اور بسا اوقات خاوند کو بیوی سے شکوہ۔ کائنات کے سب سے بہترین گھرانے میں بھی بعض اوقات ایسی شکر رنجیاں پیدا ہو جاتی تھیں۔ ان کا اظہار کیسے ہوا؟ آیئے ایک حدیث پڑھتے ہیں۔ اس کے مطالعہ کے بعد بہت سے امور آپ کے علم میں آئیں گے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

«إِنِّي لَأَعْلَمُ إِذَا كُنْتِ عَنِّي رَاضِيَةً وَإِذَا كُنْتِ عَلَيَّ غَضْبَى».

”جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو مجھے معلوم ہو جاتا ہے اور جب ناراض ہو تب بھی میں سمجھ جاتا ہوں۔“

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

«مِنْ أَيْنَ تَعْرِفُ ذٰلِكَ؟».

”آپ کیسے یہ سمجھ جاتے ہیں؟“

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«أَمَّا إِذَا كُنْتِ عَنِّي رَاضِيَةً فَإِنَّكِ تَقُولِينَ: لَا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ، وَإِذَا كُنْتِ

غَضْبَى قُلْتِ: لَا وَرَبِّ إِبْرَاهِيمَ».

''جب تم مجھ سے خوش رہتی ہو تو کہتی ہو: محمد (ﷺ) کے رب کی قسم، اور جب مجھ سے ناخوش ہوتی ہو تو کہتی ہو: ابراہیم کے رب کی قسم!''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

«أَجَلْ وَاللّٰهِ! يَارَسُولَ اللّٰهِ، مَا أَهْجُرُ إِلَّا اسْمَكَ».(1)

''بالکل درست فرمایا آپ نے اے اللہ کے رسول! میں قسم کھاتے وقت صرف آپ کا نام چھوڑ دیتی ہوں۔''

دیکھیے اظہار ناراضی کا کتنا لطیف انداز ہے اور بیوی کے مزاج کو اللہ کے رسول ﷺ کس قدر گہرائی میں جا کر سمجھ لیتے ہیں۔ حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ بڑے لوگوں کی شکر رنجی کے انداز بھی نرالے اور باوقار ہوتے ہیں۔

---

(1) بخاری: 5228، مسلم: 2439

قرآنی دلیل سے لاجواب کردیا

ابن ابی عوان الکاتب اپنی کتاب "الأجوبۃ" میں لکھتے ہیں:

ام بشر المریسی کسی قاضی کی خدمت میں حاضر تھی۔ عدالت میں ایک دوسری عورت سے گواہی طلب کی جارہی تھی اور گاہے بگاہے ام بشر اس عورت کو یاددہانی کرارہی تھی۔ یہ دیکھ کر عورت کا مقابل' قاضی سے مخاطب ہو کر کہنے لگا:

«ما تراها تلقنها؟».

"قاضی صاحب! دیکھتے نہیں، یہ عورت میرے مقابلے میں آئی ہوئی عورت کی مدد کر رہی ہے؟"

ام بشر کہنے لگی:

«یا جاهل! إن الله تعالى يقول: ﴿أَن تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ﴾».

"اے جاہل! اللہ تعالی تو فرماتے ہیں: گواہی میں ایک عورت اگر بھول جائے تو اس کو دوسری عورت یاددہانی کروادے" (البقرۃ: 282)۔

ام بشر نے قرآنی دلیل سے مقابل کو لاجواب کردیا۔

(وفیات الأعیان: 277/1' نساء ذکیات جلد ا: 77)

خلیفہ سے بیوی کی شکایت

وہ اپنی اہلیہ سے سخت نالاں تھا کہ اس کا رویہ بڑا نامناسب تھا۔ وہ خاصا پریشان بھی تھا کہ اس مسئلہ کا آخر حل کیا ہے؟ اس نے سوچا کہ کیوں نہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مشورہ بھی لوں اور بیوی کی شکایت بھی کروں' چنانچہ وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ امیر المؤمنین بھی اپنی بیوی سے نالاں ہیں۔ اس نے سوچا کہ شکوے کا کوئی فائدہ نہیں اور بغیر کچھ کہے اٹھ کر جانے لگا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس آدمی کو جاتے دیکھا تو آواز دی: ''سنو! تم کس کام سے آئے تھے؟ تم نے اپنا معاملہ پیش کیا ہی نہیں اور چل دیے۔''

اس نے عرض کیا: ''امیر المومنین! میں اپنی بیوی کے سوء معاملہ کی شکایت کرنے آیا تھا مگر میں نے دیکھا کہ آپ بھی اسی مشکل کا شکار ہیں جس کے لیے میں پریشان ہوں۔ لہذا شکایت کرنے میں کوئی فائدہ نظر نہیں آیا۔''

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا:

''سنو میرے عزیز بھائی! میری بیوی میرا کھانا بناتی ہے' میرے کپڑے دھوتی ہے، میری ضروریات پوری کرتی ہے، میرے بچوں کو دودھ پلاتی ہے۔ اگر کبھی کوئی نازیبا حرکت کر بیٹھے تو مجھے زیب نہیں دیتا کہ اس کی اچھائیوں کو

نظر انداز کر کے اس کی کمزوریوں کو

کو اچھالنا شروع کر دوں۔

ہاں اگر تم اتنے ہی اپنی بیوی بچوں سے پریشان اور تنگ ہو تو

پھر ہمارے اور ہماری بیویوں کے درمیان دو فیصلہ کن دن ہیں:

ایک یہ کہ اگر ہم موت کی آغوش میں چلے جائیں تو وہ ہم سے آرام پالیں گی اور

دوسرے یہ کہ اگر وہ اس دار فانی سے رخصت ہو جائیں تو ہمیں ان سے راحت مل

جائے گی۔"

عورت نے مغلوب کر دیا!

فتح مکہ کے روز بنو مخزوم کے دو آدمیوں نے اُمّ ہانی (1) بنت ابی طالب ؓ کے گھر میں پناہ لی۔ ان میں سے ایک حارث بن ہشام مخزومی تھا (2)۔ حارث ام ہانی ؓ کے سسرالی رشتہ داروں میں سے تھا۔

اسی دوران ان کے بھائی حضرت علی بن ابی طالب ؓ ان کے پاس آئے تو ام ہانی ؓ نے ان کو بتایا کہ انھوں نے ایک مشرک کو پناہ دی ہے۔ یہ مشرک بھی کوئی عام آدمی نہ تھا۔ کفر کے بہت بڑے سرغنے ابو جہل کا بھائی تھا۔ حضرت علی ؓ نے کہا: اللہ کی قسم! میں اللہ کے اس دشمن کو ضرور قتل کروں گا۔ پھر اسے قتل کرنے کے لیے تلوار سونت لی۔ یہ دیکھ کر حضرت ام ہانی ؓ نے کہا کہ بھائی! ایسا نہ کرنا' یہ میری پناہ میں ہے۔ اس کو میں نے پناہ دی ہے۔

---

(1) یہ حضرت علی ؓ کی بہن ام ہانی بنت ابی طالب ؓ ہیں۔ ان کی شادی ہبیرہ بن عمرو مخزومی سے ہوئی تھی۔

(2) یہ حارث بن ہشام ؓ ابو جہل کے بھائی ہیں، فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ جس طرح زمانہ جاہلیت میں سردار اور شریف تھے، اسلام میں بھی یہ خوبی بدرجہ اتم موجود رہی۔ ۱۸ھ میں جام شہادت نوش فرمایا۔ آپ کی شہادت کے بعد حضرت عمر بن خطاب ؓ نے آپ کی بیوی فاطمہ سے شادی کر لی۔

لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن کی بات پر کوئی دھیان نہیں دیا اور حارث کو قتل کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ ام ہانی رضی اللہ عنہا نے دوڑ کر ان کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا اور کہنے لگیں: اللہ کی قسم! آپ اسے قتل نہیں کر سکتے، کیونکہ میں نے اسے پناہ دے رکھی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو بہن کے قبضہ سے چھڑانا چاہا تو انہوں نے مزید مضبوطی سے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اتنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور یہ منظر دیکھ کر مسکرانے لگے۔

ام ہانی رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگیں: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ دیکھ رہے ہیں، میں نے ایک شخص کو پناہ دی ہے اور علی اسے قتل کرنا چاہتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «يَا أُمَّ هَانِي! قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ وَأَمَّنَّا مَنْ أَمَّنْتِ» ”اے ام ہانی! جسے تم نے پناہ دی اسے ہم نے بھی پناہ دی اور جسے تم نے جان کی امان بخشی اسے ہم نے بھی امان بخشی“۔

چنانچہ سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا۔ بعض کتب تاریخ میں یہ الفاظ بھی مذکور ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اے علی! تم پر ایک عورت غالب آ گئی۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! اس

عورت نے اتنی مضبوطی سے مجھے پکڑا

کہ میں تو اپنا پاؤں بھی زمین سے نہ اٹھا سکا۔

نبی کریم ﷺ یہ سن کر ہنس پڑے اور فرمایا: ''ابو طالب کی ساری

اولاد بہادر ہے۔'' (یہ معلومات سیرت ابن ہشام: 59/4 اور طبقات ابن سعد: 110/2

وغیرہ دیگر کتب سے لکھی گئی ہے)۔

دوراندیشی

علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ (1) ''کتاب الاذکیاء'' میں لکھتے ہیں:

دو آدمی ایک قریشی خاتون کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کے پاس سو دینار بطور امانت رکھ کر کہا: ''جب تک ہم دونوں اکٹھے ہو کر اپنا مال طلب نہ کریں، تب تک آپ یہ امانت واپس نہیں کریں گی۔ ہم دونوں کی موجودگی امانت واپس کرتے وقت ضروری ہے۔'' اس عورت نے ان کی امانت رکھ لی اور اس پر ایک سال کا وقفہ گزر گیا۔ ایک سال کے بعد ان دونوں میں سے ایک شخص اس خاتون کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میرے دوسرے ساتھی کا انتقال ہو گیا ہے' اس لیے جو سو دینار ہم نے تمہارے پاس امانت رکھے ہیں، مجھے دے دو۔'' خاتون نے امانت اس کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا اور کہنے لگی: ''تم دونوں ساتھیوں نے میرے

---

(1) یہ امام ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن الجوزی ہیں۔ آپ کی ولادت ۵۱۰ھ میں بغداد میں ہوئی اور وہیں ۵۹۷ھ میں وفات پائی۔ آپ کی پرورش و پرداخت حالت یتیمی میں چچی کے زیر تربیت ہوئی اور اپنے ماموں شیخ ابو الفضل بن عامر سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ آپ علم کے شیدائی تھے۔ علوم اسلامیہ میں اچھی طرح دسترس کے بعد وعظ و نصیحت کی مجلسیں قائم کیں اور درس حدیث میں تشنگان علوم نبویہ کا مرکز بن گئے' چنانچہ آپ کی شہرت کا ڈنکا چہار سو بجنے لگا اور آپ ''حافظ'' کے لقب سے ملقب ہوئے۔

پاس امانت رکھتے ہوئے یہ شرط رکھی تھی کہ میں تم میں سے ایک کی غیر موجودگی میں مال دوسرے کے حوالے نہ کروں' اس لیے میں امانت تیرے سپرد نہیں کر سکتی۔'' اس آدمی نے خاتون کے اہل خانہ اور اس کے پڑوسیوں سے مدد طلب کی۔ ان لوگوں نے اس خاتون سے سفارش کی کہ اس کو امانت دے دو کیونکہ اس کے ساتھی کا انتقال ہو گیا ہے۔ لوگوں کے بے حد اصرار اور سفارش پر اس عورت نے امانت اس شخص کو دے دی۔

ادھر اس بات کو ایک سال اور گزر گیا تو دوسرا شخص جس کو اس کے دوست نے مرا ہوا ظاہر کیا تھا' اس عورت کے پاس آیا اور آ کر امانت طلب کی۔ خاتون نے بتایا: ''تمہارا دوسرا ساتھی آیا تھا اور اس نے بتایا کہ تمہاری وفات ہو چکی ہے' اس لیے میں نے امانت اس کے حوالے کر دی۔''

وہ شخص اس عورت سے جھگڑنے لگا اور کہا کہ میں تو زندہ سلامت ہوں۔ میری امانت واپس کرو۔ عورت نے کہا کہ میں تو رقم تمہارے ساتھی کو دے چکی۔

اب اس نے عورت کے خلاف مقدمہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پیش کر دیا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دونوں کا مقدمہ سنا اور چاہا کہ اس کا فیصلہ اس آدمی کے حق میں کر دیں۔

اچانک انھوں نے کچھ سوچا

اور پھر فرمایا کہ اس مقدمہ کو ہم علی ابن ابی طالب کے سپرد کرتے ہیں‘ اور ایک روایت کے مطابق خود ہی دونوں کو لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دونوں کے بیانات سنے اور معاملہ کو بھانپ گئے کہ اس عورت کے ساتھ دھوکہ ہوا ہے‘ چنانچہ فرمایا:

’’کیا تم نے اس خاتون سے یہ شرط نہیں رکھی تھی کہ مال ایک کی غیر موجودگی میں دوسرے کے حوالے مت کرنا؟‘‘

اس آدمی نے جواب دیا: ’’ہاں یہ شرط تو رکھی گئی تھی۔‘‘

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ’’تمہارا مال ہمارے پاس موجود ہے، اپنے ساتھی کو بلا لاؤ‘ تاکہ میں تم دونوں کا مال تمہارے سپرد کردوں۔‘‘

(کتاب الاذکیاء ابن جوزی)

دربارِ رسالت میں ایک خاتون کا شکوہ

خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا[1] اوس بن صامت رضی اللہ عنہ[2] کی بیوی تھیں۔ درازیٔ عمر کے سبب اوس بن صامت رضی اللہ عنہ کے مزاج میں چڑچڑاہٹ آ گئی تھی۔ ایک دن اپنی بیوی کے پاس آئے تو وہ کسی بات پر ان سے تکرار کرنے لگیں۔ انھوں نے غضب ناک ہو کر یہ الفاظ کہہ دیے: أَنْتِ عَلَيَّ كَظَهْرِ أُمِّي.

''تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔''

عرب میں اسلام سے قبل طلاق کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ بیوی سے کہہ دیا جاتا کہ تو میرے لیے ماں کی طرح ہے۔ یہ کہہ کر اوس رضی اللہ عنہ گھر سے باہر اپنی قوم کی مجلس میں تھوڑی دیر کے لیے چلے گئے، پھر گھر واپس آئے تو بیوی سے اپنی خواہش کی تکمیل چاہی۔ بیوی نے جواب دیا: ''ہرگز نہیں، قسم ہے اس ذات کی

حاشیہ: (۱) خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا حضرت اوس بن صامت رضی اللہ عنہ کی بیوی، اور ان کی چچا زاد بہن ہیں۔ یہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں اپنے شوہر کی شکایت لے کر پہنچیں، کیونکہ ان کے شوہر نے ان سے ظہار کیا تھا۔ ان کی شان میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کی آیات نازل فرمائیں جن کی تلاوت ابداً آباد تک ہوتی رہے گی۔

(۲) اوس بن صامت بن قیس بن فہر بن خزرج انصاری رضی اللہ عنہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے بھائی اور بدری صحابی ہیں۔ آپ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اسلام میں ظہار کیا۔ آپ کے چچا کی صاحبزادی حضرت خولہ بنت ثعلبہ آپ کی زوجیت میں تھی۔ اوس کی وفات عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پچاسی (۸۵) سال کی عمر میں ہوئی۔

جس کے ہاتھ میں خولہ کی جان ہے! تم اس وقت تک میرے پاس نہیں آ سکتے جب تک ان الفاظ کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہمارے اور تمہارے مابین فیصلہ نہ فرما دیں۔"

اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے زبردستی کرنی چاہی لیکن بیوی نے ان کو اس مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دیا۔ (دیکھیے: الاصابہ: 114/8)

پھر خولہ رضی اللہ عنہا اپنی پڑوسن کے ہاں گئیں، اس سے چادر مستعار لی۔ اپنے جسم کو لپیٹا اور رسول اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر آپ کے سامنے بیٹھ گئیں۔ پھر شوہر کی حرکات کے علاوہ ان کے چڑچڑے پن کا بھی تذکرہ کیا۔

رسولِ اکرم ﷺ فرمانے لگے: "اے خولہ! تمہارے چچا زاد بھائی (اوس) بوڑھے ہیں، تو ان کے بارے میں اللہ کا خوف کر۔"

خولہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: "اللہ کی قسم یا رسول اللہ! میں اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤں گی جب تک اللہ کا فیصلہ نہ آ جائے۔" اسی دوران رسول اللہ ﷺ پر نزول وحی کی کیفیت طاری ہو گئی اور حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر تشریف لائے۔

جب وحی نازل ہو چکی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اے خولہ! اللہ تعالیٰ نے تیرے اور تیرے شوہر کے بارے میں قرآنی فیصلہ نازل فرما دیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کے سامنے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ﴾ . [سورۃ المجادلۃ:۱]

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی بات سنی جو تجھ سے اپنے شوہر کے بارے میں تکرار کر رہی تھی اور اپنی شکایت اللہ سے کر رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ تم دونوں کے سوال و جواب سن رہا تھا' بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا' دیکھنے والا ہے۔''

پھر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اوس بن صامت کو ایک غلام آزاد کرنے کے لیے کہو۔''

خولہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! ان کے پاس غلام آزاد کرنے کی طاقت کہاں؟ وہ تو خود ہی محتاج ہیں۔''

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تو پھر وہ دو ماہ لگاتار روزے رکھے۔''

خولہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''اللہ کی قسم! وہ بوڑھے آدمی ہیں۔ یہ روزے رکھنا ان کے بس کی بات نہیں۔''

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تو پھر وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے جس کی مقدار ایک وسق کھجور ہے۔'' واضح رہے کہ ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع قریباً ڈھائی کلوگرام کا ہوتا ہے۔

خولہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول ان کے پاس اس کی بھی طاقت نہیں ہے۔''

رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''پھر ہم اپنی طرف سے اس کو ایک ٹوکرا کھجوروں کا دیتے ہیں تا کہ اس کی مدد ہو جائے۔'' خولہ کہنے لگیں: اللہ کے رسول! ایک ٹوکرا میں بھی اپنے خاوند کو دیتی ہوں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے خولہ کے اس امر کی تحسین فرمائی۔ ارشاد ہوا:

«قَدْ أَصَبْتِ وَأَحْسَنْتِ، فَاذْهَبِي فَتَصَدَّقِي بِهِ عَنْهُ، ثُمَّ اسْتَوْصِي بِابْنِ عَمِّكِ».

''تم نے درست قدم اٹھایا اور اچھا کیا۔ جاؤ' اسے اپنے شوہر کی طرف سے صدقہ کر دو اور اپنے چچا کے بیٹے کے ساتھ اچھی طرح رہو۔''

اس کے بعد حضرت خولہ بنت ثعلبہ ؓ واپس ہوئیں اور رسولِ اکرم ﷺ کے حکم کو عملی جامہ پہنایا۔ (امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا ہے)

رسالت مآب سے امان کا پروانہ

وہ اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا۔ اس کا باپ اس سے بھی بڑا اسلام کا دشمن تھا۔ اس کے باپ کو اللہ کے رسول ﷺ نے اس امت کے فرعون کا لقب دیا تھا۔ اس دشمن اسلام کا نام عکرمہ بن ابی جہل تھا۔ مکہ فتح ہوا۔ اسلام کو غلبہ نصیب ہوا۔ مکہ میں اسلام کے بڑے بڑے باغی اور سرکش لوگ موجود تھے۔ حکم نبوی جاری ہوتا ہے: نو افراد ایسے ہیں کہ ان کو ہر حال میں قتل کر دیا جائے خواہ غلاف کعبہ کی اوٹ میں ہی کیوں نہ چھپے ہوں۔ ان کے جرم بڑے بھیانک تھے۔ ان نو بڑے مجرموں میں عکرمہ بن ابی جہل سرفہرست تھا۔ عکرمہ کو فیصلے کا علم ہوا تو ڈر کے مارے یمن کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ ادھر اس کی بیوی ام حکیم بنت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہا اسلام قبول کر چکی تھی۔

عورت کی خاوند سے وفا کا اندازہ اس امر سے فرمائیں کہ وہ یہ جاننے کے باوجود کہ عکرمہ کے قتل کے احکامات جاری ہو چکے ہیں، رسالت مآب ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوتی ہے۔ عرض کرتی ہے: اللہ کے رسول! میں آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوئی ہوں کہ آپ عکرمہ کی امان کا پروانہ جاری فرما دیں اور اجازت دیں کہ میں ان کو واپس لے آؤں۔ رحیم و شفیق نبی ﷺ نے امان کا پروانہ جاری کر دیا اور ام حکیم رضی اللہ عنہا سے کہا کہ جاؤ اپنے خاوند کو تلاش کر کے لے آؤ۔

ام حکیم رضی اللہ عنہا اپنے خاوند کی تلاش میں نکلیں۔ ادھر عکرمہ نے مکہ سے طائف کا رخ کیا، یہاں بھی قرار نہ ملا تو تہامہ کے پہاڑوں کی طرف چل دیا۔ ابہا کے

علاقے سے آگے نکلا تو سامنے سمندر تھا۔ کشتی میں سوار ہوا۔ مسافروں سے بھری کشتی سمندر میں چل رہی تھی۔ اس کا رخ حبشہ کی طرف تھا۔ اچانک سمندر میں طوفان آیا۔ کشتی ڈولنے لگی۔ عکرمہ نے لات وعزیٰ کو پکارا۔ ملاحوں نے کہا: «أَخْلِصُوا، فَإِنَّ آلِهَتَكُمْ لَا تُغْنِي عَنْكُمْ شَيْئًا هَاهُنَا».

''ایسی مشکل گھڑی میں جب سمندر میں طوفان آجائے تو لات وعزیٰ نہیں بلکہ ان کا رب یعنی وحدہ لاشریک مدد کرتا ہے۔ اگر پکارنا ہے اور مدد طلب کرنی ہے تو صرف اکیلے رب سے مدد مانگو۔''

عکرمہ نے ملاحوں کی بات سنی تو سناٹے میں آگیا۔ اچانک اس کے دل و دماغ میں آیا کہ مشکل اوقات میں سمندر کی موجوں سے نجات اگر اکیلا رب دیتا ہے، تو جو ذات سمندر کی موجوں سے نجات دیتی ہے وہی ذات خشکی میں ہماری نجات دہندہ ہے۔ عکرمہ نے کہا: «اللَّهُمَّ لَكَ عَلَيَّ عَهْدٌ إِنْ عَافَيْتَنِي مِمَّا أَنَا فِيهِ: أَنْ آتِيَ مُحَمَّدًا حَتَّى أَضَعَ يَدِي فِي يَدِهِ فَلَأَجِدَنَّهُ عَفُوًّا كَرِيمًا».

''اے اللہ! میں دل کی گہرائیوں سے تیری بارگاہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تو مجھے اس مصیبت سے نجات عطا فرما دے تو میں محمد (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے دست حق پرست پر اسلام کی بیعت کر لوں گا اور وہ یقیناً میرے ساتھ عفو و کرم کا معاملہ فرمائیں گے۔''

اتنی سی بات نے اس کی نگاہوں سے غفلت کا پردہ اتار دیا تھا۔ اب اس کی کشتی ساحل کی طرف واپس ہو رہی تھی۔ اور جب وہ ساحل پر اترا تو اس کو خوشگوار

حیرت ہوئی کہ اس کی بیوی اس کا انتظار کر رہی ہے۔ جیسے ہی اس کی بیوی نے اس کو دیکھا تو اس سے مخاطب ہوئی: عکرمہ! تم کس شخص سے بھاگ کر جا رہے ہو؟ سنو! تم ایسے آدمی کے پاس سے بھاگ کر آرہے ہو کہ اس جیسا ملنسار اس روئے زمین پر کوئی نہیں۔ وہ تو بھلائی کا 'خیر خواہی کا پتلا ہے۔ میں نے ان سے تمہارے لیے امان طلب کی تو فوراً مل گئی۔

کشتی والے واقعہ نے عکرمہ کا دل پہلے ہی عقیدۂ توحید کی طرف موڑ دیا تھا۔ امان کی اطلاع ملی تو فوراً مکہ کا رخ کیا۔ بیوی ہمراہ تھی۔ دل تو اسلام قبول کر ہی چکا تھا۔ بتوں کی محبت پاش پاش ہو چکی تھی اور عقیدۂ توحید دل میں پیوست ہو چکا تھا۔ بس زبان سے اس کا اظہار باقی تھا۔

عکرمہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش ہو کر کہنے لگے: ''میری بیوی ام حکیم نے بتایا ہے کہ آپ نے میرے لیے امان کا پروانہ جاری کر دیا ہے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں تیرے لیے امان ہے۔''

عکرمہ کہتے ہیں: میں خدمت نبوی میں حاضر ہوا تو مارے شرم کے میری گردن جھکی ہوئی تھی۔ میں نے عرض کیا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ حقیقی نہیں، اس کا کوئی شریک وہ ہمسر نہیں اور آپ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ آپ اس روئے زمین پر سارے لوگوں سے زیادہ صالح و صادق اور سب سے زیادہ وفادار ہیں۔ یا رسول اللہ (ﷺ)! میں نے آپ سے کسی بھی قسم کی دشمنی کی ہو یا کوئی بھی مجلس برپا کی ہو جس میں میرا مقصد شرک

کا اظہار ہو تو آپ اس سے میری بخشش کے لیے دعا فرما دیں۔ رسول اکرم ﷺ نے یوں دعا فرمائی: «اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعِكْرِمَةَ كُلَّ عَدَاوَةٍ عَادَانِيهَا، أَوْ مَوْكِبٍ أَوْضَعَ فِيهِ، يُرِيدُ أَنْ يَصُدَّ عَنْ سَبِيلِكَ» ”الٰہی! عکرمہ نے میرے ساتھ جیسی بھی دشمنی کی ہو اور تیری راہ میں جو بھی روڑے اٹکائے ہوں، تو ان سب سے اس کی مغفرت فرما دے۔“

عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول! آپ جو بھی بھلائی کا حکم دیں گے، میں مکمل اطاعت اور فرمانبرداری کروں گا۔“

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: «اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ» کہو اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔“

عکرمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول (ﷺ)! میں اسلام لانے سے پہلے اسلام کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے جتنا خرچ کرتا تھا، اللہ کی قسم! اب اس سے کئی گنا زیادہ اللہ کی راہ میں خرچ کیا کروں گا۔ اور جس قدر میں نے اللہ کی راہ میں رخنہ ڈالنے کی غرض سے لڑائیاں کی ہیں اس سے کہیں زیادہ اب میں اللہ کی راہ میں جہاد کروں گا۔“ (مستدرک حاکم: 241/3)

عکرمہ رضی اللہ عنہ کا جذبہ صادق تھا۔ ایک نیک خاتون کی بدولت وہ جنت کا راہی بن گیا۔ بلاشبہ اس کی بیوی ام حکیم رضی اللہ عنہا نے اس کے اسلام لانے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

وہ اپنے قول کے سچے تھے۔ بقایا زندگی انہوں نے جہاد میں گزاری۔ حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں انہوں نے مرتدین اسلام کے خلاف مسلسل جہاد کیا اور اس فتنہ کو ختم کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ان کی شہادت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں 13 ہجری میں شام کے علاقے میں اجنادین کی جنگ میں ہوئی۔ رضی اللہ عنہ۔

(اس مضمون کی تیاری میں مواد سیر اعلام النبلاء اور اسد الغابہ وغیرہ سے لیا گیا ہے)

داستان ایک بہادر خاتون کی

وہ اللہ کے رسول ﷺ کی سگی پھوپھی تھیں۔ غزوۂ احد کے لیے مسلمان نکلے تو چند دیگر خواتین کے ساتھ یہ بہادر خاتون بھی میدان جنگ میں پہنچ گئیں۔ اس جنگ میں ان کے بھتیجے یعنی (رسول اللہ ﷺ) نیز بھائی حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اور بیٹا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ شریک تھے۔ ایک عورت کے لیے یہ تینوں رشتے بڑے ہی اہم ہوتے ہیں۔ ان کا نام صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا تھا۔ ان کی والدہ ہالہ بنت وہب رسول اللہ ﷺ کی خالہ تھیں۔

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا قدیم الاسلام تھیں، ہجرت کے شرف سے مشرف ہوئیں۔ ان سے دو صاحبزادے ہوئے جن میں سے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں اور حواری رسول کا لقب پایا۔

غزوۂ احد میں جب مسلمان تتر بتر ہوئے تو معدودے چند افراد ہی آپ ﷺ کے اردگرد رہ گئے۔ تب یہ بہادر خاتون انتہائی دلیری اور قوت وعزیمت کے ساتھ آگے بڑھیں اور ایک شخص سے نیزہ چھین کر صفوں کو چیرتے ہوئے بے دھڑک رسول اللہ ﷺ کی طرف بڑھیں اور شیر کی طرح دہاڑتے ہوئے مسلمانوں کو مخاطب کیا:

«وَيْحَكُمْ انْصَرَفْتُمْ عَنْ رَسُولِ اللهِ».

”اللہ تمہارا بھلا کرے! تم رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر کہاں دوڑے جا

رہے ہو؟''

جب رسول اکرم ﷺ نے دیکھا کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ادھر آنے کا ارادہ ہے۔ تو آپ ﷺ کو خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں وہ اپنے بھائی کی نعش کو دیکھ کر حوصلہ نہ ہار بیٹھیں کیونکہ مشرکین نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کا مثلہ کر کے اس کی بڑی بری طرح سے بے حرمتی کی تھی۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے صفیہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''اے زبیر! اپنی والدہ محترمہ کو روکو! ان کو سمجھاؤ اور واپس کر دو۔'' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فوراً اپنی والدہ محترمہ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: ''امی جان رک جائیں' امی جان رک جائیں۔''

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بیٹے کے کلام کی کچھ پروا کیے بغیر بآواز بلند کہا: «تَنَحَّ لَا أُمَّ لَكَ». ''میرا راستہ چھوڑ دے' تیری ماں نہ رہے۔''

حضرت زبیر نے عرض کیا: ''امی جان! رسول اللہ ﷺ نے آپ کو واپس ہو جانے کا حکم دیا ہے۔''

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: ''مجھے خبر ملی ہے کہ میرے بھائی حمزہ کا مشرکین نے مثلہ کر دیا ہے۔ کوئی بات نہیں، یہ سب اللہ کی راہ میں ہوا ہے۔ میں صبر کروں گی۔''

جب رسول اللہ ﷺ کو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں لاحق خدشہ دور ہو گیا اور آپ کو اطمینان ہو گیا کہ یہ بہادر خاتون اس حادثے پر خشیت الٰہی کو مقدم رکھیں گی تو زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اے زبیر! صفیہ کا راستہ چھوڑ دو۔''

چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کی راہ چھوڑ دی۔

حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا نے اس جنگ میں زخمیوں کو پانی پلایا اور ان کی مرہم پٹی کرنے میں دیگر خواتین کی مدد کی۔ جنگ خندق میں ان کی بہادری کا قصہ بے مثال ہے جب انہوں نے خیمے کی چوب سے ایک یہودی کو قتل کر دیا۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں وفات پائی۔

جب سردارِ تابعین کی بیٹی بیاہی گئی

امیر المومنین عبدالملک بن مروان [1] نے مشہور تابعی بزرگ اور مسجد نبوی کے امام سعید بن مسیب [2] کے پاس اپنا ایلچی بھیجا۔ اس نے آکر عرض کی کہ خلیفۃ المسلمین کی خواہش ہے کہ آپ اپنی بیٹی کی شادی ولی عہد ولید بن عبدالملک رحمہ اللہ سے کردیں' میں ان کی جانب سے پیغام نکاح لے کر حاضر ہوا ہوں۔ امام سعید بن مسیب کی صاحبزادی بہت خوبصورت اور سیرت و کردار میں یکتا تھی۔ عالمہ اور فاضلہ تھی۔ کتاب اللہ اور حدیث رسول ﷺ کے علوم

---

(1) یہ ولید بن عبدالملک بن مروان بن حکم اموی ہیں، اپنے والد کے بعد ۸۶ھ میں خلیفہ بنے۔ یہ اپنے والد کے بڑے صاحبزادے اور ان کے ولی عہد تھے۔ پیدائش ۵۰ھ میں ہوئی۔ انہوں نے مسجد نبوی کی تعمیر اور اس قدر توسیع کرائی کہ حجرۂ نبوی مسجد کے احاطے میں آ گیا۔ ولید کی وفات نصف جمادی الآخر بروز ہفتہ ۹۶ھ میں ہوئی اور جنازہ ان کے بیٹے عبدالعزیز نے پڑھایا۔

(2) امام سعید بن مسیب بن حزن بالاتفاق تابعین کے سردار ہیں۔ آپ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی سے شادی کی اور ان سے علم حدیث حاصل کیا۔ آپ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات کا سب سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ گھر میں جو کچھ تھا اور جو کچھ کھاتے تھے، اس معاملہ میں سب لوگوں سے بڑھ کر (حلال و حرام میں) احتیاط برتنے والے اور دنیاوی لغویات سے سب لوگوں سے زیادہ بچنے والے تھے۔ آپ کی ولادت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی وفات کے دو سال بعد ہوئی۔ آپ کی وفات ۹۴ھ میں ہوئی۔

سے شغف رکھتی تھی۔

جب امیر المومنین عبدالملک کا ایلچی نکاح کا پیغام لے کر آیا تو امام سعید بن مسیب نے بلا تأمل انکار کر دیا۔

امیر المومنین کے نمائندے نے عرض کیا: ''آخر کیوں حضرت؟''

سعید بن مسیب نے فرمایا: ''کیونکہ امیر المومنین کے صاحبزادے ولی عہد کی سیرت و اخلاق انگشت نمائی کے قابل ہے۔''

نمائندے نے عرض کی: ''کیا آپ عزت و شان، جاہ و منصب اور مال و دولت کا انکار کرتے ہیں اور امیر المومنین کا مقام و مرتبہ آپ کی نگاہ میں کچھ حیثیت نہیں رکھتا؟''

سعید بن مسیب نے جواب دیا: ''جب ساری دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہے تو پھر امیر المومنین بھی اسی بے وقعت دنیا کا ایک حصہ ہیں۔''

نمائندے نے کہا: ''آپ کے بارے میں مجھے امیر المومنین کی ناراضی کا ڈر ہے۔''

سعید بن مسیب نے جواب دیا:

سنہری کرنیں

﴿إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا﴾

(الحج: 38)

''سچے مومنوں کا (ان کے دشمنوں سے) دفاع اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے۔''

یہ جواب سن کر امیر المومنین کا نمائندہ افسوس اور ندامت سے منہ لٹکائے ہوئے واپس ہو گیا۔

امام سعید بن میسب مسجد نبوی میں اپنے شاگردوں کو روزانہ عصر کی نماز کے بعد درس دیتے تھے۔ شاگردوں میں عبداللہ بن ابی وداعہ نامی ایک زاہد اور تقویٰ شعار نوجوان بھی شامل تھا۔ اتفاق سے وہ گزشتہ چند روز سے سبق میں حاضر نہ ہوا تھا۔ اس روز درس شروع ہوا تو امام سعید بن میسب کی نظر اپنے شاگرد پر جا پڑی۔ پوچھا: ''تم گزشتہ کئی روز سے درس میں نظر نہیں آئے۔ کہاں غائب تھے؟''

عبداللہ نے عرض کی: ''حضرت میری اہلیہ کا انتقال ہو گیا اور میں گھر میں مصروف رہا۔''

سعید بن میسب رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ہمیں اطلاع کیوں نہ دی تاکہ ہم بھی تعزیت کے لیے آ جاتے؟''

عبداللہ نے جواب دیا: ''استادِ محترم! میں نے آپ کو اطلاع دینے سے اس

لیے گریز کیا تاکہ طلاب علوم نبوت کی
یہ جماعت آپ کی تعلیم سے مستفید ہوتی رہے۔
آپ کا وقت نہایت قیمتی ہے۔ آپ کے دروس میرے غم میں
شریک ہونے سے کہیں زیادہ اہم ہیں۔''

سعید بن مسیب نے پوچھا: ''بیوی کی وفات کے بعد کسی عورت کو پیغام نکاح بھی دیا ہے؟''

عبداللہ نے عرض کی: ''اللہ آپ پر رحم کرے، بھلا کون اب مجھ سے شادی کرے گا کیونکہ میرے پاس چند درہم سے زیادہ رقم نہیں؟''

سعید بن مسیب: ''اگر میں اپنی صاحبزادی تمہاری زوجیت میں دے دوں تو تمہیں قبول ہے؟''

عبداللہ نے مارے حیرت اور تعجب سے نگاہیں جھکا دیں۔ یہ میں کیا سن رہا ہوں؟ امام سعید بن مسیب کی دامادی کا شرف؟ اسے اعتبار نہ آیا۔ استاد نے دوبارہ پوچھا تو شاگرد رشید نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

عبداللہ بن ابی وداعہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی قسم! مجھے اپنے استاد محترم کی باتوں پر یقین نہ آیا۔ مگر اچانک انہوں نے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ وہ مسجد نبوی تھی۔ انہوں نے میرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا

سنہری کرنیں

دل میں اس شادی کے متعلق کوئی
بات آ گئی ہے اور اس رشتۂ ازدواج کو نبھانے کا
خیال نہیں ہے' یا خود ان کی لڑکی نے ہی میرے ساتھ شادی
کے رشتہ میں منسلک ہونے سے انکار کر دیا ہے۔ لیکن جب دروازہ
کھولا تو استاد محترم دروازے پر تشریف فرما ہیں اور مجسمۂ حسن و جمال، پیکر
شرم و حیا' عروسی جوڑے میں ملبوس ان کی صاحبزادی پیچھے کھڑی ہے۔

عبداللہ بن ابی وداعہ: ''ایسی بھی کیا جلدی تھی استاد محترم' جو اتنی تکلیف اٹھانے کی
زحمت فرمائی؟''

سعید بن مسیب: اے عبداللہ! اللہ تعالیٰ کو یہ ناپسند ہے کہ کوئی شخص بغیر بیوی کے ایک
رات بھی گزارے کہیں شیطان اس کو اپنے شکنجے میں نہ لے۔ یہ اپنی بیوی لے جاؤ، اللہ
تعالیٰ تیرے لیے اس میں برکت عطا فرمائے اور اس کے لیے تجھ میں برکت دے، اور
تم دونوں کو خیر و بھلائی سے نوازے۔ یہ کہہ کر سعید بن مسیب دروازے ہی سے
واپس چلے گئے اور دلہن اپنے شوہر کے گھر داخل ہو گئی۔

عبداللہ بن ابی وداعہ کا بیان ہے کہ میں نے اپنی والدہ کو جب بتایا تو پہلے
تو انہیں اعتبار نہ آیا۔ پھر جب حقیقت جانی تو بے حد خوشی کا
اظہار کیا۔ پھر میں نے چھت پر چڑھ کر پڑوسیوں
کو آواز دی۔

پڑوسی آئے اور پوچھا: ''کیا بات ہے عبداللہ؟''

میں نے بتایا: عالم جلیل سعید بن مسیب نے اپنی صاحبزادی سے میری شادی کر دی ہے اور دلہن کو خود پہنچا بھی گئے ہیں، وہ میرے گھر میں موجود ہے۔

پھر مرد اور عورتیں سب میرے گھر تشریف لائے۔ عورتوں نے دلہن کو سنوارا سجایا، تیار کیا اور مردوں نے مجھے تیار کیا۔ یہ سارا کام خوشنما اسلامی ماحول میں انجام پایا، جس میں لہو ولعب کا کوئی شائبہ تک نہ تھا۔ پھر یہ سارے لوگ میرے شکریے کے ساتھ اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

جب میں حجلۂ عروسی میں داخل ہوا تو میرے سامنے ایک حسن و جمال کی پیکر، کتاب اللہ کی حافظہ، سنتِ رسول کی عالمہ اور حق زوجیت کی عارفہ جلوہ افروز تھی۔

شادی کے ابتدائی ایام نہایت خوبصورت تھے۔ وہ واقعی بہترین بیوی تھی۔ ایک ہفتہ کے بعد سعید بن مسیب سے ملاقات ہوئی' پوچھنے لگے: ہمارے مہمان کو کیسا پایا؟ میں نے کہا: اتنا ہی اچھا جتنا آدمی تصور کر سکتا ہے۔ اور پھر ایک دن میں نے اپنی بیوی سے کہا: ''کئی دن گزر چکے ہیں' علم کے حلقے میں نہیں جا سکا۔ میں آج سے دوبارہ علم حاصل کرنے کے لیے

جاؤں گا۔"

اس نے پوچھا: "کدھر کا ارادہ ہے؟"

میں نے بتایا: "سعید بن مسیب کے درس میں جانا ہے۔"

اس نے عرض کیا: "میرے ہی پاس رہیں، سعید بن مسیب کا علم میرے ہاں سے ہی آپ کو ملتا رہے گا۔" چنانچہ عبداللہ بن ابی وداعہ بیوی سے درس لینے لگے۔

کچھ دنوں کے بعد سعید بن مسیب جب ملاقات کے لیے تشریف لائے تو پوچھا: "اے عبداللہ! درس میں آنے کا سلسلہ منقطع کیوں کر دیا؟"

عبداللہ بن ابی وداعہ نے جواباً عرض کیا: "کیونکہ میں نے سعید بن مسیب کا علم سعید ابن مسیب کی صاحبزادی کے پاس پالیا ہے۔"

اللہ ہی روزی دینے والا ہے

حاتم الاصم[1] اپنے وقت کے بہت نیک آدمی تھے۔ حج کا ارادہ کیا تو اپنے بچوں کو اطلاع دی کہ میں حج کے لیے روانہ ہو رہا ہوں۔ مالی حالات پہلے ہی گزارہ لائق تھے' اب گھر کا واحد کمانے والا حج کے لیے جا رہا تھا تو سوال یہ تھا کہ ان کا کون والی وارث ہوگا اور گھریلو اخراجات کیسے پورے ہوں گے؟ بچوں نے عرض کی کہ ابا جان آپ حج پر جا رہے ہیں مگر ہمیں کس کے سپرد کر کے جا رہے ہیں۔ اس سے پہلے کہ حاتم ان کو کوئی جواب دیتے' ان کی ایک ننھی بیٹی پکار اٹھی: ''بھائیو! تمہارے رزق کا ذمہ دار تمہارا والد نہیں بلکہ تمہارا رب ہے اور وہ تمہیں کبھی ضائع نہیں کرے گا کیونکہ ہمارے والد محترم ہمیں اللہ کے سپرد کر کے جا رہے ہیں۔''

حاتم الاصم حج کے لیے روانہ ہو گئے۔ کچھ دنوں کے بعد گھر میں خوراک ختم ہوگئی

---

(1) حاتم الاصم زہد و ورع میں نہایت ہی معروف ہیں' وعظ و نصیحت اور حکمت و دانائی کی باتیں کیا کرتے تھے۔ تاریخ نے انہیں ''لقمان ھذہ الأمۃ'' (امت محمدیہ کے لقمان) کے لقب سے ملقب کیا ہے۔ ان کی سوانح تاریخ کی متعدد کتابوں میں موجود ہے۔ مثلاً سیر أعلام النبلاء: 484/11' حلیۃ الأولیاء: 83'84/8' وفیات الأعیان: 2/ 26'28۔

اور بچوں نے رات فاقے کی حالت میں گزاری۔

اگلے دن اتفاق ایسا ہوا کہ حاکم وقت کسی لڑائی سے واپس آ رہا تھا۔ حاتم کے گھر کے قریب سے گزرا تو اس کو پیاس محسوس ہوئی۔ اس نے ساتھیوں سے پانی مانگا۔ حاتم کا گھر قریب تھا۔ انہوں نے اس کا دروازہ کھٹکھٹایا اور پانی طلب کیا۔ بچوں نے فوراً پانی مہیا کر دیا۔ حاکم نے پانی پینے کے بعد پوچھا کہ یہ گھر کس کا ہے۔ بتایا گیا کہ حاتم الاصم کا ہے۔ اس نے دراہم سے بھری ہوئی ایک تھیلی نکالی اور اسے حاتم کے گھر میں پھینک دیا۔ حاکم نے اپنے ساتھیوں سے کہا: «مَنْ أَحَبَّنِي وَافَقَنِي» ''جو بھی مجھ سے محبت کرتا ہے اسے چاہیے کہ وہ میری اقتدا میں درہم و دینار اس گھر میں پھینکے۔'' اب جتنے بھی ہمراہی تھے انہوں نے اپنی اپنی توفیق کے مطابق اس گھر میں درہم و دینار پھینکنے شروع کر دیے۔ چند منٹوں میں دولت کی بارش شروع ہو گئی۔

اہل خانہ نے جب اس دولت کو دیکھا تو نہایت خوش ہوئے کہ کہاں فقر و فاقہ اور کہاں درہم و دینار کی بارش۔

ادھر حاتم کی بیٹی نے یہ منظر دیکھ کر رونا شروع کر دیا۔ گھر والوں نے اسے ڈانٹا کہ ہمارے گھر میں رحمت کے خزانے کھلے ہیں اور تم رو رہی ہو۔

لڑکی نے جواب دیا: «مَخْلُوقٌ نَظَرَ إِلَيْنَا فَاغْتَنَيْنَا فَكَيْفَ لَوْ نَظَرَ الْخَالِقُ إِلَيْنَا؟» "اللہ کی مخلوق میں سے ایک فرد کی ہم پر نظر کرم ہوئی ہے اور ہم چند منٹوں میں مالا مال ہو گئے ہیں۔ اگر اس مخلوق کے خالق کی ہم پر نظر کرم ہو جائے تو پھر ہماری تونگری کی کیا حالت ہو گی؟"

واضح رہے کہ حج پر جاتے وقت بچوں کو خرچ دے کر جانا ضروری ہے مگر یہ پرانے بزرگ اللہ سے اپنے مضبوط تعلق اور اس کی ذات پر اپنے بھرپور اعتماد کے باعث کبھی اہل وعیال کو اللہ کے سپرد کر کے چلے جاتے تھے۔

امانت داری کی انوکھی مثال

ان کا نام مبارک تھا' وہ ایک باغ میں عرصہ سے بطور پہرے دار کام کر رہے تھے۔ ایک دن اس باغ کا مالک اپنے چند مہمانوں کے ساتھ باغ میں آیا اور حکم دیا: مبارک! مہمان آئے ہیں' کچھ میٹھے انار توڑ کر لاؤ اور ان کو مہمانوں کی خدمت میں پیش کرو۔ وہ چند منٹوں میں انار توڑ کر لائے۔ مالک نے ایک انار توڑا' اس کو چکھا تو سخت کھٹا تھا۔ دوسرے کو توڑا وہ بھی کھٹا تھا۔ مبارک کو آواز دی۔ ہم نے تمہیں میٹھے انار لانے کو کہا تھا' تم کھٹے انار لے آئے۔ وہ دوبارہ گئے اور انار لے آئے۔ مالک نے ان کو توڑا تو وہ بھی کھٹے نکلے۔ مالک سخت ناراض ہوا۔ تم اتنے سالوں سے اس باغ میں کام کر رہے ہو۔ تمہیں آج تک کھٹے اور میٹھے انار میں تمیز نہیں ہے۔

مبارک نے عرض کی: ''آقا! بلاشبہ میں کھٹے اور میٹھے اناروں میں تمیز نہیں کر سکتا۔ میں نے آج تک اس باغ کا کوئی انار کھایا ہی نہیں ہے تو پھر کھٹے اور میٹھے میں تمیز کیسی؟''

مالک نے جب ان کا جواب سنا تو سناٹے میں آ گیا۔ کہنے لگا:

''مبارک! تم نے کیوں نہیں کھائے؟''

مبارک بولے: ''آپ نے باغ کی رکھوالی میرے سپرد کی تھی' اس کا پھل کھانے کی

اجازت نہیں دی تھی۔"

باغ کے مالک نے جب ان کا جواب سنا تو نہایت متعجب ہوا۔ مبارک کے تقویٰ اور امانت داری پر مہمان بھی ششدر رہ گئے۔

باغ کے مالک کی بیٹی جوان تھی اور وہ اس کے لیے موزوں رشتے کا متلاشی تھا۔ اچانک اس کے ذہن میں آیا کہ میری بیٹی کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی شخص موزوں نہیں ہوسکتا۔

اس نے مبارک سے کہا کہ اگر میں تمہیں اپنا داماد بنا لوں تو تمہارا کیا خیال ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہود شادی کے لیے لڑکی کی مالداری کو' عیسائی خوبصورتی کو اور امت محمدیہ کے لوگ تقویٰ اور دینداری کو معیار ٹھہراتے ہیں۔

مالک نے ان کا جواب سنا تو مزید متاثر ہوا۔ گھر آ کر اپنی اہلیہ سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا کہ بلاشبہ مجھے بھی اپنی بیٹی کے لیے مبارک سے بہتر کوئی رشتہ نظر نہیں آتا۔ یوں مبارک کی شادی اس باغ کے مالک کی بیٹی سے ہوگئی اور پھر اس مبارک جوڑے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی برکت سے نوازا۔ ان کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ اس کا نام انہوں نے عبداللہ رکھا جو بڑے مشہور محدث ہوئے اور جنہوں نے اپنے علم سے ایک جہان کو منور کیا۔ دنیا آج ان کو امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے نام سے جانتی ہے۔

داستان ایک ایمان فروش کی

اس واقعہ کے راوی امام قرطبی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں مصر کی کسی مسجد میں ایک آدمی ایک لمبی مدت سے موذن کی حیثیت سے خدمت سرانجام دے رہا تھا۔ لوگ اس کے تقویٰ اور طہارت کی مثالیں دیتے تھے۔ اس کے چہرے سے اطاعت و بندگی کی نورانیت ٹپکتی تھی۔

مسجد کے ایک کونے میں اونچا سا مینار تھا۔ وہ پانچ وقت اس مینار پر چڑھتا اور بلند آواز سے اذان کہتا۔ اس کی خوبصورت اور بلند آواز چہار سو پھیل جاتی۔ ایک دن اذان دینے کے لیے مینار پر چڑھا تو اچانک اس نے نیچے دیکھا۔ ایک عیسائی کا گھرانہ اس مسجد کا ہمسایہ تھا۔ مینار سے صحن صاف نظر آتا تھا۔ اس نے صحن میں دیکھا' نہایت خوبصورت لڑکی بیٹھی تھی۔ وہ پہلی نظر میں ہی اس لڑکی کے حسن کا اسیر ہو گیا۔ وہ اذان چھوڑ کر نیچے اترا اور سیدھا اس عیسائی کے دروازے پر چلا گیا۔ لڑکی نے اس سے پوچھا: تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟

موذن نے کہا کہ بس میں نے تمہاری شکل دیکھی تو دل پر قابو نہیں رہا۔ میں تمہیں ہر حال میں اپنانا چاہتا ہوں۔

لڑکی نے کہا کہ میں تمہاری محبت کا جواب اثبات میں دیتی ہوں مگر یہاں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔

موذن بولا: بتاؤ میں ہر رکاوٹ دور کرنے کے لیے تیار ہوں۔

''میرا باپ تم سے میری شادی کرنے کے لیے کبھی تیار نہیں ہو گا' اس لیے کہ تم مسلمان ہو اور میں عیسائی۔'' لڑکی کہنے لگی۔

موذن: تو پھر اس کا کیا حل ہے؟ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

لڑکی: اس کا حل ایک ہی ہے کہ تم اسلام کو چھوڑ کر عیسائیت اختیار کر لو۔

موذن: مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ میں تمہارے لیے ہر مذہب اختیار کر سکتا ہوں۔

لڑکی: اگر ایسی صورت ہے تو میں تم سے شادی کر لوں گی۔

اور پھر وہ بدبخت مرتد ہو گیا۔ اس نے عیسائیت قبول کر لی۔

اس کی شادی کی تقریب منعقد ہو گئی۔ وہ بڑا خوش تھا کہ اس کی مراد مل گئی۔ اب اس کو اپنی محبوبہ سے علیحدگی میں ملنا تھا۔ ادھر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ بھی آ چکا تھا۔ وہ بدبخت کسی کام سے چھت پر چڑھا' اس کا پاؤں پھسلا اور وہ چھت سے گر کر واصل جہنم ہو گیا۔

اس کو کہتے ہیں سوءِ خاتمہ کہ اس بدبخت کو محبوبہ بھی نہ ملی اور آخرت بھی برباد ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا خاتمہ بالخیر فرمائے۔ (1)

---

(1) یہ واقعہ امام قرطبی کی کتاب: التذکرہ 54/1 سے ماخوذ ہے۔

مجھے مالک ارض وسماء سے شرم آتی ہے 55

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کا ایک مؤذن تھا جو قصر خلافت میں پانچ وقت اذان دیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ خلیفہ کی لونڈی نے اس کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ شکایت کی کہ آپ کا مؤذن مجھے غلط نگاہ سے دیکھتا ہے۔

خلیفہ سلیمان بہت باغیرت تھا، اس نے موذن کو سزا دینا چاہی' چنانچہ اس نے لونڈی کو حکم دیا: ''تم خوبصورت کپڑے پہن کر بن سنور کر اس کے پاس جاؤ اور کہو کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں اور مجھے اس کا اقرار ہے۔ امیرالمؤمنین سے بھی ڈرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ان کو کیا علم کہ ہم ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔'' اس قسم کی گفتگو سکھا کر خلیفہ نے لونڈی کو مؤذن کے پاس بھجوا دیا اور کہا کہ جو جواب دے مجھے بتانا۔ لونڈی نے اپنے آپ کو بنایا سنوارا اور مؤذن کے پاس چلی گئی۔ اس نے اس مفہوم کی گفتگو موذن سے کی تو مؤذن نے فوراً چہرہ آسمان کی طرف کرلیا:

«يَا جَلِيلُ، أَيْنَ سِتْرُكَ الْجَمِيلُ؟».

''اے میرے بزرگ و برتر رب! تیرا خوبصوت پردہ کدھر ہے کہ میں اس میں چھپ جاؤں؟''

پھر لونڈی سے کہا کہ دوبارہ کبھی میرے پاس نہ آنا۔ عنقریب ہمیں ایک ایسی ہستی کے سامنے پیش ہونا ہے جو دھوکہ نہیں کھا سکتی۔

مؤذن کا یہ دوٹوک جواب سننے کے بعد لونڈی خلیفہ سلیمان کے پاس آئی

اور مؤذن کی گفتگو سے آگاہ کیا۔

خلیفہ اس مؤذن کے تقویٰ سے بڑا متاثر ہوا۔ اس نے مؤذن کو بلوایا اور کہا کہ ہم اپنی فلاں لونڈی سے تمہاری شادی کرنا چاہتے ہیں۔ اخراجات کے لیے پچاس ہزار درہم کا عطیہ بھی دیتے ہیں۔

مؤذن نے عرض کیا: ''امیر المؤمنین! میں نہایت احترام کے ساتھ آپ کے ہبہ اور عطیہ کو واپس کرتا ہوں۔ مجھے اس سے دور ہی رکھیں۔ اللہ کی قسم! جب میری نظر پہلی بار اس پر پڑی تو وہ مجھے بڑی خوبصورت لگی اور میرے دل میں اس کی چاہت پیدا ہوئی مگر اس کے ساتھ ہی میرے دل میں رب کا خوف پیدا ہو گیا۔ تب میں نے اپنی چاہت کو فراموش کر دیا۔ اس کا خیال اپنے دل سے نکال دیا اور اپنی چاہت کو رب العزت کے پاس بطور ذخیرہ جمع کروا دیا۔ اب اگر میں آپ کا عطیہ اور ہبہ قبول کرتا ہوں تو مجھے رب السماوات والارض سے شرم محسوس ہو رہی ہے کہ جس چیز کو میں نے بطور ذخیرہ اس کے پاس جمع کروایا ہے اس کو واپس لے لوں۔ یہ ناممکن ہے۔''

خلیفہ نے اپنی پیش کش کو دہرایا مگر مؤذن نے قطعی انکار کر دیا۔

سلیمان بن عبدالملک اس واقعے سے بڑا متعجب ہوا اور متعدد بار اس نے اپنے ساتھیوں سے اس کا ذکر کیا۔

وہ مکمل پردے کے عالم میں قاضی کے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے اپنے شوہر کے خلاف مقدمہ دائر کر رکھا تھا۔ مقدمہ کی نوعیت بڑی عجیب تھی کہ میرے خاوند کے ذمہ مہر کی رقم 500 دینار واجب الاداء ہے اور وہ ادا نہیں کر رہا' لہٰذا مجھے مہر کی رقم دلوائی جائے۔ قاضی نے خاوند سے پوچھا تو اس نے اس دعویٰ کا انکار کیا کہ اس کے ذمہ عورت کی کوئی رقم ہے۔ عدالت نے گواہ طلب کیے۔

خاتون نے چند گواہوں کو پیش کیا۔ گواہوں نے کہا کہ ہم اس خاتون کا چہرہ دیکھ کر ہی بتا سکتے ہیں کہ واقعی یہ وہی عورت ہے جس کی گواہی کے لیے ہم یہاں آئے ہیں' لہٰذا عورت سے کہا جائے کہ اپنے چہرے سے پردہ ہٹائے تاکہ ہم اس کی شناخت کر سکیں۔

عدالت نے حکم دیا کہ عورت گواہوں کے سامنے چہرہ سے نقاب ہٹائے تاکہ وہ شناخت کر سکیں۔ ادھر عورت تذبذب کا شکار تھی کہ گواہوں کے سامنے نقاب اتارے یا نہ اتارے۔ گواہ اپنے موقف پر مصر تھے۔ اچانک اس کے خاوند نے غیرت میں آ کر کہا: ''مجھے قطعاً یہ گوارا نہیں کہ کوئی نامحرم شخص میری بیوی کا چہرہ دیکھے' لہٰذا گواہوں کو اس کا چہرہ دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کا مہر واقعی

میرے ذمہ ہے۔"

عدالت ابھی فیصلہ دینے ہی والی تھی کہ وہ عورت بھی بول اٹھی:

"محترم! اگر میرا شوہر کسی کو میرا چہرہ دکھلانا برداشت نہیں کرتا تو میں بھی اس کی توہین برداشت نہیں کر سکتی' لہٰذا مقدمہ کو خارج کر دیں۔ میں نے اس کو اپنا مہر معاف کر دیا۔ میں غلطی پر تھی جو ایسے شخص کے خلاف مقدمہ دائر کیا۔"

(یہ واقعہ ابن جوزی کی معروف کتاب "المنتظم فی تاریخ الامم والملوک" 12/ 403 میں دیکھا جا سکتا ہے)

بنتِ احمد کا سوال، امام شافعی کا جواب 57

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اپنے گھر والوں سے امام شافعی رحمہ اللہ کے علم و فضل اور تقویٰ و پرہیز گاری کے بارے میں کثرت سے بیان کیا کرتے تھے۔ ایک دن امام احمد رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ امام شافعی رحمہ اللہ تشریف لائے اور رات کا کھانا تناول فرما کر مہمانوں کے کمرے کا رخ کیا اور فوراً ہی بستر پر لیٹ گئے۔

امام احمد رحمہ اللہ کی صاحبزادی نے صبح اپنے والد محترم سے عرض کیا: ''ابا جان! کیا یہ وہی امام شافعی ہیں جن کے متعلق آپ ہمیں بکثرت بتایا کرتے ہیں؟''

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ہاں۔''

صاحبزادی نے عرض کیا: ''میں نے ان میں تین ایسی باتیں دیکھی ہیں جن پر مجھے تعجب ہوا ہے''۔ امام احمد نے پوچھا: ''کون کون سی؟''

بیٹی نے کہا: ''پہلی یہ کہ جب ہم نے رات کا کھانا دسترخوان پر لگایا تو انھوں نے خوب پیٹ بھر کر کھانا تناول فرمایا۔ دوسری یہ کہ کھانا تناول فرما کر وہ مہمانوں کے کمرے میں تشریف لے گئے اور بستر پر لیٹ گئے۔ رات کو نہ تو انہوں نے قیام اللیل کیا نہ ہی تہجد کی نماز پڑھی۔ اور تیسری بات یہ کہ فجر کی نماز بغیر وضو ہمیں پڑھائی۔ پانی کا جو لوٹا ان کے وضو کے لیے رکھا گیا تھا اس کو انہوں نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔''

امام احمد رحمہ اللہ نے بیٹی کی تنقید بھری گفتگو سنی تو امام شافعی رحمہ اللہ سے ان تین

امور سے متعلق استفسار چاہا۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اے احمد! میں نے زیادہ کھانا اس لیے تناول کیا کیونکہ مجھے یقین ہے کہ آپ کا کھانا حلال روزی سے ہے اور تم کریم بھی ہو، اور کریم کا کھانا علاج ہوتا ہے جبکہ بخیل کا کھانا مرض ہے اور میں نے آسودہ ہونے کے لیے زیادہ کھانا نہیں کھایا بلکہ میرے زیادہ کھانے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے کھانے سے اپنا علاج کروں۔

جہاں تک یہ بات ہے کہ میں نے قیام اللیل نہیں کیا تو دراصل جب میں نے اپنا سر تکیے پر سونے کے لیے رکھا، رسول اللہ ﷺ کی بعض احادیث میرے ذہن میں آ گئیں۔ میں نے ان پر غور وفکر شروع کیا اور ان سے 72 فقہی مسائل کا استنباط کیا جن سے مسلمان استفادہ کر سکتے ہیں، اس لیے مجھے قیام اللیل کی فرصت نہ مل سکی۔

اور جہاں تک بغیر وضو تمہیں نماز پڑھانے کی بات ہے تو سنو! ''اللہ کی قسم! میں پوری رات جاگتا رہا۔ نیند میری آنکھوں سے مکمل دور رہی اور تجدید وضو کی ضرورت نہیں پڑی۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے عشاء کے وضو سے ہی تم لوگوں کو فجر کی نماز پڑھائی ہے۔''

یہ تھی ائمہ سلف کی پاکیزہ زندگیوں کی ایک جھلک!

فرعون کے وزراء ان سے بہتر تھے

58

حجاج بن یوسف ثقفی‘ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پر کامیابی پانے کے بعد اپنی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اپنے دربان کو آواز دی: ”اس حروریہ (۱) عورت کو میرے پاس لاؤ۔“

جب وہ عورت حجاج کی خدمت میں حاضر ہوئی تو حجاج نے اس سے پوچھا: ”تم ہی ہو وہ عورت ہو جو کل تک عبداللہ بن زبیر کے ساتھ لوگوں کو میرے اور میرے ساتھیوں کے قتل اور اموال لوٹنے پر اُبھارا کرتی تھی۔“

عورت نے جواب دیا: ”ہاں، میں ایسا ہی کرتی تھی۔“

عورت کا یہ جواب سنتے ہی حجاج غصے میں بھڑک اُٹھا اور اپنے وزیروں کی طرف متوجہ ہو کر ان سے کہنے لگا: ”اس عورت کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟“

وزیروں نے کہا: ”اسے فوراً قتل کر دیجیے۔“

جب عورت نے وزیروں کی یہ تجویز سنی تو کھلکھلا کر ہنس دی اور حجاج اور اس کے وزراء کا مضحکہ اڑانے لگی۔ حجاج غصے سے لال پیلا ہو گیا۔

---

(۱) حروریہ خوارج کا ایک فرقہ ہے جو کوفہ کے قریب مقام حروراء کی طرف منسوب ہے۔ اس مقام پر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی مخالفت میں ان کا پہلا اجتماع ہوا تھا۔ یہ فرقہ دین میں بے حد متشدد تھا۔ بعد میں یہ دین سے الگ ہو گیا۔

پھر اس نے عورت سے پوچھا: ''تمہاری ہنسی کی وجہ؟''

عورت نے جواب دیا: ''میں دیکھ رہی ہوں کہ فرعون کے وزراء تیرے ان وزیروں سے بہتر تھے۔''

یہ سن کر حجاج اپنے وزیروں کی طرف متوجہ ہوا جن پر شرمندگی کے آثار نمایاں تھے۔

حجاج نے عورت سے پوچھا: ''وہ کیسے؟''

عورت نے جواب دیا: ''جب فرعون نے اپنے وزیروں سے موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے متعلق مشورہ طلب کیا تھا تو انھوں نے فرعون کو یہ مشورہ دیا:

﴿أَرْجِهْ وَأَخَاهُ﴾ . (الشعراء: 36)

یعنی موسیٰ علیہ السلام اور اس کے بھائی کا معاملہ کسی دوسرے وقت کے لیے رکھ چھوڑیے (تاکہ ان کے معاملہ میں کسی خاطر خواہ نتیجے تک پہنچا جا سکے)۔ لیکن تیرے یہ وزیر تجھے مشورہ دے رہے ہیں کہ جلد سے جلد میرے خون سے تیری تلوار کی دھار سرخ ہو جائے۔ اسی سے میں نے سمجھ لیا کہ تیرے وزیر فرعون کے وزراء کے مقابلے میں احمق ہیں۔

عورت کی یہ گفتگو سننے کے بعد حجاج بے اختیار مسکرا اٹھا۔ اسے عورت کی باتوں میں خاصا وزن نظر آیا۔ اس نے حکم دیا کہ اس عورت کو رہا کر دیا جائے اور اسے درہم و دینار سے بھی نوازا جائے۔

خاتون کا بروقت مشورہ

59

عبداللہ بن مصعب کا بیان ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں لوگوں نے حق مہر بہت زیادہ مقرر کرنا شروع کر دیا۔ ایک دن انہوں نے لوگوں سے کہا کہ تم لوگ عورتوں کا مہر چالیس اوقیے سے زیادہ مت باندھا کرو، خواہ وہ عورت کسی بڑے سردار کی صاحبزادی ہی کیوں نہ ہو۔ اگر کسی نے مہر کی رقم اس سے زیادہ رکھی تو میں چالیس اوقیے سے زائد رقم بیت المال کے حوالے کر دوں گا۔

ایک عورت نے یہ بات سنی تو ان کا راستہ روک لیا۔ کہنے لگی کہ آپ کون ہوتے ہیں چالیس اوقیے مہر کی رقم مقرر کرنے والے جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: وہ کیسے؟

عورت نے جواب دیا: اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَءَاتَيْتُمْ إِحْدَىٰهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا۟ مِنْهُ شَيْـًٔا﴾.

''اگر تم نے اپنی بیویوں میں سے کسی کو (بطور مہر) خزانہ بھی دے رکھا ہو، تو بھی اس میں سے کچھ نہ لو'' (النساء: 20)

(خزانہ کی مقدار چالیس اوقیے سے کہیں زیادہ ہے' اس کی کوئی حد نہیں)

یہ سن کر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«أَصَابَتِ امْرَأَةٌ وَأَخْطَأَ عُمَرُ، كُلُّ النَّاسِ أَفْقَهُ مِنْكَ يَا عُمَرُ».

''عورت کا استدلال صحیح ہے اور عمر معاملہ کو نہ سمجھ سکا۔ اے عمر! ہر آدمی تم

سے زیادہ فقیہ اور سمجھدار ہے۔''

ہمارے معاشرے میں نکاح کے وقت بعض اوقات شرعی حق مہر کا لفظ استعمال ہوتا ہے جو عموماً 32 روپے ہوتا ہے۔ یہ درست نہیں۔ شریعت نے حق مہر کے سلسلے میں کوئی پابندی نہیں لگائی جیسا کہ اوپر والے واقعہ میں بیان ہوا۔ لڑکے کی حیثیت کے مطابق مہر مقرر کیا جائے گا۔ اگر لڑکی یا اس کا باپ رضامند ہیں تو پھر محض چند درہم مہر بھی درست ہے جیسا کہ امام سعید بن مسیب نے اپنی بیٹی کا مہر محض 3 درہم رکھا تھا۔ لیکن اگر لڑکا صاحب حیثیت ہے' کاروں کوٹھیوں کا مالک ہے' شادی کی رسومات پر لاکھوں روپے خرچ کر دیتا ہے تو اس صورت میں باہمی رضامندی سے جتنا بھی مہر مقرر کر دیا جائے درست ہوگا۔ تاہم لڑکی والوں کو زیادہ مہر پر اور لڑکے والوں کو کم مہر پر اصرار اور جھگڑا نہیں کرنا چاہیے۔ یہ بہر حال لڑکی کا حق ہے اور اس کو اس کی ہم مرتبہ خواتین کے مثل زیادہ سے زیادہ مہر ملنا چاہیے۔

(واللہ أعلم بالصواب)

جرأتمندانہ جواب

60

حجاج بن یوسف ثقفی ام علقمہ نامی ایک خاتون سے تقریباً گھنٹہ بھر گفتگو کرتا رہا۔ دوران گفتگو اس خاتون نے لمحہ برابر بھی حجاج کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھا۔

حجاج نے خاتون سے کہا: ''میں تمہارے ساتھ گھنٹہ بھر سے باتیں کر رہا ہوں لیکن تم نے ایک مرتبہ بھی میری طرف نگاہ اٹھا کر بات نہیں کی''۔

اس خاتون نے برجستہ کہا:

«أَكْرَهُ أَنْ أَنْظُرَ إِلَىٰ مَنْ لَا يَنْظُرُ اللهُ إِلَيْهِ».

میں اس شخص کی طرف نگاہ اٹھانا پسند نہیں کرتی جس کی طرف اللہ کی نظر (رحمت) نہیں اٹھتی۔''

(أعلام النساء: 228/4)

وراثت کی تقسیم

خلیفہ مامون الرشید دربار خلافت میں اپنے وزراء' امراء اور علماء کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ایک عورت داخل ہوئی اور کہنے لگی: "امیر المومنین! میرے ساتھ بڑا ظلم ہوا ہے۔ مجھے انصاف دیجئے۔" خلیفہ نے پوچھا: "بتاؤ تمہارے ساتھ کیا ظلم ہوا ہے؟" وہ کہنے لگی: "میرے بھائی کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس نے ترکے میں 600 دینار چھوڑے ہیں۔ اس میں سے مجھے محض ایک دینار ملا ہے۔ اب بتائیے 600 دینار ورثے میں سے بہن کو صرف ایک دینار' یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔"

مامون الرشید نے چند لمحے غور کیا اور کہنے لگا کہ بی بی! تیرا حق تجھے مل چکا ہے۔ تمہارے حصے میں ایک دینار ہی آتا ہے۔ سنو تمہارے بھائی نے دو بیٹیاں' ماں' بیوی' بارہ بھائی اور ایک بہن (جو تم ہو) چھوڑی ہے۔

عورت بولی: بلاشبہ آپ نے درست کہا ہے۔

مامون کہنے لگا: اب سنو اس کی تقسیم کیسے ہے......

دو بیٹیوں کی وراثت کا حصہ دو ثلث یعنی چار سو دینار ہوا جو بیٹیوں کو ملا۔ ماں کو چھٹا حصہ یعنی 100 دینار ملے۔ بیوی کو آٹھواں حصہ یعنی 75 دینار ملے۔

اب باقی 25 دینار بچتے ہیں۔ 12 بھائیوں کو دو دو دینار ملے۔ اس طرح ان تمام کو 24 دینار دینے کے بعد ایک دینار بچتا ہے جو تمہیں وراثت میں ملا ہے۔

یہ جواب سن کر حاضرین مجلس مامون کی ذہانت اور فطانت پر دنگ رہ گئے۔

شکاری خلیفہ کا خوبصورت شکار

ابوعبداللہ نُمیری کا بیان ہے: میں ایک روز خلیفہ مامون کے پاس کوفہ میں تھا۔ اس نے ایک فوجی دستہ اپنے ساتھ لیا اور شکار کھیلنے کے لیے روانہ ہوگیا۔ ابھی وہ منزل کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ ایک شکار نظر آیا۔ اس نے اپنے گھوڑے کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی اور اسے شکار کے پیچھے لگا دیا۔ شکار اپنی جان بچانے کے لیے پوری طاقت لگا کر بھاگ رہا تھا اور خلیفہ مامون کا گھوڑا بھی پوری سبک خرامی کے ساتھ اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ خلیفہ کا گھوڑا تمام ہمراہیوں کے گھوڑوں کے آگے آگے تھا۔ وہ شکار کے تعاقب میں لمبی لمبی چھلانگیں لگاتے ہوئے دریائے فرات کے کنارے پہنچ گیا' مگر شکار ہاتھ نہ آسکا۔

اتفاق سے دریا کے کنارے ایک اعرابی لڑکی نظر آئی جو قد وقامت میں مناسب اور خوبصورت تھی۔ اس بدویہ نے ایک مشکیزے میں پانی بھر کر اپنے کندھے پر رکھا ہوا تھا اور دریا کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی کہ اچانک اس کا پاؤں پھسل گیا اور چیختے ہوئے اس کے منہ سے یہ آواز نکلی:

«يَا أَبَتِ! أَدْرِكْ فَاهَا قَدْ غَلَبَنِي فُوهَا، لَا طَاقَةَ لِي بِفِيهَا».

''ابا جان! میرے مشکیزے کا منہ پکڑ لیں' اس کا منہ مجھ سے چھوٹ گیا' اب اس منہ کو سنبھالنے کی مجھ میں طاقت نہیں۔''

اس اعرابی

لڑکی کا فصاحت وبلاغت سے پر کلام

خلیفہ مامون کے کانوں سے ٹکرایا تو وہ بڑا حیران ہوا۔

ادھر لڑکی نے مشکیزہ پھینک دیا۔ خلیفہ مامون آگے بڑھا اور

لڑکی کے پاس آ کر پوچھنے لگا:

«يَا جَارِيَةُ! مِنْ أَيِّ الْعَرَبِ أَنْتِ؟»

''لڑکی! تم عرب کے کس قبیلے سے تعلق رکھتی ہو؟''

«أَنَا مِنْ قَوْمٍ كِرَامٍ، غَيْرُ لِئَامٍ، يَقْرُونَ الضَّيْفَ وَيَضْرِبُونَ بِالسَّيْفِ».

''میں بنو کلاب کے اس قبیلے سے تعلق رکھتی ہوں جس کے لوگ بڑے شریف اور باعزت ہوتے ہیں' مہمان نوازی ان کا شیوہ ہے اور مخالفین کے لیے ننگی تلوار کا روپ دھارنا ان کی شان!''

پھر وہ کہنے لگی: جوان! آپ کا تعلق کس قبیلے سے ہے؟

خلیفہ مامون: کیا تم عربوں کے حسب ونسب کا علم رکھتی ہو؟

اعرابیہ: تھوڑا بہت علم تو ضرور ہے۔

خلیفہ مامون: میں قبیلہ مضر سے ہوں۔

اعرابیہ: مضر کی کونسی شاخ؟

خلیفہ مامون: مضر کا وہ خاندان جس کا نسب عالی شان اور جس کی عظمت نرالی ہے' ماں باپ دونوں کی طرف سے شرافت ونجابت کا مرقع ہے' جس کے

رعب و دبدبہ سے مضر کے تمام ہی

قبائل خوفزدہ رہتے ہیں اور جس کی عظمت شان کے

سب معترف ہیں۔

اعرابیہ: میں سمجھتی ہوں آپ کا تعلق خاندانِ بنوکنانہ سے ہے۔

خلیفہ مامون: تم نے درست سمجھا۔

اعرابیہ: کنانہ کے کون سے قبیلے سے تعلق رکھتے ہو؟

خلیفہ مامون: اس قبیلے سے جس کی اولاد باعزت ہوا کرتی ہے' جو واقعی شریف النفس ہے' خیرات وصدقات جس کی شان ہے اور جس کا رعب و دبدبہ کنانہ کے تمام قبائل پر حاوی ہے۔

اعرابیہ: ہاں' گویا آپ کا تعلق قریش سے ہے؟

خلیفہ مامون: تم نے بالکل درست سمجھا۔

اعرابیہ: قریش کا کونسا خاندان؟

خلیفہ مامون: جس کا ذکر جمیل چہار دانگ عالم میں ہے' جس کے فخر وعظمت کی کوئی مثال نہیں اور جس کا خوف قریش کے سارے قبائل پر مسلط رہتا ہے۔

اعرابیہ: اللہ کی قسم! آپ قبیلہ بنو ہاشم سے ہیں۔

خلیفہ مامون: بالکل ٹھیک!

اعرابیہ: خاندان بنو ہاشم کے کونسے گھرانے سے آپ کا تعلق ہے؟

خلیفہ مامون: وہی گھرانہ جس کی

قدر ومنزلت معروف ہے' جس کا مقام ومرتبہ سب سے

بلند ہے جس کا خوف بنوہاشم کے تمام قبائل پر طاری رہتا ہے۔

یہ سن کر اعرابیہ کہنے لگی:

«اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ وَخَلِيفَةَ الْمُسْلِمِينَ».

''آپ پر سلامتی ہو اے امیر المؤمنین وخلیفۃ المسلمین!''

عربی لڑکی کی ذہانت وفطانت اور انساب کے علم پر اس کی کامل دسترس کو دیکھ کر خلیفہ مامون نہایت متاثر ہوا اور اس کی باتوں سے بہت محظوظ ہوا کہ دیہات میں اس قسم کی لڑکیاں بھی ہوتی ہیں جو اتنی سمجھ دار ہیں۔ کہنے لگا:

«وَاللهِ! لَأَتَزَوَّجَنَّ بِهٰذِهِ الْجَارِيَةِ لِأَنَّهَا مِنْ أَكْبَرِ الْغَنَائِمِ».

''اللہ کی قسم! میں اس لڑکی سے ضرور شادی کروں گا کیونکہ یہ بہت بڑا تحفہ ہے۔''

خلیفہ وہیں رک کر اپنے ساتھیوں کا انتظار کرنے لگا۔ اتنے میں اس کے فوجی بھی وہاں پہنچ گئے۔ پھر خلیفہ مامون نے اس لڑکی کے والدین کو پیغام نکاح دیا۔ انہوں نے خوشی خوشی بیٹی دینا قبول کر لیا' چنانچہ وہ شادی کر کے خوش وخرم واپس ہوا۔ گو اس کا مطلوبہ شکار تو ہاتھ سے نکل گیا تھا مگر یہ خوبصورت شکار اس سے کہیں بڑھ کر تھا۔ یہی لڑکی خلیفہ مامون کے بیٹے عباس کی ماں بنی۔ (۱)

ا۔ المستطرف (83/1) انساء ذکیات جدا (92)

بیٹے کو بدسلوکی کا موقع ہی کیوں دیا؟

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک آدمی اپنے بیٹے کی نافرمانی کا شکوہ لے کر حاضر ہوا۔ شکایت سننے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے لڑکے کو بلا بھیجا۔ جب وہ لڑکا حاضر خدمت ہوا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے باپ کے ساتھ اس کی نافرمانی اور اس کے حقوق کی پامالی پر تنبیہ کی۔

لڑکے نے عرض کیا: اے امیر المومنین! کیا والد پر لڑکے کے بھی کچھ حقوق ہیں؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں، ہاں۔

لڑکے نے عرض کیا: اے امیر المومنین! وہ کیا حقوق ہیں؟

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«أَنْ يَنْتَقِيَ أُمَّهُ، وَيُحْسِنَ اسْمَهُ، وَيُعَلِّمَهُ الْقُرْآنَ».

''یہ کہ اس کی ماں کا اچھے طریقے سے انتخاب کرے، اس کا اچھا نام رکھے اور اسے قرآن کی تعلیم دلائے۔''

لڑکے نے عرض کیا: ''اے امیر المومنین! میرے باپ نے ان میں سے کچھ بھی نہیں کیا ہے۔ میری ماں زنجیہ (سیاہ فام نسل) ہے جو کسی مجوسی کے زیر سایہ تھی۔ میرے باپ نے میرا نام جعل رکھا ہے (جس کے معنی

چپٹی ناک والا بدشکل و سیاہ فام،

جھگڑالو اور ضدی وغیرہ ہوتے ہیں) اور کتاب اللہ کے

ایک حرف کی بھی اس نے مجھے تعلیم نہیں دلائی ہے۔''

لڑکے کی گفتگو سن کر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس آدمی کی طرف

متوجہ ہوئے اور فرمایا:

«جِئْتَ إِلَيَّ تَشْكُو عُقُوقَ ابْنِكَ وَقَدْ عَقَقْتَهُ قَبْلَ أَنْ يَعُقَّكَ، وَأَسَأْتَ إِلَيْهِ قَبْلَ أَنْ يُسِيءَ إِلَيْكَ».

''تم میرے پاس اپنے بیٹے کی نافرمانی کا شکوہ لے کر حاضر ہوئے ہو' حالانکہ تم نے اس کی بدسلوکی سے قبل اس کے حقوق کی پامالی کی ہے اور قبل اس کے کہ وہ تمہارے ساتھ برا رویہ اختیار کرتا تم اس کے ساتھ ناروا سلوک کے مرتکب ہو چکے ہو۔''

قریشی عورتیں

ام ہانی رضی اللہ عنہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی چچا زاد بہن تھیں۔ نبوت سے قبل اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سے ان کا رشتہ مانگا مگر بوجوہ انہوں نے انکار کر دیا اور ان کی شادی کسی اور جگہ ہو گئی۔ پھر ایک وقت آیا جب یہ بیوہ ہو گئیں۔ خاوند فوت ہو گیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بڑی خواہش تھی کہ اگر ان کی شادی اللہ کے رسول سے ہو جائے تو بڑے شرف کی بات ہے' چنانچہ ایک دن انہوں نے موقع پا کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کہ اگر آپ ام ہانی بنت ابی طالب سے نکاح کر لیں تو اللہ تعالیٰ انہیں دو رشتوں سے نواز دے گا۔ وہ پہلے بھی آپ کی قریبی رشتہ دار ہیں اور دوسرا یہ کہ آپ کی زوجیت میں آ جائیں گی۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورہ کو پسند فرمایا اور ام ہانی رضی اللہ عنہا کو پیغام نکاح بھجوا دیا۔ انہوں نے جواب دیا: ''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنی جان سے بڑھ کر عزیز ہیں۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق بہت عظیم ہے۔ میرے بچے یتیم ہیں جن کی میں پرورش کر رہی ہوں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا حق ادا کرنے لگ جاؤں گی تو میرے بچوں کے حقوق متاثر ہوں گے

اور اگر بچوں کے حقوق ادا کرنے
لگ گئی تو اللہ کے رسول ﷺ کے حقوق کی ادائیگی
میں کمی آ جائے گی۔''

اللہ کے رسول ﷺ نے جب ام ہانی رضی اللہ عنہا کا جواب سنا تو نہایت خوش ہوئے۔ اور پھر ارشاد ہوا:

«خَيْرُ نِسَاءٍ رَكِبْنَ الإِبِلَ نِسَاءُ قُرَيْشٍ أَحْنَاهُ عَلَى وَلَدٍ فِي صِغَرِهِ وَأَرْعَاهُ عَلَى زَوْجٍ فِي ذَاتِ يَدِهِ».

''قریش کی عورتیں تمام عورتوں سے بہترین ہیں' اونٹ کی سواری بھی کر لیتی ہیں۔ چھوٹے بچوں پر نہایت مہربان اور مشفق ہیں اور اپنے شوہر کے ذاتی کاموں پر بھرپور توجہ مرکوز کرنے والی ہیں۔''

(دیکھئے: بخاری: 3434' مسلم: 2527 وغیرہ)

مہمان کی تلاش

سلیمان القرشی کا بیان ہے کہ یمن کی گزرگاہوں پر میں جانبِ منزل رواں دواں تھا کہ راستے میں مجھے ایک لڑکا ملا جس نے اپنے دونوں کانوں میں دو بالیاں پہن رکھی تھیں۔ ہر بالی میں قیمتی نگینہ لگا ہوا تھا جس کی چمک سے اس کا چہرہ مزید پر رونق نظر آ رہا تھا۔ وہ چند اشعار کے ذریعے اپنے پروردگار کی تعریف و توصیف بیان کر رہا تھا۔ میں نے اسے یہ شعر گنگناتے ہوئے سنا:

مَلِيكٌ فِي السَّمَاءِ بِهِ افْتِخَارِي
عَزِيزُ الْقَدْرِ لَيْسَ بِهِ خَفَاءُ

(آسمان میں جو بادشاہ ہے اسی کے ذریعے مجھے عزت و افتخار حاصل ہے۔ وہ نرالی شان والا ہے، کائنات کی کوئی چیز اس سے ڈھکی چھپی نہیں)

میں نے اس کے قریب ہو کر اسے سلام کیا۔

اس نے کہا: میں تمہارے سلام کا جواب اس وقت نہیں دے سکتا جب تک کہ تم میرا حق نہ دے دو جو تم پر واجب ہے۔

میں نے پوچھا: بھلا تمہارا کونسا حق مجھ پر ہے؟

لڑکے نے کہا: میں ابراہیم خلیل علیہ السلام کی سنت پر عمل کرنے والا ایک لڑکا ہوں۔

میرا روزانہ کا معمول ہے کہ میں کھانا
اس وقت تک تناول نہیں کرتا جب تک کہ میل دو
میل کسی مہمان کی تلاش میں نہ نکلوں جو میرے ساتھ کھانے
میں شریک ہو سکے۔

میں نے لڑکے کی بات مان لی۔ اس نے پر جوش انداز میں مجھے خوش آمدید
کہا۔ جب ہم اس کے بالوں سے بنے ہوئے خیمے کے قریب پہنچے تو اس نے
بآواز بلند پکارا: ''باجی' باجی!''

آواز سن کر لبیک کہتی ہوئی ایک نوجوان دوشیزہ خیمے سے باہر نکلی۔

لڑکے نے کہا: ہمارے اس مہمان کی خاطر تواضع کا بندوبست کرو۔

لڑکی نے جواب دیا: ذرا صبر کرو تا کہ میں اپنے مولیٰ کریم کے دربار میں شکرانے کی
نماز پڑھ لوں جس نے ہمیں اس مہمان کی مہمان نوازی کا موقع عنایت فرمایا۔

پھر وہ دوشیزہ کھڑی ہوئی اور شکرانے کے طور پر دو رکعت نماز ادا کی۔

لڑکے نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے خیمے کے اندر بٹھایا اور چھری لے کر ایک بکری کے
بچے کی طرف بڑھا اور اسے ذبح کیا۔ خیمے میں بیٹھنے کے دوران میری نگاہ
دوشیزہ پر پڑی جو بہت ہی حسین وجمیل اور پر رونق شکل وصورت کی
مالک تھی۔ میں کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس
نے میری دُزدیدہ نگاہ کو بھانپ لیا اور بولی

اٹھی: ''ارے، کیا دیکھ رہے ہو؟ کیا
تمہیں وہ حدیث معلوم نہیں جو ہم تک صاحب
یثرب ﷺ کی جانب سے پہنچی ہے: «إِنَّ زِنَا الْعَيْنَيْنِ النَّظَرُ»
''آنکھوں کا زنا غیر محارم کی طرف دیکھنا ہے؟'' یہ حدیث سنا کر تمہیں
ذلیل کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ اس سے میرا مقصد تمہیں ادب سکھلانا ہے
تا کہ دوبارہ ایسی حرکت نہ کرو۔''

جب سونے کا وقت ہوا تو میں اور لڑکا خیمے کے باہر ہوئے اور لڑکی نے خیمے کے اندر
رات گزاری۔ میں نے رات کو نرم، گداز اور سریلی آواز میں قرآن کریم کی تلاوت
سنی۔ صبح کو میں نے لڑکے سے پوچھا: ''یہ آواز کس کی تھی؟''
لڑکے نے بتایا: ''وہ میری بہن ہے جو رات بھر قرآن پڑھتی رہی۔''
میں نے کہا: ''اے لڑکے! تم اپنی بہن سے کہیں زیادہ اس عمل کے مستحق ہو، کیونکہ تم
مرد ہو اور وہ عورت۔''

لڑکا میری بات سن کر مسکرایا اور بولا: ''افسوس ہے تجھ پر اے جوان! کیا تجھے
معلوم نہیں کہ اس عمل کا دارومدار توفیق الٰہی پر ہے؟ اگر اللہ نے توفیق
دے دی تو آدمی کامیاب، بصورت دیگر ذلیل و رسوا۔''(۱)

(۱) روضة العقلاء و نزهة الفضلاء للبستی

شوہر کی سخاوت سے بیوی کی پریشانی!!

حاتم طائی زمانہ جاہلیت میں نہایت مشہور و معروف آدمی تھا۔ سخاوت میں اس کا کوئی ثانی نہ تھا۔ اس کی بیوی ماویہ بنت عفزر اس کو ٹوکتی رہتی کہ اتنی سخاوت اچھی بات نہیں' ذرا ہاتھ روک کر خرچ کیا کرو۔ اس کی ملامت کا حاتم طائی پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ وہ اس کی جلی کٹی ضرور سنتا مگر مرضی اپنی کرتا۔ اس کے پاس دور دور سے لوگ ملنے آتے' اس کی مہمان نوازی سے لطف اندوز ہوتے اور دعائیں دیتے ہوئے جاتے۔

ماویہ کا ایک چچازاد بھائی تھا جس کا نام مالک تھا۔ وہ ماویہ کو پسند کرتا تھا۔ ایک دن اس نے ماویہ سے کہا کہ تم آخر حاتم کو سمجھاتی کیوں نہیں۔ دیکھتی نہیں وہ کس طرح بغیر سوچے سمجھے مال لٹاتا ہے؟ اس کے پاس کتنا ہی قیمتی مال کیوں نہ ہو جب تک اسے خرچ نہ کرے اسے چین نہیں آتا۔ اب تو اس کے پاس جائیداد ہے' اگر اسی طرح مال لٹاتا رہا تو ایک دن کنگال ہو جائے گا اور پھر تمہاری زندگی اجیرن ہو جائے گی۔ اور اگر اچانک یہ مر جائے تو پھر سوچو تمہارا کیا بنے گا۔ تمہارے بچے بھوکے اور بے یار و مددگار رہ جائیں گے۔

ماویہ نے مالک کی بات کی تصدیق کی اور اس کو سراہا کہ تم واقعی میرے خیر خواہ ہو مگر میں کیا کر سکتی ہوں؟ مالک نے اسے ورغلایا: اگر تم حاتم سے طلاق لے لو تو میں تم سے شادی کر لوں گا۔ میں مالی طور پر حاتم سے زیادہ مستحکم ہوں۔ مالدار

ہوں، صاحب جائیداد ہوں۔ میرے ساتھ تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ یہ اسلام سے پہلے کا دور تھا۔ اس دور میں عورتوں کے اپنے خاوند سے طلاق طلب کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ عورت بالوں کے بنے ہوئے خیمہ میں بیٹھ جاتی۔ اگر اس کے گھر کا دروازہ مشرق کی طرف ہوتا تو وہ خیمے کے دروازہ کا رخ مغرب کی طرف کر لیتی اور اگر مغرب کی طرف ہوتا تو مشرق کی طرف پھیر دیتی۔ یہ گویا اعلان تھا کہ عورت اپنے خاوند کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ ماویہ اپنے چچازاد کی چکنی چپڑی باتوں میں آ گئی اور آخر اس نے خیمے کے دروازے کا رخ بدل لیا۔ حاتم گھر آیا تو دیکھا کہ دروازے کا رُخ بدلا ہوا ہے۔ اسے سمجھ آ گئی کہ ماویہ اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ اس نے اپنے بیٹے عدی کو بلایا اور کہا کہ دیکھو تمہاری ماں نے کیا کیا ہے۔ عدی نے کہا کہ میں نے بھی دیکھ لیا ہے، مگر میں بھی کیا کر سکتا ہوں۔

حاتم نے اپنے بیٹے کا ہاتھ پکڑا اور تھوڑی دور ایک وادی میں جا کر سکونت اختیار کر لی۔

اسی دوران میں پچاس افراد پر مشتمل ایک قافلے نے حسب معمول حاتم کے گھر کے سامنے آ کر پڑاؤ ڈالا۔ مہمانوں کا یہ قافلہ دیکھ کر ماویہ کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔

اس نے اپنی لونڈی کو بلوایا اور اس سے کہا کہ میرے چچازاد بھائی مالک کو مہمانوں کا بتاؤ۔ اس سے کہو کہ ان کے لیے دودھ، اور کھانے پینے کا سامان فوراً

بھجوائے۔ آخر مہمان نوازی تو کرنی ہو گی۔

لونڈی سوچ رہی تھی کہ آج لوگ حاتم کا مقام جان لیں گے۔ یقیناً آج کی رات فیصلہ کن ہے۔

لونڈی مالک کے پاس گئی اور ماویہ کا پیغام دیا۔ پیغام سنتے ہی مالک نے اپنا سر پیٹنا شروع کر دیا۔ اپنی داڑھی نوچی اور کہنے لگا: جاؤ ماویہ کو میرا اسلام کہو اور یہ کہو کہ اس مہمان نوازی اور اسراف کی وجہ سے میں نے تمہیں حاتم سے طلاق کا مشورہ دیا تھا۔ اب مجھے اس مصیبت میں پھنسانا چاہتی ہو۔ میں باز آیا ایسی سخاوت اور مہمان نوازی سے۔ اب پچاس آدمیوں کی مہمان نوازی میرے بس کی بات نہیں۔

لونڈی نے آ کر ماویہ کے سامنے مالک کے الفاظ دہرا دیے۔ ماویہ کو یہ جواب اچھا نہ لگا۔ گھر میں مہمان بیٹھے تھے۔ آخر وہ حاتم طائی کی بیوی تھی۔ اس کے گھر میں ہر وقت مہمانوں کا میلہ لگا ہوتا تھا۔ اس نے اپنی لونڈی سے کہا کہ جاؤ حاتم طائی اتنا دور نہیں قریب ہی وادی میں ٹھہرا ہوا ہے۔ اسے بتاؤ کہ تمہارے مہمان گھر میں بھوکے پیاسے بیٹھے ہیں۔ ان کے کھانے کا بندوبست کرو۔

لونڈی بھاگتی ہوئی وادی کی طرف گئی۔ دور سے حاتم طائی کو پکارا۔ مہمانوں کی خبر دی۔ اس نے کہا کہ اھلاً و سھلاً ' مہمانوں کو خوش آمدید۔ وہ بھاگتا ہوا اونٹوں کے باڑے میں آیا' دو اونٹ کھول کر خیمے کے پاس لایا اور ان کی پچھلی ٹانگوں کے گھٹنے کاٹ ڈالے (اس دور میں اونٹ ذبح کرنے کا یہی طریقہ تھا) ماویہ نے دیکھا

تو زور زور سے چلانے لگی کہ یہ تم کیا کر رہے ہو:

«هٰذَا الَّذِي طَلَّقْتُكَ بِسَبَبِهِ تَتْرُكُ أَوْلَادَنَا وَلَيْسَ لَهُمْ شَيْءٌ».

''میں نے اسی وجہ سے تو تم سے جدائی اختیار کی تھی۔ یہ اونٹ میری اولاد کے لیے چھوڑ دو۔ مہمانوں کے لیے ہمارے پاس کچھ نہیں۔''

حاتم طائی نے جواب دیا: ''ماویہ تیرا ستیاناس! جس ذات نے ان مہمانوں کو، تیری اولاد کو اور ساری مخلوق کو پیدا کیا ہے وہی ان کا روزی رساں ہے۔ تم فکر کرنے والی کون ہوتی ہو!''

(أعلام النساء، الأغاني للأصبهاني، دیوان حاتم الطائی وأخباره)

ایک دوشیزہ کی دور رس نگاہیں

یہ زمانہ جاہلیت کی بات ہے۔ مکہ میں ایک بڑے سردار کی بیٹی تھی جس کا نام ہند بنت عتبہ بن ربیعہ تھا۔ وہ اپنے زمانے کی نہایت ذہین وفطین اور حسین و جمیل لڑکی تھی۔ اس سے شادی کے لیے ایک ہی وقت میں سہیل بن عمرو اور ابوسفیان بن حرب نے پیغام بھیجا۔ اس کے والد عتبہ اپنی بیٹی کے پاس آئے اور کہا: ''بیٹی! مکہ کے دو بہترین نوجوانوں نے تم سے شادی کی خواہش ظاہر کی ہے۔ اب تمہاری مرضی ہے جس کو تم اختیار کرو گی میں اس سے تمہاری شادی کردوں گا۔'' ہند کہنے لگی کہ ابا جان! ان دونوں کی عادات اور خصائل سے مجھے آگاہ کریں تاکہ مجھے فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔

عتبہ نے سہیل بن عمرو کا تعارف یوں کروایا:

''سہیل بن عمرو خاندان کا منتخب اور بہتر آدمی ہے، زندگی کے ناز ونعم کی سہولتیں اس کو میسر ہیں۔ دولت وثروت کے سکوں کی اس کے آنگن میں کثرت رہتی ہے۔ میری لاڈلی! اگر تو نے اس کا پیغام قبول کرلیا تو وہ تیرا ہو کر رہے گا، تیری باتوں کی موافقت کو اپنی شان تصور کرے گا۔ اگر تو نے اس کی ہاں میں ہاں ملادی اور اس کی طرف محبت ومیلان کو مقدم کردیا تو یقیناً اس کی نگاہوں کا تارا بن جائے گی، تیرا ہر قدم اس کی ہتھیلی پر ہوگا اور تیری ہر بات اس کے سرآنکھوں پر۔ اس کے اہل خانہ کی باگ ڈور تیرے ہاتھ میں ہوگی اور مال ودولت پر تیری حکمرانی۔

جہاں تک ابوسفیان بن حرب کی بات ہے تو وہ خوشحال ہے، حسب ونسب

والا اور پختہ و بہتر رائے کا مالک ہے۔ اس کا گھرانہ شرافت و نجابت میں معروف ہے۔ یہ خاندان مونچھوں پر ہاتھ پھیرنے والا، شدید غیرت اس کی فطرت ہے اور کثرت فال اس کی عادت۔ اپنے مال کے ضیاع سے وہ غافل نہیں رہتا اور نہ اپنے اہل خانہ پر لاٹھی اٹھانے سے کبھی باز آتا ہے۔"

ہند نے والد کی بات سن کر عرض کیا:

"والد محترم! پہلا آدمی سہیل بن عمرو سردار اور اپنی بیوی کے نشہ میں اس کے قدموں کے نیچے مال و دولت کا بچھونا کر دینے والا ہے، اس لیے ممکن ہے بیوی ناخوشگواری کے باوجود اس کے لیے الفت و محبت کا نذرانہ پیش کرنا اپنا شیوہ بنا لے اور اپنے دل کے نرم گوشوں میں اسے جگہ دے کر اپنا تن من دھن سب کچھ اس کے سپرد کر دے، لیکن جب اس کے اہل خانہ کی ذمے داری بیوی کے کمزور کندھوں پر آ پڑے گی تو پھر اس کی زندگی کا ستارہ گردش کرنے لگے گا اور وہ غلطی کا شکار ہو جائے گی اور جب اہل خانہ اس سے کوئی رکاوٹ محسوس کریں گے تو پھر اطمینان کی سانس لینا بھی اس کے لیے دوبھر ہو جائے گا۔ ایسی صورت میں اس کی حیثیت کم سے کم تر ہو جائے گی اور اس کا سارا ناز نخرا کھڑاؤں کی دھول کی طرح منتشر ہو جائے گا۔ اگر اس کے بطن سے کوئی بدصورت بچہ جنم لے گا تو احمقوں کی فہرست میں اس عورت کے ایک نام کا اضافہ ہو جائے گا اور اگر کوئی شریف بچہ جنم لے گا تو پھر ایسے گھرانے میں اس کی بدقسمتی اس کا ساتھ چھوڑنے کو تیار نہ ہو گی۔ لہٰذا اے والد محترم! اس رشتہ کو نامنظور کر دیجیے۔

جہاں تک دوسرے آدمی ابو سفیان بن حرب کی بات ہے تو وہ عفت مآب، آزاد اور شرمیلی دوشیزہ کا شوہر بننے کے لیے بالکل مناسب ہے، اور ہاں

میں بھی اس کے خاندان کا ایک ایسا فرد بن کر رہوں گی کہ اسے میرے خلاف غیرت کھانے کا موقع ہی نہ ملے گا (یعنی بالکل پاکدامن رہوں گی اور اپنی ساری توجہ اپنے شوہر ہی پر مرکوز رکھوں گی) اور خاندان کو میری طرف سے کوئی شکایت نہ ہوگی تاکہ میرے ہونے والے شریک حیات کو اس کی طرف سے کسی نقصان کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ میں ایسے غیرت مند آدمی سے شادی پر اتفاق کرتی ہوں۔ سو ابو جان! آپ میری شادی اسی سے کر دیجیے۔''

بیٹی کا یہ دور رس تجزیہ سننے کے بعد عتبہ بن ربیعہ نے بیٹی کی شادی ابوسفیان ابن حرب سے کر دی۔

یہ وہی ہند ہے جو ایک وقت میں اللہ کے رسول ﷺ کی سب سے بڑی دشمن تھی۔ غزوۂ بدر میں اس کا باپ عتبہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں واصل جہنم ہوا تو اس نے انتقام لینے کی ٹھانی' چنانچہ غزوۂ احد سے پہلے وحشی کو اسی نے بدلہ لینے کے لیے تیار کیا تھا۔ خود عورتوں کے ایک وفد کی قیادت کرتی ہوئی احد میں شریک ہوئی۔ پھر وقت آیا کہ فتح مکہ کے بعد اس نے اسلام قبول کر لیا۔ چھپتی ہوئی اللہ کے رسول ﷺ کے پاس بیعت کے لیے آئی۔ جب آپ نے اسلام کی شرائط میں ذکر فرمایا کہ زنا نہیں کرنا تو بے اختیار پکار اٹھی کہ کیا آزاد عورت بھی ایسی گھٹیا حرکت کی مرتکب ہو سکتی ہے؟! اس خاتون کے بطن سے ایک ایسی شخصیت نے جنم لیا جو عرب کی نہایت ذہین و فطین' متحمل مزاج اور کامیاب سیاسی شخصیت تھی' جس کو دنیا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام سے جانتی ہے۔

خلیفہ کو دعا یا بد دعا؟

ایک عورت ہارون الرشید (170ھ تا 193ھ) کی خدمت میں حاضر ہوئی۔اس وقت ہارون الرشید کے خاص اصحاب اس کے ہمراہ بیٹھے ہوئے تھے۔عورت کہنے لگی:

«يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! أَقَرَّ اللّٰهُ عَيْنَكَ وَفَرَّحَكَ بِمَا أَعْطَاكَ، لَقَدْ حَكَمْتَ فَقَسَطْتَ».

اس کے ظاہری معنی کچھ یوں بنتے ہیں:

''اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائے اور آپ کو جو کچھ دے رکھا ہے اس کے ذریعے آپ کو خوش رکھے۔آپ نے فیصلہ دیا تو بلاشبہ آپ نے انصاف سے کام لیا۔''

یہ سن کر ہارون الرشید نے پوچھا: ''اے خاتون! تمہارا تعلق کس خاندان سے ہے؟''

عورت نے جواب دیا: 'آل برمک میں سے ہوں جن کے مردوں کو آپ نے قتل کروا دیا اور ان کے اموال کو ہڑپ کر لیا۔''

ہارون الرشید کہنے لگا: ''جہاں تک مردوں کی بات ہے تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر گزر چکی ہے اور جو ہونا تھا ہو گیا، لیکن اموال موجود ہیں،

یہ لے جاؤ۔ تمہارے سارے اموال تمہیں واپس کیے جا رہے ہیں۔'' پھر ہارون الرشید حاضرین کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا:

«أَتَدْرُونَ مَا قَالَتْ هٰذِهِ الْمَرْأَةُ؟»

''آپ لوگوں کو معلوم ہوا کہ اس عورت نے کیا کہا تھا؟''

حاضرین نے جواب دیا: ''ہماری سمجھ کے مطابق تو اس نے خیر ہی کہا اور دعائیہ کلمات ہی کہے۔''

ہارون الرشید نے کہا: ''ایسا نہیں بلکہ اس عورت نے مجھے بددعا دی تھی۔ اس نے کہا: «أَقَرَّ اللّٰهُ عَيْنَيْكَ»، یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری آنکھوں کو حرکت کرنے سے روک دے۔ اور ظاہر ہے جب آنکھوں کی حرکت رک جائے گی تو ٹھنڈی ہو جائیں گی۔

عورت نے یہ جو کہا: «وَفَرَّحَكَ بِمَا أَعْطَاكَ» تو اس نے اسے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے اخذ کیا:

﴿حَتَّىٰٓ إِذَا فَرِحُوا بِمَآ أُوتُوٓا أَخَذْنَٰهُم بَغْتَةً﴾

''یہاں تک کہ جب وہ (گزشتہ لوگ) ان بخششوں میں جو انھیں عطا کی گئی تھیں خوب مگن ہو گئے تو اچانک ہم نے انھیں (اپنے عذاب میں) پکڑ لیا'' (الانعام:44)

اور عورت نے یہ جو کہا: «حَكَمْتَ فَقَسَطْتَ» تو اس نے اسے اللہ تعالیٰ کی اس آیت سے اخذ کیا:

﴿وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا﴾

''اور جو ظالم ہیں وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔'' (الجن: 15)

حاضرین ہارون الرشید کی ذہانت اور عربی دانی پر بہت خوش ہوئے۔

(نساء ذکیات جداً: 65' المستطرف: 363/1)

بوڑھیا کے ہشاش بشاش رہنے کا راز

ایک خاتون بڑھاپے کی منازل طے کر رہی تھی مگر اس کا چہرہ ہشاش بشاش اور انتہائی خوبصورت تھا۔ لگتا نہیں تھا کہ وہ کسی بوڑھی عورت کا چہرہ ہے بلکہ وہ چہرے مہرے سے جوان عورت معلوم ہوتی تھی۔ کسی نے پوچھا: آپ کی عمر لمبی ہو چکی ہے، بڑھاپے کے صحرا میں آپ کی زندگی کا سفر جاری ہے، مگر تعجب ہے کہ آپ کا چہرہ بہت ہی صاف وشفاف ہے۔ آخر آپ کیا طریقہ اختیار کرتی ہیں جس کے باعث آپ کا چہرہ جوان عورت کا چہرہ معلوم ہوتا ہے؟

بوڑھی خاتون نے جواب دیا: بہن! میں وہ طریقہ استعمال کرتی ہوں' جس سے اکثر و بیشتر خواتین ناواقف ہیں۔ میں نے یہ نسخہ کائنات کے سب سے بڑے معالج سے لیا ہے جس کے استعمال کے بعد انسانی خواہشات ختم ہو جاتی ہیں، حالانکہ انسانی خواہشات کا لامتناہی سلسلہ ختم ہونے میں نہیں آتا۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

«لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغَى ثَالِثًا وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ إِلَّا التُّرَابُ».

''اگر ابن آدم کو دو

وادیاں سونے اور چاندی کی مل جائیں
تو وہ تیسری وادی کی خواہش کرے گا۔ بات یہ ہے
کہ ابن آدم کا پیٹ صرف مٹی ہی بھر سکتی ہے۔"

(بخاری: 6436، مسلم: 1049)

میں بھی ہر روز میک اپ کرتی ہوں۔ میرے میک اپ کی تفصیل اس طرح سے ہے:

"میرے دونوں ہونٹوں پر حق غالب رہتا ہے، میری آواز کی گنگناہٹ ذکر واذکار ہے۔ میری آنکھوں کا میک اپ غضِ بصر (نگاہ کی پستی) ہے۔ میرے دونوں ہاتھوں کی سجاوٹ احسان کرنا ہے۔ میرے قدموں کی خوبصورتی استقرار و استقامت ہے۔ میرے دل کا قرار حب الٰہی ہے۔ میری عقل کا سنگار حکمت ودانائی ہے۔ میرے نفس کی غذا اطاعت وفرمانبرداری ہے۔ میری خواہش کی انتہا ایمان ہے۔ یہی میرا میک اپ ہے جس کو اپنانے پر میرے چہرے کو یہ رونق نصیب ہوئی ہے جو آپ کے سامنے ہے۔"

(اس کا مفہوم مجلۃ الفیصل: 134/15 میں دیکھیں)

خلیفہ کا خواب

علامہ ابن جوزی خلیفہ معتضد باللہ کے ایک خادم خاص کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ خلیفہ معتضد باللہ ایک روز دو پہر کے وقت قیلولہ کر رہا تھا اور ہم خدام اس کے پلنگ کے گرد تھے۔ یکا یک خلیفہ گھبرایا ہوا بیدار ہوا۔

خلیفہ نے کہا: ''تم لوگ جلدی سے دریائے دجلہ کی طرف جاؤ، وہاں پہلی کشتی جو خالی آتی دکھائی دے، اس کو روک کر وہیں محفوظ جگہ لنگر انداز کر دو اور اس کے ملاح کو پکڑ کر میری خدمت میں حاضر کرو۔''

خلیفہ کا حکم ملتے ہی ہم لوگ بلا وقت ضائع کیے دریائے دجلہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں ایک خالی کشتی آتی ہوئی دکھائی دی۔ ہم کشتی بان کو پکڑ کر خلیفہ کے دربار میں لائے۔ ملاح کی نظر جب خلیفہ پر پڑی تو وہ اتنا خوف زدہ تھا گویا ابھی اس کی جان نکل جائے گی۔ خلیفہ زوردار آواز میں گرجتے ہوئے بولا: ''اے ملعون! اس عورت کے بارے میں پوری باتیں سچ سچ بتلا جسے تو نے آج قتل کر کے اس کا سارا ساز وسامان چھین لیا ہے، ورنہ ابھی تیری گردن تن سے جدا کر دوں گا!!''

ملاح نے تھوڑا سا پس وپیش کیا مگر پھر جان کے خوف سے کہنے لگا: ''ہاں، اے امیر المومنین! میں صبح سویرے دجلہ

کے فلاں گھاٹ پر تھا، اتنے میں ایک خوبصورت عورت نمودار ہوئی۔ میں نے اس جیسی عورت کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس نے بڑا ہی عمدہ لباس پہن رکھا تھا، اس کے ہاتھ پاؤں اور گردن میں قیمتی زیورات اور ہیرے جواہرات تھے۔ میرے دل میں لالچ آ گیا، چنانچہ میں نے اس کو دھوکہ دے کر اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا اور پانی میں ڈبو کر مار ڈالا، پھر اس کے سارے کپڑے اور زیورات و جواہرات اس کے جسم سے اتار لیے۔ مجھے خدشہ ہوا کہ اگر یہ چیزیں لے کر اپنے گھر جاؤں گا اور اس عورت کے قتل کی خبر پھیلے گی تو یہ اشیاء میری گرفتاری کا سبب بن جائیں گی، اس لیے میں نے واسط (کوفہ اور بصرہ کے درمیان ایک شہر) کی طرف بھاگ جانا چاہا، مگر راستے میں آپ کے سپاہیوں نے ہلہ بول دیا اور مجھے پکڑ کر آپ کے پاس لے آئے۔''

خلیفہ نے پوچھا: اس عورت کے زیورات اور دیگر اشیاء کدھر ہیں؟

ملاح نے بتایا: کشتی کے نچلے خانوں میں چھپا کر رکھے ہیں۔

خلیفہ نے وہ سارے زیورات اپنے سپاہیوں سے کہہ کر منگوائے۔ بہت سا زیور تھا۔ سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس جگہ جہاں ملاح نے عورت کو ڈبویا تھا، اسے بھی پانی میں ڈبو کر مار دیا جائے۔

سپاہیوں نے حکم کی تعمیل کی اور اسے پانی میں ڈبکیاں دے

دے کر مار ڈالا۔

پھر خلیفہ نے اعلان کروا دیا کہ جو کوئی اس مقتول عورت کا وارث ہے وہ آ کر عورت کے زیورات لے جائے۔

یہ اعلان بغداد کے بازاروں میں تین دنوں تک ہوتا رہا۔ تین دنوں کے بعد عورت کے گھر والے خلیفہ کے دربار میں حاضر ہوئے، خلیفہ نے انہیں عورت کے زیورات اور لباس وغیرہ دے دیے۔

پھر خلیفہ کے خادم نے پوچھا: اے امیر المومنین! آخر آپ کو اس راز کا پتہ کیسے چل گیا؟

خلیفہ نے کہا: خواب میں مجھے ایک شخص پکار کر کہہ رہا تھا:

"اے احمد! اے احمد! اس وقت سب سے پہلے جو ملاح کشتی لے کر آئے اس کو گرفتار کر لو اور اس سے اس عورت کے متعلق دریافت کرو جس کو اس نے آج قتل کر کے اس کا سارا سامان چھین لیا ہے، پھر اس پر حد جاری کرو۔ میں نے اسی خواب پر عمل کیا اور جو کچھ حقیقت تھی تم نے دیکھ ہی لی۔"

(دیکھیے: المنتظم لابن الجوزی (312/12) دار الکتب العلمیہ)

ایسا بھی ہوتا ہے؟

شیخ ابوالوفاء بن عقیل کہتے ہیں:

میرے ایک دوست نے مجھے بتلایا کہ ایک عورت شام کے وقت ایک نوجوان کنوارے کپڑا فروش کی دکان کے دروازے کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ جب وہ دکان بند کرنے لگا تو اسے وہ عورت نظر آ گئی۔

دکاندار: اللہ کی بندی! شام کے وقت تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ کیا پریشانی ہے؟

عورت: میں کسی سہارے کی تلاش میں ہوں، میرے پاس کوئی رہائش نہیں۔

دکاندار: تم میرے ساتھ گھر چل سکتی ہو جہاں تمہیں آج کی رات گزارنے کا موقع مل جائے گا۔

عورت: ٹھیک ہے۔

دکاندار اس عورت کو لے کر اپنے گھر گیا، بات چیت ہوئی اور نوجوان نے خود ہی پیشکش کر دی: کیوں نہ میں تم سے شادی کر لوں؟

عورت نے اس کی پیشکش قبول کر لی۔ گواہوں کو بلایا گیا۔ امام مسجد آیا اُس نے نکاح پڑھا اور دونوں کی شادی ہو گئی۔

شادی کے بعد تین دن گزرے تھے کہ چوتھے دن دکاندار کے گھر ایک آدمی چند عورتوں کو لے کر آیا۔ دکاندار نے پوچھا: آپ لوگ کون ہیں؟

کہاں سے آئے ہیں؟ کیا مقصد ہے؟

آنے والوں نے بتایا: ہم سب اس لڑکی کے قریبی رشتہ دار ہیں' اس کے چچا زاد بھائی بہن ہیں۔ جب ہمیں آپ کے بارے میں معلوم ہوا کہ آپ نے ہماری رشتہ دار لڑکی کی زندگی کو سہارا دیا ہے اور اس کو اپنا شریک حیات بنا لیا ہے تو ہمیں بہت ہی زیادہ خوشی ہوئی اور آپ کی شرافت اور اعلیٰ کردار سے ہم بہت متاثر ہوئے۔ ہمارے یہاں آنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے گھر ایک شادی ہے جس میں آپ کی بیوی کی شرکت ناگزیر ہے' اس لیے ہم اسے چند دنوں کے لیے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں' آپ اگر اسے ہمارے ساتھ جانے دیں تو مہربانی ہوگی۔

دکاندار ان کی باتیں سن کر اپنی بیوی کے پاس گیا اور اسے ان کی خواہش سے آگاہ کیا۔

بیوی نے کہا: ان کو واپس کردو' مجھے ان کے ہمراہ ہرگز نہ بھیجنا' ان کے سامنے یہ کہہ کر قسم کھالو کہ اگر میری بیوی ایک ماہ سے پہلے میرے گھر سے نکلی تو میں اس کو طلاق دیتا ہوں۔ کیونکہ یہ لوگ مجھے واپس لے جائیں گے تو تمہارے خلاف ورغلائیں گے؟ چونکہ میں نے ان کی اجازت کے بغیر تم سے شادی کر لی ہے اور ان کا گھر

چھوڑ کر آئی ہوں، نہ معلوم انہیں ہمارا پتہ کس نے بتا دیا!!

بیوی کی بات سن کر دکاندار گھر سے باہر نکلا اور مہمانوں کے سامنے بیوی کے مشورے کے مطابق طلاق کی قسم بھی کھالی کہ اگر یہ ایک ماہ سے پہلے گھر سے نکلی تو اس کو تین طلاقیں۔ مہمان لوگ مایوس ہو کر واپس چلے گئے۔

نوجوان حسب معمول اپنی دکان پر چلا گیا مگر اس کا ذہن اور خیال مسلسل اپنی بیوی کی طرف تھا۔ اس کا کاروبار میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ ادھر اس کی بیوی اس کی عدم موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے گھر سے کچھ لیے بغیر اپنے گھر چلی گئی۔ جب دکاندار گھر واپس آیا تو دیکھا کہ بیوی گھر میں موجود نہیں ہے۔ جب وہ ڈھونڈنے لگا تو کسی نے اسے بتایا کہ عورت اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئی۔

شیخ ابوالوفاء کہتے ہیں: شاید اس عورت نے اپنے پہلے شوہر کے لیے حلال ہونے کی خاطر یہ ڈرامہ کیا تھا جس نے اسے تین طلاقیں دے دی تھیں۔ لوگوں کو چاہئے کہ وہ اس قسم کے مکر وفریب سے ہوشیار رہیں اور لوگوں کے حیلوں اور بہانوں کے اسرار ورموز کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ (۱)

---

(۱) دیکھئے: کتاب الاذکیاء (ص: 261) نساء ذکیات جدًا

حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ کی تدبیر

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے جب خیبر فتح کیا تو حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ خدمت نبوی میں حاضر ہو کر اسلام میں داخل ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مکہ مکرمہ میں میرے مال و جائداد اور اہل خانہ ہیں، میں وہاں جانا چاہتا ہوں۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر اس لیے ہوا ہوں کہ آپ مجھے مکہ میں آپ کے متعلق کچھ باتیں کہنے کی اجازت دے دیں اور یہ بھی اجازت مرحمت فرمائیں کہ میں اہل مکہ کے سامنے وہ باتیں کہوں جن کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں ہے؟

رسول اکرم ﷺ نے حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ کو اجازت دے دی کہ مکہ والوں سے جو چاہیں کہہ سکتے ہیں اور فرمایا:

«قُلْ وَأَنْتَ فِي حِلٍّ». (احمد: 450/3، دارمی: 61/2، بیہقی: 320/5، حاکم: 483/1)

''جو چاہو کہو، تمہارے لیے اجازت ہے''

حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ سے اس بات کی اجازت اسلیے طلب کی کہ انہیں خدشہ تھا کہ کہیں اہل مکہ ان کے اسلام کی خبر پا کر ان کا سارا مال ہڑپ نہ کر جائیں۔

نبی کریم ﷺ سے اجازت ملتے ہی حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئے اور مکہ پہنچ کر لوگوں میں یہ بات پھیلا دی کہ محمد (ﷺ) گرفتار ہو گئے اور ان کے ساتھیوں میں سے ایک بڑی تعداد قتل کر دی گئی۔ پھر اپنی بیوی کے پاس پہنچے اور کہا: جو کچھ بھی تیرے پاس درہم و دینار، ہیرے جواہرات اور سونا چاندی ہیں، جلدی سے میرے حوالہ کر دو تا کہ میں وقت ضائع کیے بغیر خیبر پہنچ جاؤں اور وہاں سے محمد اور ان کے ساتھیوں سے حاصل شدہ مال غنیمت خرید لاؤں جو مستقبل میں ہماری مضبوط معیشت کی بنیاد بن سکے۔

آہستہ آہستہ یہ خبر مکہ کی گلیوں میں گشت کرنے لگی اور سرداران قریش نے اس خوش کن خبر کو غنیمت سمجھتے ہوئے اپنی مجالس کا موضوع بنا لیا۔ ہر کوئی خوشی سے بغلیں بجا رہا تھا۔ پورے مکہ میں طرح طرح کی باتیں ہو رہی تھیں۔

حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ کی غیر حقیقی خبر گویا ان کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی اور وہ خوشی سے جھوم اٹھے۔

اس کے برعکس مکہ مکرمہ میں موجود نہتے مسلمانوں کا حال یہ تھا کہ وہ رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے متعلق اس خبر سے سخت پریشان ہوئے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ایسا ہو سکتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ کے بارے میں مسلمانوں کے کانوں سے اس افواہ کا ٹکرانا کہ محمد (ﷺ) گرفتار کر لیے گئے اور ان کے بہت سارے صحابہ مقابلے میں نکلنے والے ہتھیار پوش جنگجوؤں کی تلواروں کا لقمہ بن گئے، کوئی معمولی بات نہ تھی۔ مسلمانوں کے لیے مکہ کے عظیم پہاڑوں کو مدینہ تک اور مدینہ کے بڑے بڑے پہاڑوں کو مکہ تک چلچلاتی دھوپ میں پیادہ پا چل کر طے کر لینا آسان تھا مگر انہیں یہ قطعاً گوارا نہیں تھا کہ لمحہ بھر کے لیے بھی رسول کریم ﷺ کو کوئی تصوراتی زک بھی پہنچے!!

مسلمانوں کے رنج و غم کی اس کیفیت میں رسول اکرم ﷺ کے چچا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سرفہرست تھے جنہوں نے مورخین اسلام کے قول کے مطابق مکہ ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا لیکن مصلحت کے پیش نظر اپنا اسلام مکہ والوں سے چھپائے ہوئے تھے۔ کانوں کان جب رسول اکرم ﷺ کی گرفتاری اور صحابہ کرام کے قتل کی جھوٹی خبر ان تک پہنچی تو مارے غم کے کلیجہ تھامے اسی جگہ بیٹھ گئے جہاں کھڑے تھے، پھر اٹھنا چاہا مگر طاقت یک دم جواب دے چکی تھی جس کی وجہ سے اٹھ نہ سکے۔

مورخین کا بیان ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اس صدمہ سے لیٹ گئے، اور اپنے

سینہ پر اپنے چھوٹے صاحبزادے قثم کو

بٹھا لیا۔ پھر غم کو ہلکا کرنے کے لیے شعر گنگنانے لگے

اور ایک غلام کے ذریعہ حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا۔

حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ نے غلام کو یہ کہہ کر بھیجا: جا کر ابوالفضل کو میرا اسلام دو

اور ان سے کہو کہ اپنے گھر کا کوئی کمرہ خالی کرالیں تاکہ میں ان سے تنہائی میں

بات کرسکوں، نیز یہ بھی بتادینا کہ میرے پاس ان کے لیے خوش خبری ہے۔

غلام واپس آیا، اور دروازے پر پہنچتے ہی کہنے لگا: اے ابوالفضل! خوشخبری قبول

فرمائیں۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ یہ سنتے ہی خوشی سے اچھل پڑے اور غلام کی پیشانی پر بوسہ دے کر

پوچھا: عزیز من! کیا خوشخبری ہے؟

غلام نے انہیں حجاج بن علاط کے پیغام سے آگاہ کیا۔ خوشخبری کا لفظ سنتے ہی

ابوالفضل عباس رضی اللہ عنہ نے اسے آزاد کردیا۔

اسی دوران حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں

پہنچ گئے اور انہیں یہ خوشخبری سنائی کہ میں نے تو افواہ پھیلا رکھی

ہے۔ حقیقی خبر تو یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر فتح کر

چکے ہیں۔

اہل خیبر کی جائداد مسلمانوں کے قبضہ میں ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے مال غنیمت کو صحابہ کرام میں تقسیم کر دیا ہے اور اپنے لیے قبیلہ کے سردار کی صاحبزادی صفیہ بنت حیی کو منتخب کر لیا ہے۔ صفیہ نے بھی رسول اکرم ﷺ کو بحیثیت شوہر قبول کر لیا ہے اور خود کو امہات المومنین کی فہرست میں شامل کر لیا ہے۔ اور اے ابوالفضل! سچی بات تو یہ ہے کہ میں مکہ اس لیے آیا ہوں تا کہ یہاں سے اپنا مال اٹھا لے جاؤں، کیونکہ مجھے خدشہ ہے کہ اگر وہ میرے اسلام کے بارے میں جان جائیں گے تو میرا مال مجھے واپس نہیں کریں گے۔ میں نے رسول اکرم ﷺ سے اس بات کی اجازت لی ہوئی ہے کہ میں جو چاہوں کہہ سکتا ہوں' لہٰذا آپ سے گزارش ہے کہ آپ اس حقیقت کو تین دنوں تک صیغۂ راز میں رکھیں۔ جب میں مکہ سے چلا جاؤں' بعد میں بیشک مکہ والوں کو بتا دیں۔

اُدھر حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ کی بیوی نے شوہر کی بات سن کر اپنی کل دولت جمع کی، تھیلی میں اپنے سارے زیورات اور جو کچھ نقدی تھی رکھے اور سب کچھ شوہر کے حوالے کر دیا۔ حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ نے تھیلی لی اور مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔

تین دن کا وقفہ گزرنے کے بعد

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ

حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے اور پوچھا: تمہارے شوہر کا کیا حال ہے؟ اس نے پوری داستان حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو سنائی کہ (صلی اللہ علیہ وسلم) محمد گرفتار ہو گئے اور ان کے ساتھیوں کو قتل بھی کر دیا گیا اور خیبر والوں نے ان کے اموال پر قبضہ کر لیا ہے۔ میرے شوہر مال غنیمت خریدنے گئے ہیں تاکہ سستے داموں انہیں کافی سودامل جائے۔ پھر بولی: اے ابوالفضل! اللہ تعالیٰ آپ کا غم ہلکا کر دے۔ ہمیں معلوم ہے کہ یہ خبر ضرور آپ پر گراں گزری ہوگی۔ ہمیں آپ کی تکلیف سے رنج پہنچا ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: یقیناً اللہ تعالیٰ مجھے رنج وغم سے محفوظ رکھے گا۔ تجھے میں اتنا بتانا چاہوں گا کہ اللہ تعالیٰ نے خیبر کو اپنے رسول کے ہاتھوں فتح کرا دیا ہے، ان کے اموال مسلمانوں کے قبضہ میں آ چکے ہیں اور سردار کی بیٹی صفیہ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجیت میں شامل کر لیا ہے۔ اب مجھے کہنا یہ ہے کہ اگر تجھے بھی اپنا شوہر محبوب ہے تو اس کے پاس چلی جا۔

حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ کی بیوی نے کہا: میں آپ کو قسم دے کر پوچھتی ہوں کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں؟

حضرت عباس نے کہا: اللہ کی قسم!

میں سچی خبر دے رہا ہوں۔ بات وہی

ہے جو میں نے تجھے بتادی ہے۔

پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ قریش کی مجلس میں آئے۔ قریش نے

دیکھتے ہی ان سے کہا: ابوالفضل! کبیدہ خاطر نہ ہوں، آپ کو

خیر اور بھلائی ہی پہنچے گی۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کے جواب میں فرمایا: اللہ کا شکر ہے کہ مجھے خیر اور بھلائی ہی پہنچی ہے، اور میں تمھیں ایک خبر دینے آیا ہوں، وہ یہ کہ حجاج بن علاط نے مجھے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خیبر کو اپنے رسول کے ہاتھوں فتح کرا دیا ہے۔ اہل خیبر کی جائداد مسلمانوں میں تقسیم کی جا چکی ہے اور سردارِ قوم کی صاحبزادی اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ بن چکی ہے۔ دراصل میں نے تین دنوں تک یہ خبر اس لیے چھپا رکھی تھی، کیونکہ حجاج ابن علاط نے مجھے یہ بتاتے ہوئے شرط لگا دی تھی کہ میں اس کے جانے کے بعد تین دنوں سے پہلے یہ راز افشا نہ کروں۔ حجاج تو صرف اپنا مال لینے مکہ آیا تھا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی گفتگو سنتے ہی کفار مکہ کی خوشیاں ختم ہو گئیں، رنج و غم سے ان کے منہ لٹک گئے۔ اس کے برخلاف مسلمانوں کے رنج و غم کا بادل چھٹ گیا اور فرحت و شادمانی سے ان کے چہرے چمکنے دمکنے لگے۔[1]

---

(۱) دیکھیے: اخبار الاذکیا، ابن جوزی ص: 63، اسد الغابۃ: 1083

ایک عورت کا مکر

ایک تاجر اپنی زندگی کے تجربات بیان کرتے ہوئے کہنے لگا کہ ہم قاہرہ میں مختلف ممالک کے تاجر تجارت کی غرض سے جمع تھے۔ سارا دن ہم بازاروں میں کاروبار کرتے، شام ہوتی تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے منسوب مسجد میں جمع ہو جاتے۔ آپس میں تبادلہ خیالات کرتے۔ ایک دوسرے کو کاروباری حالات سے آگاہ کرتے۔ ایک دن ہم حسب معمول مسجد میں بیٹھے گفتگو کر رہے تھے کہ قریبی ستون کے پاس ایک عورت نظر آئی۔ بغداد کا ایک تاجر ذرا تیز طرار تھا، وہ اس عورت کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ اللہ کی بندی! تم یہاں کیوں بیٹھی ہو؟ کوئی مسئلہ ہو تو بتاؤ، شاید ہم لوگ تمہاری مدد کر سکیں۔

وہ کہنے لگی: دراصل بات یہ ہے کہ دس سالوں سے میرا شوہر غائب ہے۔ مجھے اس کے متعلق اب تک معلومات حاصل نہیں ہو سکیں کہ وہ ہے کہاں۔ اب میری زندگی تن تنہا گزر رہی ہے، میرے پاس نان ونفقہ بھی نہیں ہے، اس لیے میں قاضی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی کہ وہ کوئی مناسب رشتہ دیکھ کر میری شادی کر دیں تاکہ مشکلات زندگی کا کوئی حل نکل سکے۔ مگر قاضی صاحب نے میری شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ ایسی صورتحال میں میں کیا کروں؟ میں ایک ایسے آدمی کی تلاش میں ہوں جو قاضی کے پاس چل کر خود بھی شہادت دے اور اپنے ساتھیوں سے بھی شہادت دلوائے کہ میرا شوہر انتقال کر چکا ہے، یا مجھے طلاق دے چکا ہے تاکہ میں کسی طرح شادی کر سکوں، یا کم از کم وہ قاضی کے پاس چل کر یہ کہہ دے کہ یہ میری بیوی ہے اور میں اس کو طلاق دیتا ہوں تاکہ عدت گزرنے کے بعد میں دوسری شادی کر لوں۔ تاجر

نے یہ سن کر عورت سے کہا: تم مجھے ایک دینار دو، اس کے عوض میں قاضی کے سامنے اقرار کرلوں گا کہ تم میری بیوی ہو اور پھر قاضی کے سامنے تمہیں طلاق بھی دے دوں گا۔

عورت نے روتے روتے چند سکے نکالے جو ایک دینار سے بھی کم تھے، اور کہنے لگی: اللہ کی قسم! میرے پاس ان سکوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

تاجر نے عورت سے وہ سکے لے لیے اور اگلے دن قاضی کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔

ہم دیگر تجار دن بھر اپنے اس بغدادی ساتھی کا انتظار کرتے رہے مگر وہ اس دن نہیں آیا۔ اگلے دن جب وہ ہمارے پاس آیا تو ہم نے اس سے دریافت کیا: کل تم کہاں چلے گئے تھے؟ ہم تمھارا انتظار کرتے رہے۔ ہمیں بتاؤ کیا واقعہ پیش آیا۔

وہ کہنے لگا: چھوڑو جی، تمہیں میری کل کی غیر حاضری سے کیا لینا دینا۔ میرے ساتھ جو بیتی وہ میں بتلانا پسند نہیں کرتا کہ اس میں میری سبکی ہے۔ ہم لوگوں نے اسے مجبور کیا اور کہا: نہیں نہیں، حقیقت حال سے آگاہ کرو، ہمیں ضرور بتلاؤ۔

وہ ہمیں بتانے لگا: میں اس عورت کے ساتھ قاضی کی خدمت میں حاضر ہوا تو عورت نے قاضی کے سامنے بیان دیا کہ یہ میرے شوہر ہیں جو دس سال سے غائب تھے...... اب میں اپنے اس شوہر سے طلاق چاہتی ہوں، اس لیے قاضی صاحب ہمارے درمیان جدائی کرادیں۔ قاضی صاحب کے دریافت کرنے پر میں نے عورت کی ساری باتوں کی تصدیق کردی۔ چنانچہ قاضی عورت سے مخاطب ہوا:

کیا تم اپنے شوہر کو اپنے تمام حقوق سے بری کرتی ہو؟

کہنے لگی: نہیں نہیں، اللہ کی قسم! میرا اس پر حق مہر ہے، نیز دس سالوں کے نان ونفقہ کی ذمہ داری بھی اس پر عائد ہوتی ہے۔ میں دس سال اس کا انتظار کرتی رہی، اس لیے میں اپنے حقوق سے دستبردار نہیں ہو سکتی!!

عورت کا بیان سننے کے بعد قاضی میری طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا: دیکھو میاں! اپنی بیوی کا حق دے دلا کر اسے فارغ کر دو، یا چاہو تو اپنے ہی نکاح میں رکھو۔

میں قاضی کا فیصلہ اور اس مکار عورت کا فریب دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اب صورت یہ بن گئی کہ میں اپنے بیان سے مکر بھی نہیں سکتا تھا اور نہ ہی حقیقت بتانے میں میری خلاصی نظر آ رہی تھی۔ میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں کہ اچانک قاضی نے پولیس بلا کر مجھے اس کے حوالے کر دیا کہ اس سے عورت کے حقوق لے کر دیے جائیں۔ پولیس آفیسر نے مجھے حکم دیا کہ میں اس عورت کو بیس دینار دے دوں تو جان بخشی ہو سکتی ہے۔ میرے پاس کوئی حل نہ تھا میں نے بڑی خاموشی سے بیس دینار نکالے اور اس عورت کے حوالے کر دیے۔ اور یوں مجھے چند ٹکوں کے عوض بیس دینار کا نقصان بھگتنا پڑا۔ نیز بھری عدالت میں میری جو ذلت و رسوائی اور سبکی ہوئی وہ اس کے علاوہ ہے۔

ادھر ہماری حالت یہ تھی کہ ہنستے ہنستے ہمارا برا حال ہو رہا تھا۔ پھر ہمارا وہ بغداد والا ساتھی مارے شرم و ندامت کے جلد ہی اپنے گھر لوٹ گیا۔ اس کے بعد ہماری اس سے ملاقات نہ ہو سکی۔[1]

---

(1) دیکھیے: کتاب الأذکیاء، ص: 260، نساء ذکیات جزء: 1، 101-102

اس خنجر کا کیا کرو گی؟

ام سلیم بنت ملحان رضی اللہ عنہا وہ مسلم خاتون ہیں جن کی زندگی میں امت مسلمہ کی خواتین کے لیے بہت سے دروس اور نصائح موجود ہیں۔ ان کے اسم گرامی کے بارے میں مؤرخین میں اختلاف ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں ان سے منسوب اسماء یہ ہیں: سہلہ، اُمیہ، رُمیثہ، ملیکہ، غمیصاء یا رمیصاء۔

ان کی شادی زمانہ جاہلیت ہی میں مالک بن نضر کے ساتھ ہوئی تھی جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو صحابہ کرام میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے نام سے معروف ہے۔ انصاریوں میں سے جن لوگوں نے اسلام قبول کرنے میں پہل کی، ان میں ام سلیم رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔ جب انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا تو ان کا شوہر مالک بن نضر آگ بگولا ہو گیا جو ان دنوں کسی سفر پر تھا۔ سفر سے واپس آتے ہی گرجتے ہوئے پوچھا: «أَصَبَوْتِ؟» ''کیا تو اپنے دین سے مرتد ہو گئی؟'' ام سلیم رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: «مَا صَبَوْتُ وَلٰكِنِّي آمَنْتُ» ''میں بے دین نہیں ہوئی بلکہ میں نے اسلام قبول کر لیا اور مومنہ بن گئی ہوں۔''

ام سلیم رضی اللہ عنہا اپنے لاڈلے انس کو خوب خوشی خوشی کھلاتی تھیں اور بچے کو بار بار تلقین کرتی تھیں کہ کہو: ''لا إله إلا الله، محمد رسول الله'' اور چھوٹا سا بچہ لڑکھڑاتی زبان سے یہ جملہ ادا کرنے کی کوشش کرتا جیسا کہ اس عمر کے معصوم بچے سکھلائی ہوئی بات کی زبان سے ادائیگی کرتے ہیں۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے شوہر نے سوچا کہ اس کا

ننھا سا بچہ بھی ماں کے نقش قدم پر چل پڑے گا کیونکہ بچوں کی پرورش میں ماؤں کا کردار بہت ہی نمایاں ہے۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا بچے کو ایمان واسلام کی تلقین کیے جا رہی تھیں، لہٰذا شوہر نے ڈانٹ کر بیوی سے کہا:

«لَا تُفْسِدِي عَلَيَّ ابْنِي».

''میرے بچے کو بگاڑنے کی کوشش نہ کرو''

ام سلیم رضی اللہ عنہا اس کے جواب میں کہتیں: میں اپنے بچے کو بگاڑ نہیں رہی ہوں بلکہ اس کی زندگی سنوار رہی ہوں۔ پھر کچھ دنوں بعد ان کا شوہر مالک بن نضر ملک شام کی طرف کسی کام سے نکلا۔ وہاں اس کے کسی دشمن نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جب شوہر کی موت کی خبر ام سلیم رضی اللہ عنہا کو پہنچی تو انہوں نے کہا: کوئی بات نہیں، میں اس وقت تک اپنے صاحبزادے کا دودھ نہیں چھڑاؤں گی جب تک کہ وہ خود ہی نہ چھوڑ دے، اور جب تک وہ بڑا ہو کر لوگوں کی مجلسوں میں اٹھنے بیٹھنے کے قابل نہیں ہو جاتا، میں دوسری شادی بھی نہیں کروں گی، اس لئے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے:

«جَزَى اللهُ أُمِّي عَنِّي خَيْرًا، لَقَدْ أَحْسَنَتْ وَلَايَتِي».

''اللہ تعالیٰ میری طرف سے میری والدہ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔
انہوں نے میری پرورش و پرداخت کا حق ادا کر دیا۔''

جب ان کی عدت پوری ہوگئی تو ابوطلحہ جو اس وقت مشرک تھے، انہوں نے ام سلیم رضی اللہ عنہا کو پیغام نکاح دیا۔ مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

ابوطلحہ نے اسلام قبول کرنے سے قبل ام سلیم رضی اللہ عنہا کو پیغام نکاح دیا تو انھوں نے کہا:

«يَا أَبَا طَلْحَةَ! أَلَسْتَ تَعْلَمُ أَنَّ إِلٰهَكَ الَّذِي تَعْبُدُ نَبَتَ مِنَ الْأَرْضِ؟».

''اے ابوطلحہ! کیا تم دیکھتے نہیں کہ تمہارا معبود زمین کی پیداوار ہے؟''

ابوطلحہ نے جواب دیا: ہاں!

ام سلیم نے کہا:

«أَفَلَا تَسْتَحْيِي تَعْبُدُ شَجَرَةً! إِنْ أَسْلَمْتَ فَإِنِّي لَا أُرِيدُ مِنْكَ صَدَاقًا غَيْرَهُ».

''تمہیں کسی درخت کے آگے سر جھکاتے ہوئے شرم نہیں آتی!! اگر تم اسلام قبول کرلو تو تمہارا اسلام ہی میرا حق مہر ہوگا۔''

ایک روایت کے مطابق انہوں نے پیغام نکاح کے جواب میں کہا:

«أَمَا إِنِّي إِلَيْكَ لَرَاغِبَةٌ وَمَا مِثْلُكَ يُرَدُّ، وَلٰكِنَّكَ رَجُلٌ كَافِرٌ وَأَنَا امْرَأَةٌ مُسْلِمَةٌ فَإِنْ تُسْلِمْ فَذَاكَ مَهْرِي لَا أَسْأَلُ غَيْرَهُ، فَأَسْلَمَ وَتَزَوَّجَهَا أَبُو طَلْحَةَ».

''میں تمہاری طرف راغب ہوں۔ تمہارے جیسے آدمی کے پیغام نکاح کو رد نہیں کیا جاتا مگر تم ایک مشرک ہو اور میں مسلمان، اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو مجھے مہر نہیں چاہیے۔''

ایک روایت کے مطابق انہوں نے جواب میں فرمایا:

«أَمَا تَسْتَحْيِي تَسْجُدُ لِخَشَبَةٍ تَنْبُتُ مِنَ الْأَرْضِ وَإِنَّمَا نَجَرَهَا حَبَشِيُّ بَنِي فُلَانٍ؟».

''کیا تمہیں لکڑی کے بنے ہوئے ایک بت کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہوئے شرم نہیں آتی' جس کا درخت زمین سے پیدا ہوا اور فلاں قبیلے کے ایک حبشی نے اسے گھڑ کر تیار کیا۔''

طبقات ابن سعد کی روایت کے مطابق ام سلیم رضی اللہ عنہا نے ابو طلحہ کا پیغام نکاح سن کر کہا تھا:

«إِنِّي قَدْ آمَنْتُ بِهٰذَا الرَّجُلِ وَشَهِدْتُ أَنَّهُ رَسُولُ اللّٰهِ، فَإِنْ تَابَعْتَنِي تَزَوَّجْتُكَ».

''میں اس آدمی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لائی ہوں، اور میں نے گواہی دی ہے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ اگر تم میرے نقش قدم پہ چلتے ہوئے اسلام میں داخل ہو جاؤ تو میں تم سے شادی کر لوں گی''۔

ابو طلحہ نے ام سلیم رضی اللہ عنہا کا دو ٹوک فیصلہ سن کر کہا: اچھا مجھے اپنے معاملہ میں سوچ بچار کر لینے دو، پھر انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا اور کہا: «فَأَنَا عَلٰى مَا أَنْتِ عَلَيْهِ». ''میں بھی اسی دین پر ہوں جس پر تم ہو۔''

ان تمام جوابات پر غور کریں، ام سلیم رضی اللہ عنہا کا عقیدہ کتنا زبردست تھا اور اسلام سے محبت کتنی شدید۔

پھر ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کی ام سلیم رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی ہو گئی اور اسلام مہر قرار پایا۔

ام سلیم رضی اللہ عنہا کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ محبت تھی' ان کی خواہش تھی کہ ان کا بچہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ تربیت میں پروان چڑھے۔ ان کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ازحد محبت اور لگاؤ کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ ایک مرتبہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے انس رضی اللہ عنہ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر کے کہا: ''اے اللہ کے رسول! یہ انس میرا بیٹا آپ کا خادم ہوگا، میں اسے آپ کی خدمت کے لیے وقف کر رہی ہوں۔ آپ اس کے لیے دعا فرمادیں۔'' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے لئے دعا فرمائی، فرمایا:

«اللَّهُمَّ أَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ، وَبَارِكْ لَهُ فِيمَا أَعْطَيْتَهُ».

''اے اللہ! اس کو کثرت سے مال اور اولاد عطا فرما اور جو کچھ تو اسے عطا فرمائے اس میں برکت نصیب فرما۔''

(سنن الترمذی حدیث: 3829' امام ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے)

اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو سو سے زیادہ بچے عطا فرمائے اور ان کے پاس ایک ایسا باغ تھا جو سال میں دو مرتبہ پھل دیتا تھا۔ اس باغ میں ایک خوشبودار پودا تھا جس کی خوشبو کستوری کی طرح تھی۔

جب ام سلیم رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوگئی تو میاں بیوی کے شب و روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کی اطاعت میں گزرنے لگے اور تقویٰ و پرہیزگاری اس گھر کی رونق بن گئی۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا کی زندگی کا وہ واقعہ امت مسلمہ سے تعلق رکھنے والی ماؤں کے لیے نہایت نصیحت آمیز ہے جب ان کے لختِ جگر کا

انتقال ہو گیا اور وہ کمال عقل و دانش سے اپنے شوہر کے درد کا مداوا بن گئیں، جبکہ آج کی عورتیں بچے کی وفات کی خبر سن کر واویلا کرنے لگتی اور حواس کھو بیٹھتی ہیں۔

قارئین کرام! آپ نے اللہ کے رسول ﷺ کی بچوں سے محبت کے حوالے سے ایک واقعہ یقیناً پڑھا ہو گا کہ ایک انصاری بچہ جس کا نام ابو عمیر تھا، چڑیا کی شکل و شباہت والے ایک پرندے نُغَیر سے کھیلا کرتا تھا۔ اتفاق کی بات کہ وہ پرندہ وفات پا گیا۔ ابو عمیر خاصا غمگین ہوا۔ اللہ کے رسول ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے، محبت سے اس کا کان پکڑا اور فرمایا:

«يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ».

''اے ابو عمیر! نغیر کو کیا ہوا؟''

اس بچے کی وفات کا واقعہ صحیح مسلم میں ہے۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ گھر سے باہر تھے، ان کا ایک بیٹا جو ام سلیم رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھا، ان کی عدم موجودگی میں وفات پا گیا۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ جب ابو طلحہ گھر آئیں تو تم لوگ انہیں بچے کی وفات کے بارے میں کچھ خبر مت دینا۔ جب ابو طلحہ رضی اللہ عنہ گھر آئے تو پوچھا: بچے کا کیا حال ہے؟ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا: اسے پہلے کی نسبت بہت آرام ہے۔ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ مطمئن ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد ام سلیم رضی اللہ عنہا نے ان کے سامنے رات کا کھانا پیش کیا۔ جب وہ کھانا کھا چکے تو ام سلیم رضی اللہ عنہا نے خاص اہتمام سے بناؤ سنگار کیا، اور پھر وظیفۂ زوجیت ادا کیا۔

جب انہوں نے دیکھا کہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ ہر طرح پرسکون ہیں تو وہ شوہر سے یوں گویا ہوئیں:

«أَرَأَيْتَ لَوْ أَنَّ قَوْمًا أَعَارُوا عَارِيَتَهُمْ أَهْلَ بَيْتٍ فَطَلَبُوا عَارِيَتَهُمْ، أَلَهُمْ أَنْ يَمْنَعُوهَا؟».

''آپ بتائیں کہ اگر کچھ لوگ کسی گھر والوں کے مانگنے پر کوئی چیز عاریتاً دیں، پھر وہ اپنی چیز واپس مانگیں تو کیا گھر والوں کو اسے روکنے کا کوئی حق ہے؟''

ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہرگز نہیں۔

ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا: تو پھر آپ اپنے بچے کو بھی ویسا ہی تصور کریں۔

یہ سن کر ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سخت جھنجھلاہٹ کا شکار ہوئے اور کہنے لگے: تم نے مجھے پہلے خبر نہیں دی، یہاں تک کہ میں جنبی ہو گیا، اب جا کر میرے بیٹے کے متعلق بتا رہی ہو! پھر انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر حقیقت حال بیان کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا آپ لوگوں نے گزشتہ رات ازدواجی تعلق قائم کیا؟ عرض کیا: جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اللَّهُمَّ بَارِكْ لَهُمَا فِي لَيْلَتِهِمَا».

''اے اللہ! ان کی گزشتہ رات میں برکت عطا فرما۔''

چنانچہ آپ کی دعا کے نتیجے میں عبد اللہ بن ابو طلحہ کی پیدائش ہوئی۔

(بخاری: 5470، مسلم: 2144)

محدثین کرام نے لکھا ہے کہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس قسم کا رشتہ تھا جس سے وہ آپ سے پردہ نہیں کرتی تھیں، غالباً ننھیال کا رشتہ تھا' وہ خالہ تھیں یا رضاعی خالہ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گاہے بگاہے ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جایا کرتے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کچھ کھانے پینے کی چیزیں تیار رکھتیں اور آپ کو ہدیہ دیا کرتی تھیں۔ اور جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ام سلیم رضی اللہ عنہا کی ملاقات کو جاتے اور سو جاتے تو وہ آپ کے بدن سے نکلنے والا پسینہ بوتل میں جمع کر لیتیں اور اسے خوشبو کے ساتھ استعمال کرتی تھیں۔ (مسند احمد: 287/3)

ام سلیم رضی اللہ عنہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگوں میں بھی شریک ہوا کرتی تھیں۔ جنگ احد میں یہ بھی شریک تھیں اور پیاسے مجاہدین اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ فتح مکہ کے بعد جنگ حنین میں بھی یہ شریک تھیں۔ ان دنوں یہ حمل سے تھیں اور ان کے بطن میں عبداللہ بن ابی طلحہ تھے۔ حُنین کے دن انہوں نے اپنی کمر سے ایک خنجر لٹکا رکھا تھا۔ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے پوچھا:

«مَا هٰذَا الْخَنْجَرُ؟».

''اس خنجر کا کیا کرو گی؟''

ام سلیم نے جواب دیا:

«اتَّخَذْتُهُ إِنْ دَنَا مِنِّي أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ بَقَرْتُ بِهِ بَطْنَهُ».

''میں نے خنجر اس لیے تیار کیا ہے کہ اگر کوئی مشرک میرے قریب آئے گا تو اس سے میں اس کا پیٹ چاک کر دوں گی۔''

یہ سن کر رسول اکرم ﷺ نے تبسم فرمایا۔ (مسلم: 1809، مسند احمد: 286/3)

ام سلیم رضی اللہ عنہا کی دینی غیرت وحمیت ہی کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی زبانی انہیں دنیا ہی میں خوشخبری سنا دی تھی۔ صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا:

«دَخَلْتُ الْجَنَّةَ فَسَمِعْتُ خَشْفَةً، فَقُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ قَالُوا: هٰذِهِ الْغُمَيْصَاءُ بِنْتُ مِلْحَانَ أُمُّ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ»

''میں نے جنت کی سیر کی تو مجھے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ فرشتوں نے بتایا: یہ غمیصاء بنت ملحان، انس بن مالک کی والدہ ہیں۔'' (بخاری: 3679، مسلم: 2456، الفاظ صحیح مسلم کے ہیں)

نوٹ: ام سلیم رضی اللہ عنہا کی سوانح کے لیے ملاحظہ فرمائیں: الإصابة (12077) أسد الغابة (7479)، سير أعلام النبلاء (304/2)، أعلام النساء (256/2) وغیرہ۔

وہ تو عورت کے حق میں موت ہے!

وہ ایک عام سا آدمی تھا اور خاصی مدت سے ایک عرب ملک میں مقیم تھا۔ اس کے بیوی بچے اس کے پاس تھے۔ محدود آمدنی کے باوجود وہ اپنی زندگی سے خاصا مطمئن تھا۔ اس کا گھر، اس کی محبت کرنے والی بیوی اور بچے تھے۔ مستقبل کی ذمہ داریوں کے احساس نے اسے مجبور کیا کہ وہ ٹیکسی چلایا کرے تا کہ آمدنی میں اضافہ ہو اور پھر وہ ٹیکسی ڈرائیور بن گیا۔

ایک دن وہ معمول کے مطابق ٹیکسی لے کر نکلا، سواری کے انتظار میں تھا۔ مغرب کا وقت ہوا جاتا تھا کہ برقع میں ملبوس ایک عورت نے ٹیکسی کو اشارہ کیا۔ اس نے ٹیکسی روک لی۔ عورت نے کہا کہ فوری طور پر ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں لے چلو میں زچگی کی حالت میں ہوں۔ اس نے ٹیکسی دوڑائی اور فوری طور پر ہسپتال پہنچ گئے۔ عورت نے کہا کہ تھوڑی دیر انتظار کرو۔ نرسیں اس کو لیبر وارڈ میں لے گئیں۔ ادھر ہسپتال کے ایک ملازم نے ڈرائیور سے پوچھا کہ اس کا ایڈریس اور فون نمبر کیا ہے۔ اس نے اس کو معمول کا معاملہ سمجھا کیوں کہ وہ مریضہ کو لے کر آیا تھا' چنانچہ وہ اپنا فون نمبر دے کر چلا آیا۔ رات کے وقت اسے ہسپتال سے فون آیا کہ

تمہارے ہاں بیٹا ہوا ہے، لہٰذا فوری
طور پر ہسپتال آ جاؤ۔ اس نے جواب دیا کہ تمہیں غلط
فہمی ہوئی ہے۔ میری ایک ہی بیوی ہے جو گھر میں ہے۔ ہسپتال
کے ملازم نے کہا کہ کوئی بات نہیں، تم ایک مرتبہ آؤ تو سہی، تمہارا آنا
نہایت ضروری ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد ٹیکسی ڈرائیور ہسپتال پہنچ گیا اور جا کر میڈیکل سٹاف سے جھگڑا
شروع کر دیا کہ تم لوگوں نے مجھ پر نہایت ہی گھٹیا الزام لگایا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ
میری بیوی کو پتہ نہیں چلا، ورنہ گھر میں قیامت برپا ہو جاتی کہ میں نے ایک اور شادی
کر رکھی ہے۔ میرے بیوی بچے کیا سوچیں گے۔ ملازمین نے کہا کہ ہمارا اس میں کوئی
قصور نہیں، جس عورت کو تم ٹیکسی میں لے کر آئے تھے، اس سے جب پوچھا گیا کہ
تمہارا خاوند کون ہے تو اس نے تمہارا نام لیا۔ بچے کی پیدائش کے بعد اس عورت
نے یہی کہا کہ اس بچے کا باپ ٹیکسی ڈرائیور ہے اور وہی مجھے ہسپتال چھوڑ کر گیا
ہے۔ نوجوان کہنے لگا کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، یہ بالکل بہتان ہے۔
یہ تو گھر بیٹھے مصیبت میرے گلے آ پڑی ہے۔ کسی نے بالکل
درست کہا کہ مصیبتیں اس حال میں تمہارے پاس آئیں
گی کہ تم اطمینان سے سو رہے ہو گے۔
بہرحال اس کی

ہسپتال کے عملے کے ساتھ بحث جاری
تھی کہ اچانک اس کو خیال آیا کہ اگر تمہیں میری سچائی
پر یقین نہیں تو ایسا کرو کہ نومولود اور میرے خون کا (D.N.A)
ٹیسٹ لے لو۔ تمہیں پتہ چل جائے گا کہ بچہ میرا ہے یا کسی اور کا ہے۔
ڈاکٹروں کے لیے اس معاملے کی تصدیق ضروری تھی' لہٰذا انہوں نے اس
تجویز سے اتفاق کیا اور اس کے خون کا نمونہ لے لیا۔ اب وہ ٹیکسی ڈرائیور مسلسل
دعائیں کرتا رہا کہ الٰہی! اس آزمائش کی گھڑی میں میری مدد فرمانا۔ تھوڑی دیر کے بعد
ڈاکٹر نتیجہ لے کر آیا اور کہنے لگا: ''نوجوان! ہم معذرت خواہ ہیں، خواہ مخواہ تمہارا وقت
ضائع کیا ہے۔ آپ کے خون کی تشخیص سے یہ بات سامنے آگئی ہے کہ واقعی یہ آپ کا
بچہ نہیں ہے اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ آپ باپ بننے کے قابل ہی نہیں کیونکہ آپ
مکمل طور پر بانجھ ہیں۔''

اب حیران اور پریشان ہونے کی باری اس نوجوان کی تھی۔ یہ خبر اس پر بجلی بن
کر گری تھی۔ وہ بولا: ''تمہاری یہ بات تو پہلی بات سے بھی زیادہ سخت
ہے۔ میں کئی سالوں سے شادی شدہ ہوں اور میرے چھ بچے
ہیں، اور تم مجھے بانجھ ہونے کا سرٹیفکیٹ دے رہے
ہو۔ یقیناً تمہاری لیبارٹری رپورٹ بے کار
ہے۔'' ڈاکٹر نے

اس کی رپورٹ کو عمیق نگاہوں سے
دیکھا اور کہا کہ نوجوان! ہماری رپورٹ درست ہے مگر
کوئی بات نہیں، ہم دوبارہ ٹیسٹ لے لیتے ہیں۔ ٹیسٹ دوبارہ
ہوا اور ڈاکٹروں نے حتمی فیصلہ دیا کہ جس شخص کا یہ خون ہے وہ کبھی باپ
نہیں بن سکتا۔

مگر میرے چھ عدد بچے اور ڈاکٹروں کا یہ دعویٰ کہ میں باپ بن ہی نہیں سکتا! وہ سوچ سوچ کر پاگل ہو رہا تھا۔ پھر وہ حقائق کی دنیا میں آیا، غور و فکر کیا، جانچ پڑتال شروع کی، گھر کے ماحول پر غور کیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ اس کی بیوی یقیناً خائن ہے، مگر یہ ڈاکہ ڈالنے والا کون ہے؟ اب ایک اور تلخ حقیقت اس کے سامنے کھڑی تھی، اس کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس کا حقیقی بھائی' اس سے عمر میں چھوٹا، جس کو وہ اولاد کے برابر جگہ دیتا تھا، اس کے گھر میں شروع سے مقیم تھا۔ اس نے موقع سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور اپنی بھابھی کے ساتھ...... ہاں اس کی بیوی کے ساتھ...... کئی سالوں سے ناجائز تعلقات قائم کر رکھے تھے۔ اور پھر شدید دباؤ کے بعد اس کی بیوی اور بھائی نے ان ناجائز تعلقات کا اعتراف کر لیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَٰفِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّٰلِمُونَ ۚ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ

﴿لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ﴾

''ظلم کرنے والوں کے کرتوتوں سے اللہ تعالیٰ کو غافل نہ سمجھو۔ وہ تو انہیں اس دن تک مہلت دیے ہوئے ہے جس دن آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی'' (ابراہیم: 24)

(دیکھیے: کویت سے نکلنے والا مجلہ ''النور'' عدد: 159)

اس جرم کے حقیقی مجرم تو وہ دونوں تھے مگر یہ شوہر بھی اس میں برابر کا حصہ دار تھا جس نے نبی کریم ﷺ کے فرمان ذی شان پر کوئی توجہ نہ دی تھی۔ ارشاد نبوی ہے:

«إِيَّاكُمْ وَالدُّخُولَ عَلَى النِّسَاءِ»، فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَفَرَأَيْتَ الْحَمْوَ؟ قَالَ: «اَلْحَمْوُ الْمَوْتُ».

''تم لوگ تنہائی میں عورتوں کے پاس جانے سے بچو''۔ ایک آدمی نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول دیور کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''دیور تو (عورت کے حق میں) موت ہے'' (عربی لغت میں شوہر کے بھائی اور اس کے قریبی رشتہ دار کو ''الحمو'' کہتے ہیں)۔

(بخاری: 5232، مسلم: 2172)

جو حق پر ہوگا اس کی آواز بلند ہوگی

اس واقعہ کے راوی قحطبہ بن حمید ہیں۔ ایک روز وہ عباسی خلیفہ مامون الرشید کی مجلس میں تھے۔ وہ دن مظلوموں کی شکایات کے لیے وقف تھا۔ لوگ اپنی درخواستیں پیش کرتے۔ خلیفہ کے ارد گرد مختلف محکموں کے ذمہ داران حاضر تھے۔ اسی وقت فیصلے ہوتے اور فوری نفاذ کا حکم جاری ہو جاتا۔ اب عصر کی نماز کا وقت ہوا چاہتا تھا۔ خلیفہ سارا دن بے حد مصروف رہا تھا، وہ اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ایک خاتون مجلس میں آ پہنچی۔ اس کے لباس سے نظر آ رہا تھا کہ وہ خاصی دور سے آئی ہے۔ اس روز عدالت میں آنے والی یہ آخری خاتون تھی۔ اس نے داخل ہوتے ہوئے بلند آواز سے کہا: «اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ» . خلیفہ مامون نے اس کی آواز سن کر یحییٰ بن اکثم کی طرف دیکھا۔ یحییٰ نے اس عورت کے جواب میں کہا: «وَعَلَيْكِ السَّلَامُ يَا أَمَةَ اللهِ» . بتاؤ تمہاری کیا حاجت ہے؟'' اس عورت نے تین شعر پڑھے، جن میں اپنی حاجت اور شکوہ پیش کیا۔

مامون نے اشعار سنے تو اپنا سر جھکا لیا اور پھر تین شعروں میں اس کو جواب دیا کہ ابھی ہمیں عصر کی نماز ادا کرنی

ہے۔ ہفتے کے دن آنا، ہم تمہارا
مقدمہ سنیں گے اور کوشش کریں گے کہ اس دن یا
بصورت دیگر اتوار کو تمہارا مسئلہ حل کر دیں۔

ہفتے کے دن وہ عورت دوبارہ آئی۔ خلیفہ نے پہچان لیا کہ یہ وہی عورت
ہے۔ اس نے سلام پیش کیا۔ خلیفہ نے سلام کا جواب دینے کے بعد پوچھا کہ
تمہارا مدعا علیہ کدھر ہے۔ عورت کہنے لگی: امیر المؤمنین! میرا مدعا علیہ آپ کے
پہلو میں کھڑا ہے۔ یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے بیٹے عباس کی طرف اشارہ کیا۔
خلیفہ نے احمد بن ابی خالد سے کہا کہ وہ مدعا علیہ کا ہاتھ پکڑے اور اسے عورت کے
ساتھ کٹہرے میں کھڑا کر دے۔ حکم کی تعمیل ہوئی۔ اب دونوں ماں بیٹا عدالت میں
آمنے سامنے ہیں۔ ایک دوسرے کو دیکھا تو ماں نے بیٹے کو کوسنے دینے شروع
کر دیے۔ اس کی آواز بلند ہوتی چلی گئی۔

دراصل بیٹے نے ماں کی ایک جائداد پر قبضہ کر لیا تھا، وہ واپس مانگ رہی
تھی۔ بیٹا جائداد دینے سے انکاری تھا۔ مجلس میں جب شور زیادہ ہونے
لگا تو احمد بن ابی خالد نے عورت سے کہا کہ اللہ کی بندی! اپنی آواز
کو نیچا کرو۔ تم کسی عام مجلس میں نہیں بلکہ خلیفہ کی مجلس
میں ہو جس کے کچھ آداب ہیں۔ خلیفہ
مامون نے احمد

ابن ابی خالد سے کہا:

«دَعْهَا يَا أَحْمَدُ، فَإِنَّ الْحَقَّ أَنْطَقَهَا وَأَخْرَسَهُ».

''احمد! اسے کچھ نہ کہو، اسے بولنے دو۔ حق نے اس کی آواز کو بلند کر دیا ہے اور اسی حق نے اس کے بیٹے کو گونگا بنا دیا ہے۔''

خلیفہ نے مقدمہ سننے کے بعد فیصلہ دیا: ''عباس! اپنی والدہ کی جائداد فوراً واپس کر دو۔'' پھر اس عورت کے شہر کے گورنر کو خط لکھوایا کہ اس عورت کے ساتھ حسن سلوک اور تعاون کیا جائے۔ اس کی جائداد واپس کروائی جائے۔ خلیفہ نے اپنی طرف سے عورت کے لیے نفقہ کا حکم بھی جاری کر دیا۔

(العقد الفريد: 20/1، نساء ذکیات جدا 104)

بنتِ صحرا کو عالی شان محل پسند نہیں!

میسون بنت بحدل بن انیف خاندانِ حارثہ بن جناب کلبی کی چشم وچراغ تھی۔ وہ بدویہ تھی، اس لیے صحرا و بیابان کی آب وہوا میں پلی بڑھی اور جوان ہوئی۔ شعر و شاعری سے خاصی دلچسپی تھی۔ خوبصورت بھی تھی۔ اس کی ذہانت وفطانت اور شانِ خطابت کی مثال دور دور تک نظر نہیں آتی تھی۔ مشہور مورخ ومفسر امام حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب ''البدایۃ والنہایۃ'' میں اس کے بارے میں رقمطراز ہیں:

«وَكَانَتْ حَازِمَةً عَظِيمَةَ الشَّأْنِ جَمَالًا وَرِيَاسَةً وَعَقْلًا وَدِينًا».

(میسون بنت بحدل) نہایت ہی زیرک و دانا، عظمت شان سے مالا مال، حسن وجمال کی پیکر، سرداری کی خوبیوں سے لیس، عقل ودانش کی ملکہ اور دینداری کی صفات رکھنے والی تھی''

(البدایۃ والنہایۃ (463/11)، تحقیق، د۔عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی)

جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کے بارے میں معلوم ہوا تو انہوں نے اس کی طرف شادی کا پیغام بھیجا اور شام میں اس سے شادی کرلی۔

چونکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میسون کو دل وجان سے چاہتے تھے، اس لیے انہوں نے میسون کی

آرائش وزیبائش کا ازحد خیال رکھا اور اسے خوش رکھنے کے لیے خوشی کے تمام لوازمات مہیا کیے، حتیٰ کہ انہوں نے اس کے لیے دمشق میں ایک سرسبز وشاداب جگہ پر جو غوطہ دمشق کے نام سے مشہور ہے، ایک عالی شان محل تعمیر کرایا۔ اس خوبصورت محل کی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے انواع واقسام کی اشیاء سے آرائش کروائی۔ علاوہ ازیں بہت سے نوکر چاکر بھی مہیا کیے، اور یہ سب انہوں نے میسون کی دلجوئی کے لیے کیا۔ ان کی خواہش تھی کہ بیوی خوش رہے۔ ان کا خیال تھا کہ جب میسون یہ عالیشان محل دیکھے گی تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ ہوگا۔ مگر جب وہ محل میں آئی تو اس سے مرعوب نہ ہوئی بلکہ چند روز بعد ہی اسے اپنے وطن اور بادیہ نشینی والی زندگی کی یاد ستانے لگی۔ والدین، عزیز واقارب یاد آئے اور پھر اس نے برجستہ اشعار کہے جن میں بعض ترجمہ سمیت درج ہیں:

۱- لَبَيْتٌ تَخْفِقُ الْأَرْوَاحُ فِيهِ   أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ قَصْرٍ مُنِيفِ

وہ ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی جس کے اندر (کام کاج کے لیے) انسانی روحیں متحرک رہتی ہیں، مجھے بلند وبالا اور عالی شان محل سے بہت زیادہ محبوب و پسندیدہ ہے۔ (جہاں انسان چپ چاپ بغیر کسی نقل وحرکت کے محصور رہتا ہے)

٢- وَلُبْسُ عَبَاءَةٍ وَتَقَرُّ عَيْنِي
أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ لُبْسِ الشُّفُوفِ

موٹی جھوٹی چادر زیب تن کرنا اور اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانا (یعنی معمولی سی چیز پر قناعت کر کے خوش رہنا) مجھے باریک اور خوبصورت لباس زیب تن کرنے سے زیادہ پسند ہے۔

٣- وَأَكْلُ كُسَيْرَةٍ فِي كِسْرِ بَيْتِي   أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَكْلِ الرَّغِيفِ

اپنے ٹوٹے پھوٹے گھر کے کسی کونے میں روٹی کے ایک ٹکڑے پر گزارہ کر لینا مجھے قصر شاہی کی چپاتی اور پراٹھے سے زیادہ محبوب ہے۔

٤- وَأَصْوَاتُ الرِّيَاحِ بِكُلِّ فَجٍّ   أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَقْرِ الدُّفُوفِ

ہر کشادہ راستے میں تیز و تند ہواؤں کے جھونکوں کی آوازیں میرے لیے دف کی آواز سے کہیں زیادہ پسندیدہ ہیں۔

٥- خُشُونَةُ عِيشَتِي فِي الْبَدْوِ أَشْهَى   إِلَى نَفْسِي مِنَ الْعَيْشِ الطَّرِيفِ

صحرا و بیابان میں میری خستہ حال زندگی مجھے اس خوشحال و پررونق زندگی سے زیادہ محبوب ہے۔

٦- فَمَا أَبْغِي سِوَى وَطَنِي بَدِيلًا
وَمَا أَبْهَاهُ مِنْ وَطَنٍ شَرِيفِ

میں اپنے وطن کو چھوڑ کر

اس کا کوئی متبادل نہیں چاہتی۔ اوہ! کیا

ہی اچھا ہے اپنا پیارا وطن!!

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جب اس عالیشان محل میں داخل ہوئے تو ایک لونڈی نے انہیں میسون بنت بحدل کے کہے ہوئے اشعار سنائے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب اپنی بیوی کی اس عالیشان محل اور حشم وخدم سے بے اعتنائی کا حال دیکھا تو انہوں نے میسون کو تین طلاقیں دے کر اسے نجد میں اس کے خاندان والوں کے پاس بھجوا دیا، اس وقت وہ حاملہ تھی۔ اپنے گھر میں اس نے ایک بچہ جنم دیا جس کا نام یزید رکھا۔ اسے اس نے دو سالوں تک دودھ پلایا، پھر بغیر ندامت کے یزید کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھجوا دیا۔ وہ اس بادیہ میں نہایت خوش وخرم تھی، ہر چند کہ وقت کے حکمران سے اس کی جدائی ہوگئی، مگر وہ صحرا کی بیٹی تھی۔ صحرا میں جا کر مطمئن ہوگئی۔ (1)

---

(1) دیکھئے: البدایہ والنہایہ: 463/11، أعلام النساء: 339/7، مجلۃ الکویت، عدد: 41، ص: 76، نساء ذکیات جزء: 38 تاریخ دمشق ترجمہ: 9432

تدبیر سے تقدیر بدل نہیں سکتی!!

شوہر اس خاتون کو داغ مفارقت دے چکا تھا۔ اب وہ بیوہ ہو چکی تھی اور زندگی کے بقیہ ایام تنہا گزار رہی تھی۔ وہ زندگی کے تمام دشوار مراحل سے نمٹنے کی جان توڑ کوشش میں لگی تھی...... اسے اپنے اکلوتے بیٹے کے مستقبل کی فکر دامنگیر تھی۔ وہ بیٹے کی خاطر محنت و مشقت کرتی اور انتہائی جانفشانی سے کام کیا کرتی۔ کئی دفعہ اسے دوسری شادی کے لیے پیغام ملا لیکن اس نے بیٹے کے اچھے مستقبل کے پیش نظر شادی سے انکار کر دیا۔ اس نے اپنے لخت جگر کے لیے ایک مشفق ماں کے ساتھ ساتھ ایک مہربان باپ کی حیثیت بھی اختیار کر لی۔ روزانہ دروازے کے پاس کھڑی ہو کر اپنے لخت جگر کی سکول سے واپسی کا شدت سے انتظار کیا کرتی تھی۔

یتیم کی پرورش و پرداخت بڑے اچھے انداز میں ہوتی رہی۔ بیوہ خاتون نے اپنے لخت جگر کی تربیت و تعلیم پر کافی دھیان دیا اور اس میں بڑی حد تک کامیاب بھی رہی؛ چنانچہ اس کا بیٹا سکول کے بہترین طلبہ میں شمار ہونے لگا۔

جب خاتون کے لخت جگر نے سیکنڈری اور ثانوی تعلیم کے مراحل طے کر لیے تو اس نے بغداد یونیورسٹی میں اپنا تعلیمی سلسلہ جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ ماں نے اپنے بیٹے کے فیصلے سے اتفاق نہیں کیا۔ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو پل بھر کے لیے نظروں سے اوجھل نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ادھر بیٹے کے شوق علم کی کوئی انتہا نہیں تھی، اس نے یونیورسٹی کے لیے مطلوبہ کاغذات کی فراہمی میں رات دن ایک

کر دیے...... پھر وہ دن بھی آیا جبکہ اسے یونیورسٹی میں داخلہ مل چکا تھا۔ ویزا لگوانے اور ٹکٹ خریدنے کا مرحلہ تھا۔ وہ بھی بالآخر طے ہو گیا۔ اب اس نے نہایت محبت اور پیار سے اپنی ماں کو اطلاع دی کہ اس کی خواہش کی تکمیل ہوا چاہتی ہے اور وہ کل بغداد کے لیے روانہ ہوگا۔ ماں کے لیے یہ خبر نہایت پریشان کن تھی ...... میرا بیٹا مجھ سے جدا ہو جائے گا۔ یہ جدائی میرے لئے ناممکن ہے۔ اور پھر اچانک ہی اس نے ایک فیصلہ کیا، اور اس پر مطمئن ہوگئی۔ رات کو جب اس کا لاڈلا بیٹا سو گیا تو اس نے اس کا پاسپورٹ اور ٹکٹ چھپا دیے۔

اگلی صبح بیٹا اٹھا، اس نے سامان پیک کیا، کپڑے تبدیل کیے، ایئر پورٹ جانے کے لئے تیار ہوا۔ مگر جب الماری سے اپنا پاسپورٹ اور ٹکٹ لینے کیلیے گیا، تو دونوں چیزیں غائب تھیں۔ اپنی ماں سے پوچھا: کیا پاسپورٹ اور ٹکٹ آپ کے پاس ہے؟ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ بیٹے نے پوچھا: ''آخر آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟''

''کیونکہ میں تمہاری جدائی برداشت نہیں کر سکتی۔'' ماں نے جواب دیا۔ بیٹا بولا: ''مگر اس میں میرا مستقبل ہے۔'' اب ماں بیٹے میں بحث شروع ہوگئی، پھر تکرار ہونے لگی۔ لڑائی جھگڑے تک نوبت آگئی۔ ماں نے اپنا آخری فیصلہ سنایا کہ تم جو جی چاہے کرلو پاسپورٹ نہیں ملے گا۔

بیٹا اپنی ماں سے لڑ جھگڑ کر غصے کے عالم میں اپنے کمرے میں چلا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ نیند کی آغوش میں تھا۔ ادھر ماں کچن میں چلی گئی۔ اس

نے سوچا کہ بیٹا ناراض ہے' چلو اس کی پسند کا کھانا بناتی ہوں۔ اسی دوران میں اس نے ریڈیو آن کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد خبریں نشر ہونا شروع ہوئیں۔ نیوز کاسٹر کی غم سے بھری آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی کہ نہایت رنج وغم سے یہ خبر دی جاتی ہے کہ بغداد جانے والا ہوائی جہاز گر کر تباہ ہو گیا ہے، جہاز کے تمام مسافر جاں بحق ہو گئے ہیں۔

ماں خوشی اور رنج وغم کی ملی جلی کیفیت میں تھی۔ اس نے شکر ادا کیا کہ اس کا بیٹا بچ گیا ہے۔ اگر وہ ضد نہ کرتی تو اس کا بیٹا بھی مسافروں میں شامل ہوتا۔ اور پھر کیا ہوتا؟ اس سے آگے سوچنا بھی اس کے لیے محال تھا۔ وہ بھاگتے ہوئے اپنے بیٹے کے کمرے کی طرف گئی کہ اس کو یہ خبر سنا سکے۔

اس نے دروازہ کھولا...... مگر یہ کیا...... اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی...... اس کا لاڈلا' اس کی امیدوں کا مرکز' اس کا بیٹا طبعی موت مر چکا تھا...... «إنا لله وإنا إليه راجعون»

رب العالمین نے اپنی کتاب مقدس میں سچ فرمایا ہے:

﴿إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾

''جب ان کا وقت معین آ پہنچتا ہے تو پھر وہ ایک گھڑی اس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتے۔'' (یونس:49)

ماں کی دعا

ایک معزز خاتون کی شادی اسماعیل نامی شخص سے ہوئی۔ اسماعیل ایک متقی شخص اور جلیل القدر عالم تھے۔ انہوں نے امام مالک رحمہ اللہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے تھے۔ اس مبارک شادی کا پھل میاں بیوی کو ایک نامی گرامی بچے کی صورت میں ملا جس کا نام انہوں نے "محمد" رکھا۔ شادی ہوئے ابھی کچھ ہی سال گزرے تھے کہ اسماعیل بیوی اور چھوٹے بچے کو داغ مفارقت دے گئے اور وراثت میں کافی دولت چھوڑ گئے۔

والدہ انتہائی انہماک کے ساتھ اپنے بیٹے کی تربیت میں جت گئیں۔ ان کی خواہش تھی کہ ان کا بیٹا ایک جلیل القدر عالم دین بن کر افق عالم پر چمکے اور اپنے علم سے تاریک دنیا کو منور کر دے، لیکن ان کی حسرت و یاس کا اس وقت کوئی ٹھکانہ نہ رہا جب ان کے بچے کی مستقبل میں ترقی اور ان کی تمناؤں کی تکمیل میں ایک بڑی رکاوٹ پیدا ہوگئی۔ بچپن ہی میں ان کا یہ بچہ اپنی بینائی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اب نابینا ہونے کی صورت میں یہ بچہ حصول تعلیم کے لیے علماء کے دروس میں شرکت سے معذور تھا اور نہ وہ حصول علم کے لیے دوسرے شہروں کا سفر اختیار کر سکتا تھا۔ ماں کو یہ غم کھائے جا رہا تھا کہ آخر اس بچے کا کیا ہوگا، عالم دین کیوں کر بن سکے گا، بینائی کے بغیر علم کا حصول کیسے ممکن ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

اس خواہش کی تکمیل کے لیے ایک ہی ذریعہ باقی تھا' ایک ہی راستہ تھا اور وہ راستہ دعا کا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس پر دعا کے دروازے کھول دیے اور وہ پورے اخلاص اور سچی نیت کے ساتھ دربار الٰہی میں گڑگڑا کر رونے لگی اور اللہ رب العزت کے سامنے دست سوال دراز کر کے بچے کی بینائی کے لئے دعائیں مانگنے لگی...... یہ

دعائیں نجانے کتنی مدت تک ہوتی رہیں کہ ایک رات اس نے ایک عجیب وغریب خواب دیکھا، حضرت ابراہیم خلیل اللہ خواب میں نظر آئے' وہ کہہ رہے تھے:

«يَا هٰذِهِ قَدْ رَدَّ اللّٰهُ عَلَى ابْنِكِ بَصَرَهُ بِكَثْرَةِ دُعَائِكِ» .

''اے بی بی! تیری دعاؤں کی کثرت کے سبب اللہ تعالیٰ نے تیرے بیٹے کی بینائی واپس کر دی ہے۔''

جب محمد کی والدہ نیند سے بیدار ہوئیں تو دیکھا کہ واقعی اس کے بیٹے کی بینائی بحال ہوگئی ہے۔ ان کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے:

﴿أَمَّن يُجِيبُ ٱلْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ ٱلسُّوٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ ٱلْأَرْضِ أَءِلَٰهٌ مَّعَ ٱللَّهِ﴾

''اے ہمارے پروردگار! پریشان حال کی دعائیں تیرے علاوہ کون سن سکتا ہے اور کون ہے جو بندوں کی تکلیفوں کو دور کرتا ہے؟''

یہ عظیم خاتون جو مسلسل دعائیں مانگتی رہیں' امام المحدثین محمد بن اسماعیل بخاری ؒ کی والدہ محترمہ تھیں، جنہوں نے بیٹے کی بینائی لوٹ آنے کے بعد اس کی تعلیم وتربیت اس قدر محنت سے کی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بیٹے پر علوم وفنون کے دروازے کھول دیے اور پھر آگے چل کر یہ بچہ ایک بہت بڑا محدث بنا اور کتاب اللہ کے بعد دنیا کی صحیح ترین کتاب تصنیف کی جو ''صحیح البخاری'' کے نام سے مشہور ہے اور اس بچے کو لوگ امام بخاری کے نام سے جانتے ہیں، جن کا پورا نام محمد بن اسماعیل بخاری ؒ ہے۔ (۱)

(۱) مواقف ایمانیۃ از نجیب العامر ''معمولی تصرف کے ساتھ''

قانون کی بالادستی

مکہ مکرمہ میں فاطمہ نام کی ایک عورت تھی، وہ قریش کی ایک شاخ بنومخزوم سے تعلق رکھتی تھی۔ یہ عورت لوگوں سے عاریتاً سامان لے لیتی اور پھر واپس کرنے سے انکار کر دیتی۔ نیز وہ لوگوں کا سامان اور مال چرایا بھی کرتی تھی۔ ایک بار اس نے چوری کی۔ جب مقدمہ رسول اکرم ﷺ کی عدالت میں پہنچا تو آپ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرما دیا۔ مخزومی عورت کے ہاتھ کاٹے جانے کا فیصلہ سن کر قریش کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی کیونکہ وہ ایک اونچے خاندان کی اعلیٰ نسب والی خاتون تھی۔ سرداران قریش کو یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ اس عورت کی سفارش کے بارے میں رسول اکرم ﷺ سے بات کرنے کے لیے کس شخصیت کا انتخاب کیا جائے۔ بالآخر وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اس معاملہ میں رسول اکرم ﷺ سے سفارش کرنے کی جرأت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے سوا کسی کو نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ رسول اکرم ﷺ کے چہیتے ہیں۔

چنانچہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے سفارش کے لیے درخواست کی گئی۔ اسامہ رضی اللہ عنہ نے اس عورت کی سفارش کے لیے رسول اکرم ﷺ سے گفتگو کی، مگر ان کی بات سن کر رنج اور غصے سے رسول اکرم ﷺ کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا۔ آپ نے فرمایا:

«أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللّٰهِ؟»

''کیا تم اللہ کی حدود میں سفارش کرتے ہو؟''

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بہت پریشان ہوئے، عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ میری بخشش کی دعا فرما دیں۔

جب شام کا وقت ہوا تو رسول اکرم ﷺ خطاب کرنے کے لیے کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا:

«أَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَأَيْمُ اللهِ، لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا» .

''اما بعد! تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں ان کی ہلاکت کا سبب یہی ہے کہ جب ان میں سے کوئی معزز آدمی چوری کا ارتکاب کرتا تو اسے چھوڑ دیتے (قانون کا نفاذ نہیں کرتے تھے) اور جب کوئی کمزور آدمی چوری کا ارتکاب کرتا تو اس پر حد جاری کرتے تھے۔ اور قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر محمد کی صاحبزادی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالتا۔''

چنانچہ رسول اکرم ﷺ کے حکم سے اس خاتون کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ پھر اس مخزومی عورت نے اپنی عادات بدل لیں، سچی توبہ کر لی اور اس کی شادی ہوگئی۔ اس کے بعد وہ میرے پاس کبھی کبھار آیا کرتی تھی اور میں اس کی ضرورت رسول اکرم ﷺ کو بتلایا کرتی تھی۔ (بخاری: 3475، مسلم: 1688)

میں کسے راضی کروں!

اسکول سے چھٹی ہوئی تو ننھی سی معصوم لڑکی سخت پریشانی کا شکار تھی۔ اس کے چہرے پر حزن وملال کے آثار تھے۔ ماں نے اپنی بیٹی کا مرجھایا چہرہ دیکھا تو سمجھ گئی کہ اسکول میں ضرور کوئی ایسی بات ہوئی ہے جو میری لخت جگر کو ناگوار گزری ہے۔ والدہ نے مناسب نہ سمجھا کہ بیٹی سے پوچھے مگر اس کا دل بے چین تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ اس سے پوچھے کہ وہ پریشان کیوں ہے۔

کھانا کھانے کے بعد بیٹی نے خود ہی اس خاموشی کو توڑا اور اپنی والدہ کی سوالیہ نظروں کے جواب میں کہنا شروع کیا:

امی! یہ جو میں نے لمبی فراک پہنی ہوئی ہے نا، میری ٹیچر اس کی بدولت مجھ سے سخت ناراض ہے۔ وہ کہتی ہے تم بھی دوسری لڑکیوں جیسی چھوٹی فراک پہن کر آؤ اور اگر تم کل پھر اس لمبی فراک میں آؤ گی تو اسکول سے نکال دوں گی۔

والدہ: میری عزیز بیٹی! مگر یہ لمبی فراک تو اللہ تعالیٰ کو پسند اور محبوب ہے۔

بیٹی: امی جان! آپ کی بات درست ہے، لیکن ٹیچر کو یہ (شرعی) لباس پسند نہیں۔

والدہ: میری پیاری بیٹی! یہ درست ہے کہ تمہاری ٹیچر کو تمہارا لباس پسند نہیں اور وہ تمہیں غیر ساتر لباس پہننے کا مشورہ ہی نہیں دیتی بلکہ مجبور کرتی ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ تمہیں اطاعت اور فرمانبرداری کس کی کرنی ہے، اپنی استانی جی کی یا اپنے

خالق، مالک، رازق اور معبود کی جس نے تمہیں پیدا کیا، تمہیں خوبصورت شکل وصورت دی، اور تم پر اپنے احسانات اور انعامات کی بارش کر دی۔ بیٹی! کیا تم اپنی ٹیچر کی فرمانبرداری اور اطاعت کرو گی جو اپنے نفع اور نقصان کی بھی مالک نہیں، چہ جائیکہ دوسروں کا کچھ بگاڑ یا سنوار سکے' یا اپنے مولا کریم کی اطاعت کرو گی جو نفع و نقصان' عزت وذلت اور زندگی وموت کا مالک ہے۔ اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے کہ تم کس کی بات مانو گی اور کس کو راضی کرو گی۔

بیٹی: امی جان! میں ان شاء اللہ اپنے رب کریم کو راضی کروں گی۔

والدہ: میری پیاری بیٹی! مجھے تم سے ایسے ہی فیصلے کی توقع تھی۔ میں نے تمہاری تربیت اسی انداز میں کی تھی۔

اگلے دن وہ بچی وہی لمبی فراک پہنے اسکول گئی تو ٹیچر پہلے سے بھی زیادہ برہم ہوئی۔ اس کے غیظ وغضب کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ "میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ آئندہ یہ فراک پہن کر اسکول نہ آنا۔ تم نے میری نافرمانی کی ہے۔" وہ غصے سے آگ بگولا ہو رہی تھی۔ "تم جیسی لڑکیاں اساتذہ کی نافرمان ہوتی ہیں۔ تم نے مجھے چیلنج کیا ہے، اب دیکھنا میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرتی ہوں۔" ٹیچر غصے میں پھنکارتی چلی گئی۔ کلاس کی لڑکیاں چپ چاپ' سہمی ہوئی' ٹیچر کی گفتگو سن رہی تھیں۔ انہیں اپنی کلاس فیلو پر غصہ آ رہا تھا کہ اس نے ٹیچر کی بات کیوں نہیں مانی، وہ اس پر اپنی نگاہوں کے تیر برسا رہی تھیں۔

معصوم سی بچی پر جب دباؤ زیادہ ہی پڑ گیا، تو وہ اس کی تاب نہ لا کر بے اختیار

رونے لگی۔ اب اس کی ہچکی بندھ چکی تھی۔ اچانک اس نے اپنی ٹیچر کو مخاطب کیا: ''میڈم! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس کو راضی کروں اور کس کو ناراض۔''

ٹیچر: میرے علاوہ اور کون ہے جس کو تم راضی کرنا چاہتی ہو؟

شاگرد: ہے نا ایک۔ (اس نے معصومیت سے جواب دیا۔)

ٹیچر: کون ہے وہ بتاؤ، فوراً بتاؤ۔

شاگرد: میں نے کہا ہے نا، وہ ایک ہے نا، جس کو میں راضی کرنا چاہتی ہوں۔

ٹیچر اب غیظ وغضب سے بھر گئی تھی۔ وہ چلائی: بتاؤ وہ کون ہے۔

بچی نے اپنا ہاتھ اور منہ آسمانوں کی طرف کر دیا اور کہا: میرا رب جو آسمانوں میں ہے جس کو میں راضی کرنا چاہتی ہوں، میرا اللہ ...... میرا اللہ...... میرا اللہ......

کلاس روم میں سناٹا چھا گیا۔ ایک معصوم سی بچی کا اپنے رب پر اتنا مضبوط ایمان! ٹیچر کا ذہن گھوم رہا تھا۔ الحاد کی تہہ اُکھڑ رہی تھی، وہ سہمی سہمی سی لگ رہی تھی...... ایک معصوم سی بچی نے اس کے لیے صراط مستقیم کی نشاندہی کر دی تھی۔

میں وہ دروازہ بند نہیں کر سکتی

تاریخ کی بعض کتابوں میں ہے کہ ایک آدمی نے کسی عورت کو بہلا پھسلا کر اس سے بدکاری کا ارتکاب کرنا چاہا اور اس سے کہا کہ گھر کے سارے دروازے بند کر دو، تاکہ کوئی ہمیں دیکھ نہ لے۔

عورت نے کہا: میں نے گھر کے سارے دروازے بند کر دیے ہیں، مگر ایک دروازہ باقی رہ گیا ہے۔

اس شخص نے کہا: اسے بھی بند کر دو۔

عورت نے جواب دیا: اللہ کی قسم! میں اسے بند کرنے کی طاقت نہیں رکھتی۔

وہ بولا: مجھے بتاؤ وہ دروازہ میں بند کرتا ہوں۔ کہاں ہے وہ؟

اس عورت نے آسمانوں کی طرف اشارہ کیا اور کہا:

«أَغْلِقْ بَابَ السَّمَاءِ».

”آسمان کا دروازہ بند کر دو۔“

اس آدمی نے کہا: اللہ کی قسم! میں آسمان کا دروازہ تو نہیں بند کر سکتا۔ پھر وہ گھبرا سا گیا۔ اللہ کا خوف اس کے دل و دماغ پر چھا گیا، اس کے بدن پر کپکپی طاری ہوگئی اور وہ گناہ کا ارادہ چھوڑ کر تائب ہوگیا۔

وہ جن پر فرشتے سایہ فگن رہے

غزوۂ احد شروع ہونے سے پہلے انصاری صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ نے آسمانوں کی طرف دیکھا' اپنے ہاتھوں کو اٹھایا اور دعا کی:

«اللّٰهُمَّ خُذْ مِنْ دَمِي هٰذَا الْيَوْمَ حَتّٰى تَرْضٰى».

''اے اللہ! آج میرے خون کا آخری قطرہ تک قبول فرما اور مجھ سے راضی ہو جا۔''

چنانچہ انہوں نے بڑی جوانمردی سے کافروں سے جنگ لڑی اور پھر شہید کر دیے گئے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما اپنے والد کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ احد کے دن میرے والد کو چادر سے ڈھانک کر لایا گیا۔ ان کی ناک، کان اور ہونٹ کاٹ کر بری طرح مثلہ کیا گیا تھا۔ میں نے اپنے والد کے چہرے سے کپڑا اٹھانا چاہا، لیکن میری قوم کے لوگوں نے مجھے کپڑا ہٹانے سے منع کر دیا' تاہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑا اٹھا دیا، یا اٹھانے کا حکم دیا۔ اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کے رونے یا چلانے کی آواز سنی تو پوچھا: ''یہ کون عورت ہے؟'' صحابہ کرام نے عرض کیا: عمرو کی بیٹی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَلِمَ تَبْكِي؟ فَمَا زَالَتِ الْمَلَائِكَةُ تُظِلُّهُ بِأَجْنِحَتِهَا حَتّٰى رُفِعَ».

''روتی کیوں ہے؟ عبداللہ پر تو ان کا جنازہ اٹھائے جانے تک فرشتے اپنے پروں سے سایہ فگن رہے''۔ (بخاری: 1293، مسلم: 2471)

ایک دوسری روایت میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اپنے والد کے چہرے پر سے کپڑا ہٹاتے ہٹاتے رونے لگا اور لوگ مجھے صبر کی تلقین کرنے لگے اور کپڑا ہٹانے سے منع کرنے لگے، جبکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منع نہیں فرما رہے تھے۔ اتنے میں میری پھوپھی فاطمہ بنت عمرو کے رونے کی آواز آئی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«تَبْكِينَ أَوْ لَا تَبْكِينَ مَا زَالَتِ الْمَلَائِكَةُ تُظِلُّهُ بِأَجْنِحَتِهَا حَتَّى رَفَعْتُمُوهُ»

''تمہارے رونے یا نہ رونے سے کیا فرق پڑتا ہے' فرشتے تمہارے اس کو اٹھانے تک اپنے پروں سے اس پر سایہ فگن رہے۔'' (بخاری: 1244، مسلم: 2554)

شارحین بخاری کہتے ہیں:

فرشتوں کا عبداللہ پر سایہ کرنا اس وجہ سے تھا کہ ان کی روح کو لے جانے کے لیے رحمت کے فرشتے ایک دوسرے پر سبقت لے جا رہے تھے۔ اور فرشتوں کا یہ اجتماع شہید مرحوم کے لیے اللہ کی طرف سے خوشخبری تھی کہ ان کے لیے اللہ نے بلند مقامات تیار کر رکھے ہیں۔ مزید یہ کہ فرشتے ان کی لاش کو عرب کی تیز دھوپ سے بچانے کے لیے ان پر سایہ فگن رہے تاکہ ان کا بدن گرمی سے متاثر نہ ہو۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ملے اور فرمایا:

''جابر خوش ہو جاؤ' اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ کو شہادت کے بعد زندہ کیا اور ان سے دو بدو گفتگو کی' حالانکہ اللہ تعالیٰ جب بھی کسی سے بات کرتے ہیں پردے کے پیچھے سے کرتے ہیں۔'' (ترمذی: 3010)

پہاڑوں سے بلند استقامت

آج سے چودہ سو سال پہلے رسالت کی ضیا پاش کرنیں مدینہ منورہ کے افق پر نمودار ہوئیں۔ لوگ ظلمت وضلالت کے عمیق گڑھوں میں ڈوبے ہوئے تھے، لیکن دیکھتے ہی دیکھتے ایک قلیل سی مدت میں اسلام کی پرنور شعاعوں سے پورا مدینہ روشن ہو گیا اور اہلِ مدینہ کا ایمان اس قدر مضبوط ہو گیا کہ مضبوط اور بھاری چٹان آندھی اور طوفان سے اپنی جگہ سے ہل جائے تو ہل جائے مگر ان کے ایمان کے اپنی جگہ سے ڈگمگانے کا احتمال نہ تھا اور نہ ان کا تقویٰ کبھی متزلزل ہوتا تھا!!

رسول اکرم ﷺ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ مسجد نبوی شریف میں تشریف فرما ہیں، چاروں طرف سے صحابہ آپ کو گھیرے ہوئے ہیں، اور آپ ان کے درمیان تشریف فرما ہیں' بالکل ایسے جیسے رات کی تاریکی میں ستاروں کے درمیان خوبصورت چاند سجتا ہے۔ آپ اپنے ساتھیوں کو اسلام کی تعلیم دے رہے ہیں' ادب وسلیقہ سکھلا رہے ہیں، ان کا تزکیہ فرما رہے ہیں کیونکہ وہ پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔ مجلس کے اندر بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرام ہیں، انصار کے سردار ہیں، علماء اور اولیائے کرام ہیں۔ مجلس بدستور قائم ہے، لوگ آپ سے

مسائل پر استفسار کر رہے ہیں کہ اتنے میں
ایک باپردہ خاتون مسجد کے دروازے سے داخل ہوتی
ہے۔ رسول کریم ﷺ خاتون کو دیکھتے ہی خاموش ہو جاتے ہیں،
صحابہ کرام بھی بالکل خاموش ہو جاتے ہیں۔ خاتون چھوٹے چھوٹے
قدموں سے آگے بڑھتے ہوئے اور شرم وحیا کی پیکر بنے ہوئے رسول
اکرم ﷺ کے پاس پہنچتی ہے اور آپ کے سامنے کھڑی ہو کر عرض کرتی ہے: اے
اللہ کے رسول! مجھ سے زنا سرزد ہو گیا ہے، آپ مجھے پاک کر دیں!!

خوف الٰہی سے معمور اس خاتون کے اقرار جرم کو سن کر رسول کریم ﷺ نے کیا طرز
عمل اپنایا؟ کیا آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ اس پر گواہ رہو؟ کیا آپ نے اس
اقرار جرم کے سبب کسی قسم کی خوشی کا اظہار کیا کہ خاتون نے خود آ کر غلطی کا
اعتراف کر لیا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں!! بلکہ یہ سن کر رسول اکرم ﷺ کا چہرۂ انور
سرخ ہو گیا، ایسا لگتا تھا کہ چہرۂ انور سے خون ٹپکے گا۔ پھر آپ ﷺ نے
اپنا چہرہ داہنی طرف پھیر لیا اور خاموش ہو گئے جیسے آپ نے کوئی بات
سنی ہی نہ ہو!!

اس خاتون کی پہاڑوں جیسی بلند ہمت پر نگاہ
دوڑائیے! کس قدر نیک وپاکباز ہے،

کس قدر حریص ہے، اس کا ایمان کتنا
مضبوط اور راسخ ہے! اس کے جسم کی رگ رگ میں اور
خون کے قطرے قطرے میں ایمان کی خوشبو رچی بسی ہے!!

کیا اس خاتون کو یہ گمان تھا کہ چند پندو نصائح پر مبنی کلمات اس کی پاکیزگی وطہارت کے لیے کفایت کر جائیں گے؟ یا چند کوڑے برداشت کرنے پر معاملہ رفع دفع ہو جائے گا؟ نہیں ہرگز نہیں! اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ پاکیزگی وطہارت حاصل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ پتھروں کی بارش سے اس کا جسم چھلنی ہو جائے گا، اس کی چمڑی اُدھڑ جائے گی، جسم سے خون کے فوارے نکلیں گے اور درد والم کی تیز لہریں اس کے بدن کے تمام اعضاء کو ایک ایک کر کے توڑ ڈالیں گی۔ اس کا دماغ، آنکھیں، قلب وجگر، اس کی شریانیں اور وریدیں پتھروں سے کچل دی جائیں گی، گوشت جگہ جگہ سے پھٹ جائے گا ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی اور اس بھیانک تکلیف کا سامنا کرتے ہوئے موت کو گلے سے لگانا ہوگا جس کے تصور ہی سے پتھر دل انسان کے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں!! اللہ اکبر...... کس قدر جرأت مند اور بہادر ہے یہ خاتون!!

سچی بات تو یہ ہے کہ ہمارے اسلاف میں سے جو نفس امارہ
کے اکسانے پر غلطیوں کا ارتکاب کر بیٹھے
اور اللہ اور اس

کے رسول کی نافرمانی کر بیٹھے، اس
کے باوجود وہ ایمان کے اس قدر اعلیٰ مراتب پر فائز
تھے کہ ان کا ایمان آج کے عبادت گزاروں اور زاہدوں سے
کہیں زیادہ عظیم اور مضبوط تھا۔

بہر حال ذکر یہ ہو رہا تھا کہ رسول اکرم ﷺ نے اس خاتون کے ساتھ کیا طرز عمل اختیار کیا؟

رسول اکرم ﷺ نے یہ کوشش فرمائی کہ خاتون اپنی بات سے رجوع کر لے، کیونکہ آپ نے صرف اس کے ایک بار کے اعتراف کی بنیاد پر اسے سزا کی مستحق نہیں سمجھا۔ اس کا ایک بار کا اعتراف ایک شہادت کے مترادف تھا جبکہ حد زنا کے قیام کے لیے کم از کم چار شہادات کی ضرورت ہوتی ہے حتیٰ کہ اگر تین آدمی شہادت دے دیں اور چوتھا انکار کر دے یا اپنا بیان بدل لے تو حد ساقط ہو جاتی ہے لیکن اگر زنا کے نتیجے میں عورت کو حمل ہو جائے تو حد جاری کرنے کے لیے یہ دلیل کافی ہے۔

شریعت اسلامیہ نے عملی طور پر تجسس کرنے، کسی کی ٹوہ میں لگنے، کان لگا کر کسی کی خفیہ باتیں سننے اور مسلمانوں کے عیوب تلاش کرنے سے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«يَا مَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يَدْخُلِ الْإِيمَانُ قَلْبَهُ،

لَا تَغْتَابُوا الْمُسْلِمِينَ وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ، فَإِنَّهُ مَنِ اتَّبَعَ عَوْرَاتِهِمْ يَتَّبِعُ اللهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ يَتَّبِعِ اللهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ فِي بَيْتِهِ».

''اے زبانی ایمان کا دعویٰ کرنے والو! جن کا دل نور ایمان سے خالی ہے! مسلمانوں کی غیبت مت کیا کرو اور نہ ان کے عیوب کی ٹوہ میں پڑا کرو، کیونکہ جو مسلمانوں کے عیوب کی ٹوہ میں پڑے گا اللہ تعالیٰ بھی اس کے عیوب کی ٹوہ میں لگ جائے گا، اور جس کے عیوب کی ٹوہ میں اللہ تعالیٰ لگ جائے' ایسے آدمی کو اللہ تعالیٰ رسوا کردے گا خواہ وہ گھر کی چاردیواری کے اندر بند ہی کیوں نہ ہو''

(حسن صحیح، ابوداود: 4880، ترمذی: 2032)

اور نبی کریم ﷺ نے حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

«إِنَّكَ إِنِ اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ النَّاسِ أَفْسَدْتَهُمْ أَوْ كِدْتَ أَنْ تُفْسِدَهُمْ».

''اگر تم لوگوں کے عیوب کی ٹوہ میں لگو گے تو انہیں خراب کردو گے یا خرابی کے قریب کردو گے (کیونکہ جب ان کے عیوب ظاہر ہوجائیں گے تو وہ کھلم کھلا برائی کریں گے)''

(صحیح' ابوداود: 4888)

اس عورت نے

جس کا تعلق غامدیہ قبیلے سے تھا، عرض
کی: اللہ کے رسول! میری غلطی کی وجہ سے ایک نئی روح
دنیا میں آنے والی ہے، میں حاملہ ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اذْهَبِي حَتّٰى تَضَعِي طِفْلَكِ ثُمَّ ارْجِعِي»

''جاؤ، جب تمہارے بچے کی ولادت ہو جائے تب آنا۔''

نبی کریم ﷺ کتنے مہربان ہیں' آپ جانتے ہیں کہ اس بچے کا کیا قصور' اس لیے خاتون کو واپس جانے کا حکم دیا۔ وہ خاتون چلی گئی۔ جب بچے کی ولادت ہو گئی تو رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوئی۔

اوپر بیان کردہ واقعے میں چند باتیں بطور خاص قابل توجہ ہیں:

۱- جنین (مادر رحم کا بچہ) کی جان کا تحفظ: زانیہ کے پیٹ میں موجود بچے کو اس کی ماں کے ساتھ قتل نہیں کیا جائے گا، کیونکہ وہ بچہ معصوم عن الخطا ہے۔ یہ نبی کریم ﷺ کا حکم ہے اور آپ حقوق انسانی کو سب سے بڑھ کر جاننے والے اور ان کا تحفظ کرنے والے ہیں۔

۲- خاتون کا کمال صبر، کہ وہ ہرگز ہرگز اپنے موقف سے دستبردار نہیں ہوئی۔ وہ اتنا عرصہ صبر و تحمل کے ساتھ اجر و ثواب کی امید میں اپنی بات پر قائم رہی۔ غم

اور ندامت اس کے قلب و جگر کو کھائے
جا رہے تھے۔ پشیمانی کے گرم آنسو اس کے رخساروں
پر بہہ رہے تھے اور اس کا دل آتشِ افسوس سے جھلس رہا
تھا۔ اس کی صرف ایک خواہش تھی کہ کسی طرح سے گناہ سے پاک
ہو جائے اور جنت کی مستحق بن سکے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾

''اور جب ان (اہل جنت) سے کوئی ناشائستہ کام ہو جائے یا کوئی گناہ کر بیٹھیں تو فوراً اللہ کا ذکر اور اپنے گناہوں پر استغفار کرتے ہیں۔ فی الواقع اللہ تعالی کے سوا کون ہے جو گناہوں کو بخش سکے؟ اور وہ لوگ باوجود علم کے کسی برے کام پر اڑ نہیں جاتے'' (آل عمران:135)

مومنین کہتے ہیں:

فَاغْفِرِ اللَّهُمَّ رَبِّي ذَنْبَنَا ثُمَّ زِدْنَا مِنْ عَطَايَاكَ الْجِسَامِ

اے پروردگار! ہمارے گناہ معاف فرما دے، اور اپنی
عظیم الشان عنایات سے ہمیں مزید نواز
دے۔

لَا تُعَاقِبْنَا فَقَدْ عَاقَبْنَا
فَلَوْ أَسْهَرْنَا جُنْحَ الظَّلَامِ

ہمیں سزا مت دے، کیونکہ ہمارے گناہوں کے قلق واضطراب نے ہماری رات کی نیند اڑا کر پہلے ہی ہمیں سزا سے دوچار کر دیا ہے۔

وہ خاتون نو ماہ تک بچے کا بوجھ اٹھائے رہی۔ جونہی ولادت کے بعد وہ چلنے کے قابل ہوئی، پہلی فرصت میں اپنے بچے کو کپڑے کے ایک ٹکڑے میں لپیٹے دنیا کے سب سے بڑے امام اور قاضی کی خدمت میں حاضر ہوگئی اور جو اقرار پہلے کر چکی تھی اس میں تھوڑا سا بھی رد و بدل نہیں کیا بلکہ اسی پر برقرار رہی۔ علاوہ ازیں رسول اکرم ﷺ نے اسے بلانے کے لیے کسی کو بھیجا نہ کوئی فوجی دستہ ارسال کیا جو اس خاتون کو اس کے گھر سے گھسیٹ کر دربار نبوی میں حاضر کرتا۔ بلکہ رسول اکرم ﷺ نے اسے چھوڑ رکھا تھا، وہ خود ہی اپنے نوزائیدہ بچے کو اٹھائے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے زنا کے گناہ سے پاک کر دیجیے۔

رسول اکرم ﷺ نے اس خاتون کے بچے کی طرف دیکھا۔ آپ ﷺ کا دل اس معصوم بچے کو دیکھ کر رنج وغم سے تڑپ اٹھا، کیونکہ آپ نہ صرف انسانیت کے

لیے سراپا رحمت تھے بلکہ چرندو پرند پر
بھی رحیم تھے۔ یہی نہیں بلکہ اہل علم کے قول کے
مطابق کافروں کے لیے بھی آپ سراپا رحمت تھے کہ آپ انہیں
عذاب الٰہی سے بچانے کے لیے تشریف لائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا
ارشاد ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ﴾ (الأنبياء: 107)

''ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔''

رسول اکرم ﷺ کو یہ فکر دامن گیر تھی کہ جب اس خاتون کو سنگسار کر دیا جائے گا تو پھر اس کے بعد اس معصوم بچے کو دودھ کون پلائے گا؟ جب یہ خاتون دنیا سے رخصت کر دی جائے گی تو اس معصوم کی ذمہ داریاں کون سنبھالے گا؟ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«ارْجِعِي وَأَرْضِعِيهِ، فَإِذَا فَطَمْتِيهِ فَعُودِي إِلَيَّ».

''واپس جاؤ اور اس بچے کو دودھ پلاتی رہو۔ جب اس کا دودھ چھڑا دو تو
میرے پاس آنا۔''

وہ خاتون اپنے بچے کو گود میں اٹھائے اپنے گھر واپس چلی گئی اور
اسے دودھ پلاتی رہی۔ اس دوران اس کے ایمان کا
عالم یہ تھا کہ روز بروز اس میں اضافہ ہی
ہوتا چلا جا رہا

تھا۔ اس کے دل میں ایمان مضبوط
پہاڑ کی طرح مستحکم ہو چکا تھا، وہ شوق دیدار الٰہی میں
سرشار تھی اور روز بروز اپنے پروردگار کے قریب ہوتی جا رہی تھی۔
وہ اس جنت کی جستجو میں طاعت و بندگی کا مجسمہ بن چکی تھی جو متقین
کے لیے تیار کی گئی ہے اور جس کے دروازے خالص توبہ کرنے والوں کے
لیے ہمیشہ کھلے رہتے ہیں۔

جب بچے نے دودھ چھوڑ دیا تو خاتون نے کم از کم وقت میں اسے روٹی کھانا سکھا دیا۔ پھر اس کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھمایا اور اسے لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوگئی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے پاک کر دیجیے۔

رسول اکرم ﷺ نے خاتون سے بچے کو لے لیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے آپ اس کے بچے کو لے کر اس کے دل کو کھینچ رہے ہیں، لیکن کیا کر سکتے تھے، اللہ کا حکم تھا، نبوی عدالت تھی۔ وہی حق پیش نظر تھا جس پر زندگی کی عمارت استوار ہے۔ حکومت اسلامیہ کا یہی دستور تھا، جس نے تمام لوگوں کو مساوی قرار دیا ہے، خواہ عقوبت و سزا کا باب ہو یا گردن زدنی اور حبس و قید خانہ۔ پھر رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ يَكْفُلُ هٰذَا وَهُوَ رَفِيقِي فِي الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ»۔

”کون اس بچے کی کفالت اپنے ذمہ لے
گا، وہ جنت میں

ان دونوں انگلیوں کی طرح میرے ساتھ ہوگا۔''

ایک انصاری نے بچے کی کفالت کی ذمہ داری قبول کرلی۔

پھر نبی کریم ﷺ کے حکم سے اس خاتون کے سینے کے برابر گڑھا کھودا گیا اور خاتون کو اس میں کھڑا کر کے گڑھے میں مٹی ڈال دی گئی۔ پھر لوگوں نے اس پر ہر طرف سے پتھروں کی بارش کی۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے بھی ایک پتھر اس کے سر پر مارا، جس سے خون کا چھینٹا ان کے چہرے پر آ پڑا۔ حضرت خالد نے اس خاتون کو برا بھلا کہا۔ جب رسول اکرم ﷺ نے ان کی بات سنی تو فوراً بولے:

«مَهْلًا يَا خَالِدُ! فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ تَابَهَا صَاحِبُ مَكْسٍ لَغُفِرَ لَهُ».

''چپ رہو اے خالد! قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس خاتون نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ناجائز ٹیکس وصول کرنے والا بھی ایسی توبہ کرتا تو اس کی بھی مغفرت ہو جاتی'' (مسلم:1695)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کے حکم سے اس عورت (غامدیہ رضی اللہ عنہا) کے اوپر اس کا کپڑا اچھی طرح باندھ دیا گیا، پھر آپ کے حکم سے اس کو سنگسار کر دیا گیا۔ اس کے

بعد نبی کریم ﷺ نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

«أتُصَلِّي عَلَيْهَا يَا نَبِيَّ اللهِ وَقَدْ زَنَتْ».

''اے اللہ کے نبی! آپ اس پر نماز جنازہ پڑھ رہے ہیں' حالانکہ اس نے زنا کا ارتکاب کیا تھا؟''

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ سَبْعِينَ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ لَوَسِعَتْهُمْ، وَهَلْ وَجَدْتَ تَوْبَةً أَفْضَلَ مِنْ أَنْ جَادَتْ بِنَفْسِهَا لِلّٰهِ تَعَالَى».

''اس نے ایسی (خالص) توبہ کی ہے کہ اگر اسے ستر باشندگانِ مدینہ پر تقسیم کر دیا جائے تو ان سب کی بخشش ہو جائے۔ کیا تو نے اس عورت سے بڑھ کر کسی کی توبہ دیکھی ہے جس نے اپنی جان خوشی کے ساتھ اللہ کے لیے قربان کر دی ہو؟''

(مسلم: 1696)

یہ واقعہ کتب حدیث اور کتب سیرت میں صحیح اسناد کے ساتھ مذکور ہے۔

شعائر اسلامی کی پابند خاتون

ایک مرتبہ دفتر کے کسی اہم کام کے پیش نظر میں جدہ جا رہا تھا۔ راستے میں ایک گاڑی کا حادثہ دیکھ کر میں بری طرح گھبرا اُٹھا...... معلوم ہو رہا تھا کہ اس گاڑی کا ابھی ابھی حادثہ ہوا ہے...... میں اس جائے حادثہ پر پہنچنے والا پہلا شخص تھا۔ میں نے اپنی کار روکی اور جلدی سے اس گاڑی کی طرف گیا جو اس حادثہ فاجعہ سے دوچار ہوئی تھی۔ میرا خیال تھا کہ گاڑی کے اندر ضرور کوئی نقصان ہوا ہوگا۔

میں نے گاڑی کے اندر جھانک کر دیکھا تو میری دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ ہاتھ تھر تھر کانپنے لگے...... پاؤں ڈگمگانے لگے اور نگاہ عبرت سے سانس رکنے لگا۔ میری آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں اور قریب تھا کہ میں چلا کر رونے لگوں۔

یہ عجیب منظر تھا...... رنج وغم کا منظر...... گاڑی چلانے والا اسٹیرنگ ہی پر مردہ پڑا تھا۔ اس کی نگاہ آسمان کی طرف اٹھی ہوئی تھی' شہادت کی انگلی کھڑی تھی' چہرے پر مسکراہٹ کے آثار تھے...... اس پر گھنی داڑھی تھی' اور ایسا نور نمایاں تھا جیسے سورج اپنی شعاعیں بکھیر رہا ہو یا چاند جگمگا رہا ہو!!

عجیب منظر تھا!! اس کی معصوم سی ننھی بچی اس کی پیٹھ پر پڑی تھی...... اس نے اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے باپ کی گردن پکڑی ہوئی تھی...... اور وہ بھی دنیا کو الوداع کہہ کر اپنی جان جان آفریں کے حوالے کر چکی تھی!!

لا الہ الا اللہ! میں نے کبھی ایسی موت نہیں دیکھی تھی...... پاکیزہ موت! پرسکون موت...... پروقار موت...... اس کی صورت بتلا رہی تھی کہ اس کی زندگی انتہائی استقامت کے ساتھ رواں دواں تھی...... اس کی شہادت کی انگلی اس بات کا پتہ دے رہی تھی کہ وہ اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوا ہے...... مسکراتے ہوئے زندگی کی آخری سانس لینا اس بات کی علامت تھی کہ اس کی موت بڑے اطمینان کے عالم میں ہوئی ہے۔

میں اس خاتمہ بالخیر کو دیکھ کر گہرے غور و فکر کی وادیوں میں اتر گیا۔ میرے دماغ میں افکار کا ازدحام ہو گیا...... ایک سوال میرے دل و دماغ کو بار بار جھنجھوڑ رہا تھا اور میں بار بار سوچ رہا تھا:

«كَيْفَ سَيَكُونُ رَحِيلِي؟» ''میرا خاتمہ کس حالت میں ہوگا؟''

یہ سوال میرے ذہن کو شدت کے ساتھ کرید رہا تھا اور میری غفلت کا پردہ چاک کر رہا تھا...... خوف و خشیت کے باعث میری آنکھوں سے آنسوؤں کا سیل رواں جاری تھا اور میری سسکیوں کی آواز آہستہ آہستہ تیز ہو رہی تھی۔ وہاں اگر کوئی مجھے دیکھتا تو وہ سمجھتا کہ میں اس میت کا کوئی قریبی رشتہ دار ہوں۔

میں اس قدر زور زور سے رو رہا تھا جیسے کوئی ماں اپنے بچے کی موت پر رو رہی ہو...... مجھے احساس تک نہیں ہو رہا تھا کہ میرے اردگرد کون ہے!

اتنے میں میرے کانوں سے ایک عورت کی آواز ٹکرائی جو بہت ہی اطمینان

اور یقین کے ساتھ بول رہی تھی۔ اس کی آواز نے میرے شعور و آگہی کو واپس کر دیا۔ وہ کہہ رہی تھی: بھائی صاحب! آپ میت پر آنسو نہ بہائیں...... یہ ایک صالح اور نیک آدمی تھے۔ ہمیں گاڑی کے اندر سے نکالنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے...... میں آواز کی طرف متوجہ ہوا' دیکھا تو کار کی پچھلی سیٹ پر ایک خاتون دو چھوٹے چھوٹے بچوں کو اپنے سینے سے لگائے بیٹھی ہے جنہیں کوئی زخم نہیں لگا تھا۔ وہ سب صحیح سلامت تھے!!

وہ خاتون پورے طور پر پردہ کیے ہوئی تھی اور جاں گداز حادثے کے باوجود پوری طرح اطمینان کی حالت میں تھی۔ کوئی رونا دھونا تھا نہ چیخ پکار اور نہ کوئی آہ و بکا اور گریہ وزاری تھی!!

ہم نے گاڑی کے اندر موجود اس خاتون اور اس کے دونوں بچوں کو نکالا...... جو کوئی مجھے اور اس خاتون کو دیکھتا' وہ سمجھتا کہ خاتون نہیں بلکہ میں مصیبت زدہ ہوں!!

خاتون اپنے پردے کو سمیٹتے اور پورے جسم کو ڈھانپتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر پہ راضی اور ثابت قدم رہتے ہوئے ہم سے گویا ہوئی: اگر آپ لوگ دشواری نہ سمجھیں تو میرے شوہر اور بچی کو کسی قریبی ہسپتال میں پہنچانے کی زحمت کریں...... غسل اور کفن میں جلدی کریں اور مجھے میرے دونوں بچوں کے ساتھ ہمارے گھر پہنچا دیں...... اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

چند لوگوں نے جلدی سے خاتون کے شوہر اور اس کی بچی کو قریبی ہسپتال پہنچایا اور ضروری کارروائی کے بعد قریبی قبرستان لے گئے۔ دیگر حاضرین نے اس خاتون سے کہا کہ وہ ہم میں سے کسی کے ساتھ گاڑی میں سوار ہو جائے تا کہ اسے اس کے گھر تک پہنچایا جا سکے...... لیکن اس خاتون نے انتہائی شرم وحیا اور عزم کے ساتھ انکار کرتے ہوئے کہا:

«لَا وَاللهِ! لَا أَرْكَبُ إِلَّا فِي سَيَّارَةٍ فِيهَا نِسَاءٌ».

"میں صرف اسی گاڑی میں سوار ہو سکتی ہوں جس میں کچھ عورتیں بھی ہوں۔"

پھر وہ خاتون اپنے دونوں بچوں کو لے کر ایک طرف ہو گئی۔ ہم اس وقت اس خاتون کی خواہش کی تکمیل کیسے کر سکتے تھے؟ اس کی خواہش کے مطابق عورتوں والی گاڑی کہاں سے لاتے؟ بہر حال ہم نے اس کے جذبات کا خیال رکھا...... اور اس کے موقف کی تعظیم کی۔

خاصا وقت گزر گیا اور ہم اس پریشان کن گھڑی میں...... اس بیابان جگہ دو گھنٹے مسلسل انتظار کرتے رہے۔ اتنے میں ہمارے پاس سے ایک گاڑی کا گزر ہوا جس میں ایک آدمی اور اس کی پوری فیملی سوار تھی۔ ہم نے گاڑی رکوائی اور اس کے مالک کو خاتون کے ساتھ پیش آمدہ حادثے سے آگاہ کیا اور اس سے گذارش کی: براہ کرم اس خاتون کو اس کے بچوں سمیت اس کے گھر پہنچادیں۔ وہ آدمی راضی ہو گیا اور اس خاتون کو اس کے بچوں سمیت لے کر اس کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

پھر میں اپنی گاڑی کی طرف واپس آیا اور اپنی منزل کو روانہ ہوا۔ میں اس خاتون کی عظیم ثابت قدمی پر بہت تعجب کر رہا تھا۔ آخری لمحات میں اس کے شوہر کی استقامت اور ایمان کی شہادت!! اور ایسی پریشان کن گھڑی میں اس کی بیوی کا مکمل پردے کی حالت میں ایمانی جذبے سے بات کرنا اور اسلامی تعلیمات پر بھرپور عمل کرنا!!

اسی کا نام ایمان ہے!!......اسی کا نام ایمان ہے!!......

اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے:

﴿يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۖ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ ۚ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ﴾.

(ابراہیم: 27)

''ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ پکی بات کے ساتھ ثابت قدم رکھتا ہے' دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت کی زندگی میں بھی۔ ہاں' ناانصاف لوگوں کو اللہ بہکا دیتا ہے' اور اللہ جو چاہے کر گزرے۔''

(دیکھیے: المرفا ستکی سعید آل شلوان)

حاضر جوابی

احمد بن ابی طاہر بڑا بدشکل انسان تھا' اس کے پاس ایک لونڈی تھی جو خاصی خوبصورت تھی۔ ایک دن وہ اپنی لونڈی کے پاس آیا تو اسے دیکھ کر مسکرا پڑا' مگر لونڈی اسے دیکھ کر چیں بہ جبیں ہوگئی۔

لونڈی کے ماتھے پر شکن دیکھ کر احمد بن ابی طاہر نے کہا: میں تیری صورت دیکھ کر ہنس رہا ہوں اور تو ہے کہ چیں بہ جبیں ہو رہی ہے؟

لونڈی نے کہا:

«نَظَرْتَ إِلَى مَا سَرَّكَ فَضَحِكْتَ وَنَظَرْتُ إِلَى مَا سَاءَنِي فَعَبَسْتُ».

''تم من بھاتی چیز دیکھ کر مسکرا اٹھے اور مجھے ایک ناگوار چیز سے واسطہ پڑا جس سے میرے ماتھے پر شکن آ گئی۔''

(مجلة العربي: 444/179، نساء ذکیات جدا: 119)

مبارک قبرستان

شیبانی کا بیان ہے: ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما ایک اعرابیہ (بدو خاتون) کے خیمے پر اترے۔ اعرابیہ کے پاس ایک مرغی تھی جسے اس نے بڑی محنت سے پال پوس رکھا تھا۔ اس نے مرغی ذبح کی اور پکا کر حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کی خدمت میں لائی اور کہنے لگی:

ابو جعفر! اس مرغی کو میں نے نہایت محنت اور محبت کے ساتھ پالا تھا۔ خصوصی خوراک کھلاتی، راتوں کو اس کی پیٹھ سہلاتی۔ میں اسے اپنی بیٹی کی طرح رکھتی تھی۔ میں نے نذر مان رکھی تھی کہ اس پیاری مرغی کو کسی مبارک قبرستان میں دفن کروں گی۔ مجھے آپ کے پیٹ سے زیادہ اچھا اور مبارک قبرستان نہیں مل سکا، اس لیے میں نے اپنی پیاری مرغی کو ذبح کیا اور پکا کر آپ کی خدمت میں لائی ہوں اور اسے آپ کے پیٹ میں دفن کرنا چاہتی ہوں۔

یہ سن کر حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما ہنس پڑے اور اسے پانچ سو درہم دینے کا حکم دیا۔

(العقد الفرید: 59/4 'نساء ذکیات جلد ا: 57)

ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں

وہ بوڑھی عورت تھی جس کے سات بچے تھے۔ شوہر کچھ ہی دن قبل اسے داغ مفارقت دے چکا تھا۔ خاتون اور اس کے بچے اب بے سہارا ہو چکے تھے، اس لیے والدہ اور بھائیوں کی پرورش کی ذمہ داری نبھانے کے لیے بڑے لڑکے کو اپنا تعلیمی سلسلہ منقطع کرنا پڑا، چنانچہ وہ اپنے والد کی دکان میں کام کرنے لگا اور خاصی محنت ومشقت سے زیادہ آمدنی حاصل کرنے کی تگ ودو میں لگ گیا......

لیکن تین سالوں کے بعد اسے حکومت کی جانب سے لازمی فوجی ٹریننگ کے لیے بلوالیا گیا، جس کی وجہ سے ان کی مشکلات میں اور اضافہ ہوگیا۔ گھر میں ایک ہی بحث تھی کہ اگر وہ ٹریننگ کے لیے چلا جاتا ہے تو گھر کے اخراجات کون پورے کرے گا کیونکہ دکان بند کرنی پڑے گی۔ اب یا تو بڑے سے چھوٹا تعلیم کو خیر باد کہہ دے یا پھر......؟ مگر ایک مرتبہ تعلیم چھوٹ جائے تو پھر دوبارہ کون پڑھتا ہے۔

اِدھر اُدھر سے مشورے لیے گئے۔ عراقی گورنمنٹ کا ایک نظام ہے جس کے تحت اگر حکومت کے خزانے میں 400 دینار جمع کروادیے جائیں تو لازمی ٹریننگ سے چھٹی مل سکتی ہے۔ اب یہ رقم کہاں سے آئے، اتنی بڑی رقم؟ گھر کے افراد ایک مرتبہ پھر سنجیدگی سے غور کرنے بیٹھے۔ خاصے بحث مباحثے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ گھر کو گروی رکھ دیا جائے اور سرکاری خزانے میں 400 دینار جمع کرواکر لازمی فوجی ٹریننگ سے استثناء حاصل کیا جائے۔

چنانچہ گورنمنٹ کو درخواست دی گئی کہ ہم رقم جمع کروا دیتے ہیں۔ وہاں سے منظوری آ گئی کہ فلاں تاریخ تک رقم خزانے میں جمع کروا دیں، بصورت دیگر بیٹے کو لازماً بھیجنا ہوگا۔ اب گھر کو گروی رکھنے کا معاملہ تھا۔ پیسے ملنے میں خاصا وقت لگ گیا، ادھر تاریخ قریب آ گئی تھی۔ رقم جمع کروانے کے لیے قریبی شہر جانا تھا جو کم وبیش 240 کلومیٹر کی مسافت پر تھا۔ آخر وہ دن آ ہی گیا جب 400 دینار بوڑھی اماں کی جیب میں تھے۔ رقم جمع کروانے کی مہلت میں صرف ایک دن باقی تھا۔ عصر ہو چکی تھی کہ وہ اکیلی ہی بسوں کے اڈے پر گئی۔ معلوم ہوا کہ آخری بس روانہ ہو چکی ہے۔ اگر مزید مسافر آ جائیں تو نئی بس روانہ ہوگی ورنہ اگلے دن جائے گی۔ اب بوڑھی عورت پریشان کہ مجھے تو ہر حالت میں آج شام وہاں پہنچنا ہے۔ کل آخری دن ہے۔ وہ خاصی دیر تک مزید مسافروں کا انتظار کرتی رہی، مگر اس روز کوئی مسافر نہ آیا۔ اڈے پر موجود لوگوں نے مشورہ دیا کہ وہ ٹیکسی سے چلی جائے۔ مسئلے کا یہی ایک حل ہے۔

چنانچہ اس نے ایک ٹیکسی والے سے کرایہ طے کیا اور ٹیکسی پر متعلقہ شہر کو چل دی۔ ڈرائیور نے بڑھیا سے اپنا پورا کرایہ وصول کر لیا تھا۔ گاڑی جانب منزل چل رہی تھی، اور دونوں شہروں کا درمیانی راستہ پہاڑوں اور وادیوں کے درمیان سے گزرتا تھا۔ جب گاڑی رہائشی علاقے سے بہت دور نکل چکی اور صحرائی علاقے میں داخل ہونے لگی تو ڈرائیور نے بوڑھی عورت کے ساتھ گفتگو شروع کی اور پوچھا کہ اس کو کیا مجبوری تھی کہ وہ ٹیکسی پر خاصی رقم خرچ کر کے اس شہر کو جا رہی ہے۔ بوڑھی

عورت نے ساری داستان سنا دی۔ جب ڈرائیور نے سنا کہ اس عورت کے پاس 400 دینار ہیں تو اس کی نیت خراب ہوگئی۔ یہ بوڑھی عورت ہے، کسی کو پتہ نہیں چلے گا۔ میں راستے میں اس کا خاتمہ کر دیتا ہوں۔ پہاڑوں کے درمیان ٹیکسی چلی جا رہی تھی کہ اچانک ایک جھٹکے سے رک گئی۔ بوڑھی اماں نے آنکھیں کھولیں۔ کیا ہوا ہے؟ غالباً گاڑی میں خرابی ہوگئی ہے۔ اچھا میں دیکھتا ہوں۔ ڈرائیور نیچے اترا، اس نے بونٹ اوپر اٹھایا۔ شام ہو رہی تھی، سڑک بالکل سنسان تھی۔ اس نے ڈگی سے ایک سریا نکالا۔ اماں ذرا باہر نکلو گاڑی کو دھکا دینا ہے۔ اچھا اللہ خیر کرے شام ہو رہی ہے۔ یہ گاڑی کیسے خراب ہوگئی؟ خوف کی ایک لہر سنسناتی ہوئی اس کے جسم سے گزر گئی۔ جب وہ باہر نکلی تو وہ بدبخت اس پر حملہ آور ہوگیا، اس کے ہاتھ میں سریا تھا۔ وہ کہاں تک برداشت کرتی، کیسے سہتی! ڈرائیور نے دینار چھین لیے۔

بوڑھی عورت خون میں نہائی ہوئی زمین پر گری پڑی ہے، سانس چل رہی ہے، سڑک سے ذرا دور اپنی زندگی کے غالباً آخری سانس لے رہی ہے، خون مسلسل بہہ رہا ہے اور پھر وہ بے ہوش ہوگئی۔ ادھر ٹیکسی ڈرائیور نے سوچا کہ مجھے جلد ہی یہاں سے بھاگنا چاہیے، کہیں کوئی گاڑی نہ آجائے، میں پکڑا نہ جاؤں۔ اس کی منزل وہی شہر تھی جہاں وہ عورت جا رہی تھی۔ جیسے ہی اڈے میں پہنچا، سواریاں اس کی منتظر تھیں۔ واپس نہیں جاؤ گے؟ انہوں نے سوال کیا۔ کیوں نہیں؟ وہ بول اٹھا۔ چند منٹ میں ٹیکسی بھر چکی تھی۔ اس نے واپسی کا رخ کیا۔ اب رات ہو چکی تھی، سڑک پر اندھیرا تھا جو آہستہ آہستہ گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ قاتل جتنا بھی قوی اعصاب کا

مالک ہو اس کے اندرونی احساسات اسے مسلسل زک پہنچاتے رہتے ہیں۔ یہ تم نے کیا کر دیا! اس کا ضمیر اسے ملامت کر رہا تھا۔ جب وہ اس مقام پر پہنچا جہاں اس نے بوڑھی عورت کو قتل کیا تھا اور رقم چھینی تھی تو ایک غیر مرئی طاقت نے اسے مجبور کر دیا کہ وہ گاڑی روک کر اس عورت کو دیکھے کہ وہ مر گئی ہے یا زندہ ہے؟ اور پھر اچانک جائے وقوعہ کے قریب اس نے بریکیں لگا دیں۔ ٹیکسی کے مسافر کچھ نیند کی وادی میں تھے، اندر اندھیرا تھا۔ اس نے گاڑی کی لائٹیں عورت پر ڈالیں تو وہ ابھی تک ہل رہی تھی۔ مسافروں نے سمجھا کہ ڈرائیور حوائج ضروریہ کے لیے نیچے اترا ہے۔ جب قریب گیا تو وہ آہستہ آہستہ کراہ رہی تھی۔ ملعون عورت' تم ابھی تک زندہ ہو۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا، ایک بڑا پتھر نظر آیا۔ ابھی دیکھتا ہوں تم کب تک زندہ رہتی ہو۔ بوڑھی عورت نے ایک حسرت بھری نگاہ سے اسے دیکھا، رحم کی اپیل کی، مگر اس پر شیطان مکمل طور پر سوار تھا۔ وہ پیچھے ہٹا اور بڑھیا کو مارنے کے لیے اس نے پوری قوت سے پتھر اٹھایا۔ لمحات کی دیر تھی، ابھی پتھر اس کے ہاتھوں میں تھا کہ اس نے زوردار چیخ ماری۔ پوری وادی گونج اٹھی۔ ٹیکسی کے مسافر بھی گھبرا کر باہر نکلے۔ گاڑی کی لائٹ میں عجب منظر دکھائی دیا۔ ڈرائیور زمین پر گرا تڑپ رہا تھا، ایک خوفناک اژدہا تیزی سے پہاڑ کے اوپر چڑھ رہا تھا۔

دراصل جب اس نے پتھر اٹھایا تو اس کے ساتھ ہی اژدہا تھا جس نے اسے آناً فاناً ڈس لیا، اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ڈرائیور مر چکا تھا۔ مسافر جلدی سے بوڑھی عورت کی طرف گئے، اس میں جان باقی تھی۔ اس کو پانی پلایا، اٹھا کر گاڑی

میں لائے۔ ایک مسافر نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ قریبی ہسپتال لے جا کر اس عورت کو داخل کروا دیا گیا۔ پولیس آئی اور اس نے تحقیقات شروع کر دی۔

دوسرے دن بوڑھی عورت کو جب کچھ افاقہ ہوا تو پولیس نے اس سے حقیقت حال دریافت کی، اور پھر مجرم کے کپڑوں سے اس کے دینار برآمد ہو گئے۔ بڑھیا نے اپنے بیٹے سے بے ہوشی کے عالم میں کہا کہ یہ مال لے کر اپنا عوض فوراً ادا کر دو...... پھر اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور دوسری مرتبہ ایک طویل غشی طاری ہو گئی...... لیکن اس کی وفات نہیں ہوئی...... اور ایک دن ایسا بھی آیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو صحت عنایت کی، اسے مادی استحکام بخشا اور اس کے حالات بہت بہتر ہو گئے۔

قارئین کرام! یہ قصہ بیان کرنے والا کوئی عام آدمی نہیں، جس نے سنی سنائی باتوں کو بغیر جانچ پڑتال کے لکھ دیا ہو، بلکہ ''محمود شیث خطاب'' ہیں جنہوں نے خود جا کر اس بوڑھی عورت سے حقیقت حال دریافت کی ہے...... وہ اس بوڑھی خاتون کے نئے گھر گئے جس کو اس نے اس آفت کے بعد آباد کیا تھا اور پوچھا: اے خاتون! جب تو وادی میں زمین پر ڈھیر ہو گئی تھی اس وقت تیری زبان سے کیا دعا نکل رہی تھی؟ اس نے بتایا کہ میں یہ دعا پڑھتی رہی:

«يَا جَبَّارَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ أَعْلَمُ بِحَالِي فَهَيِّئْ لِي بِقُدْرَتِكَ الْقَادِرَةِ أَسْبَابَ دَفْعِ الْبَدَلِ النَّقْدِيِّ عَنْ وَلَدِي، لِيَعُودَ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَيُعِيلَهُمْ . . . . يَارَبِّ».

''اے آسمان وزمین کے پیدا کرنے والے! تو میری حالت کو زیادہ بہتر

جانتا ہے، اس لیے تو اپنی قدرتِ کاملہ سے میرے بیٹے کی طرف سے بدل نقدی ادا کرنے کے اسباب مہیا فرما دے تاکہ وہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر ان کے نان ونفقہ کی ذمہ داریاں سنبھال لے اور ان کی پرورش و پرداخت کر سکے..... اے میرے پروردگار! تو ہی میری پکار سن سکتا ہے۔"

ماں کی ممتا دیکھیے...... ماں کی اس عظیم قربانی پر غور کیجیے...... اس نے اپنے جسم سے بہتے خون کی قطعاً کوئی پروا نہیں کی۔ اسے اس بات کی چنداں فکر نہیں ہوئی کہ اب تھوڑے ہی وقفہ میں اس کی زندگی کا چراغ گل ہونے والا ہے اور وہ اس دنیا سے کوچ کرنے والی ہے، بلکہ اگر اسے کسی بات کی فکر دامنگیر تھی، اگر اسے کوئی غم ستائے جا رہا تھا تو وہ صرف یہ کہ اس کی اولاد کی پرورش کیسے ہوگی؟ ان کی زندگی کے لیے نان ونفقہ کا بندوبست کون کرے گا؟ اس کی دعا ومناجات کے بعد آسمانوں اور زمین کے پروردگار کی طرف سے کشادگی کا فیصلہ ہوتا ہے:

﴿أَمَّن يُجِيبُ ٱلْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ ٱلسُّوٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ ٱلْأَرْضِ ۗ أَءِلَٰهٌ مَّعَ ٱللَّهِ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ﴾

(النمل: 62)

"کون ہے جو بے کس کی پکار کو جب کہ وہ پکارے، قبول کر کے سختی کو دور کر دیتا ہے اور تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور کوئی معبود بھی ہے؟ تم لوگ بہت کم نصیحت وعبرت حاصل کرتے ہو"

(عدالۃ السماء، از محمود شیث خطاب، معمولی تصرف کے ساتھ)

چاندنی رات میں

خلیفہ ہارون رشید ایک مرتبہ اپنی ملکہ کے ساتھ چاندنی رات میں بیٹھا ہوا تھا۔ ملکہ کا حسن و جمال دیکھ کر بے ساختہ اس کی زبان سے نکل گیا:

«إِنْ لَمْ تَكُونِي أَحْسَنَ مِنَ الْقَمَرِ فَأَنْتِ طَالِقٌ»

''اگر تم اس چاند سے زیادہ خوبصورت نہیں تو تمہیں طلاق!''

اس کی زبان سے کلمہ تو نکل گیا مگر اب وہ پچھتا رہا تھا کہ میں نے یہ کیا کہہ دیا۔

پھر اس نے اپنے زمانے کے بڑے بڑے علماء سے اپنی اس بات کے متعلق فتویٰ دریافت کیا۔ سب نے کہا: طلاق ہو گئی۔ لیکن اس وقت کے مشہور عالم یحییٰ بن اکثم نے ان تمام کی مخالفت کی اور فتویٰ دیا کہ طلاق نہیں ہوئی۔

پوچھا گیا: کس بنیاد پر آپ نے اپنے مشائخ کے فتویٰ کی مخالفت کی ہے؟

یحییٰ بن اکثم نے کہا: فتویٰ علم و دلیل کی بنیاد پر دیا جاتا ہے اور اس سلسلہ میں اس ہستی نے فتویٰ صادر کیا ہے جس کے علم سے ہمارے علم کو کوئی نسبت ہی نہیں۔ ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ﴾ . (سورۃ التین:4)

''یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کیا ہے''

بیوہ کے لیے سمندر اور خشکی میں تجارت

مورخین نے کتب تاریخ میں لکھا ہے کہ ایک عورت اللہ کے نبی حضرت داود علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: اے اللہ کے نبی! آپ کا پروردگار عادل ہے یا ظالم؟

حضرت داود علیہ السلام نے فرمایا: تیرا ناس ہو اے خاتون! تو کیا بات کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو سراسر عدل وانصاف ہے، وہ ذرہ برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا ہے۔ پھر اس سے پوچھا کہ تم ایسا کیوں کہہ رہی ہو' تمہارا قصہ کیا ہے؟ اس عورت نے اپنا قصہ بیان کرنا شروع کیا: اے اللہ کے نبی! میں ایک بیوہ عورت ہوں، میری تین بچیاں ہیں جن کی پرورش میں اپنے ہاتھ سے سوت کات کات کے کرتی ہوں۔ میں دن بھر اور بعض اوقات راتوں کو جاگ کر سوت کاتتی ہوں۔ گزشتہ روز میں اپنا کتا ہوا سوت ایک سرخ کپڑے میں باندھ کر اسے بیچنے کے لیے بازار جانا چاہتی تھی تاکہ اس کی آمدنی سے بچیوں کے کھانے پینے کا بندوبست کروں لیکن اچانک ایک پرندہ مجھ پر ٹوٹ پڑا اور سرخ کپڑے کا ٹکڑا جس میں میں نے سوت باندھ رکھا تھا، اسے گوشت کا ٹکڑا سمجھتے ہوئے لے اڑا۔ میں یونہی حسرت ویاس سے ہاتھ ملتے رہ گئی۔ اب میرے پاس کچھ بھی نہیں کہ اپنی بچیوں کو کھانا ہی کھلا سکوں۔

ابھی عورت داود علیہ السلام سے اپنی داستان بیان کر ہی رہی تھی کہ اتنے میں آپ کے دروازہ پر دستک ہوئی۔ اللہ کے نبی نے آنے والے کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اجازت ملتے ہی دس تاجر یکے بعد دیگرے اندر داخل ہوئے جن میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں سو سو دینار تھے۔ تاجروں نے عرض کیا: اللہ کے نبی! ہمارے ان دیناروں کو ان کے مستحق تک پہنچا دیں۔

حضرت داود علیہ السلام نے ان سے پوچھا: ''میرے پاس یہ مال حاضر کرنے کا سبب کیا ہے؟''

تاجروں نے جواب دیا: ''اللہ کے نبی! ہم سب ایک کشتی میں سوار تھے۔ اتفاقاً ایک زوردار آندھی آئی جس سے ہماری کشتی میں ایک جانب سوراخ ہوگیا اور پانی کشتی میں داخل ہونا شروع ہوگیا۔ موت ہمیں سامنے نظر آ رہی تھی۔ ہم نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں اس طوفان سے نجات دے دے تو ہر شخص سو سو دینار صدقہ کرے گا۔ اب پانی کشتی میں تیزی سے داخل ہونے لگا۔ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی جس سے اس سوراخ کو بند کر سکیں۔ ادھر ہم نے نذر مانی' ادھر اللہ تعالیٰ نے ہماری مدد کا بندوبست کر دیا۔ ایک بہت بڑا پرندہ منڈلاتا ہوا کشتی کے اوپر

آ گیا۔ اس کے پنجے میں ایک سرخ
رنگ کی پوٹلی تھی۔ اس نے دیکھتے ہی دیکھتے پوٹلی کشتی
میں پھینک دی۔ ہم نے لپک کر اس پوٹلی کو پکڑا، اس میں کاتا
ہوا سوت تھا۔ ہم نے فوراً اس سے کشتی کا سوراخ بند کیا اور اس میں
داخل شدہ پانی کو ہاتھوں سے باہر پھینکا۔ تھوڑی دیر بعد طوفان تھم گیا اور یوں
ہم موت کے منہ سے واپس آئے ہیں۔ اب یہ صدقے کی رقم آپ کے ہاتھوں
میں ہے، آپ جسے چاہیں اسے دے دیں۔"

یہ قصہ سن کر داود علیہ السلام اس بیوہ عورت کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

«رَبٌّ يَتَّجِرُ لَكَ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَتَجْعَلِينَهُ ظَالِمًا؟».

"پروردگار تیرے لیے بحر و بر میں تجارت کر رہا ہے اور تو ہے کہ اسے ظالم گردان رہی ہے؟"

پھر آپ نے وہ دینار اس خاتون کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا:

"جاؤ انہیں اپنی بچیوں پر خرچ کرو۔"

(مجالس النساء)

ماں کا احترام

اسلام والدین کے ساتھ حسن سلوک کی بے حد تلقین کرتا ہے۔ آیئے دیکھیں کہ اسلام کے بعض مشاہیر کا اپنی ماؤں کے ساتھ تعلق کیسا تھا:

امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ اپنی والدہ کے ساتھ حسن سلوک کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ خود ان کا بیان ہے:

«وَاللهِ! مَا ارْتَقَيْتُ سَطْحَ بَيْتٍ وَوَالِدَتِي فِي الْبَيْتِ لِئَلَّا أَرْتَفِعَ عَلَيْهَا».

''اللہ کی قسم! اپنی والدہ محترمہ کے گھر میں موجود رہتے ہوئے میں کبھی چھت پر نہیں چڑھا، مبادا میں ان سے اونچا نہ ہو جاؤں!!''

امام ابن سیرین کا معمول تھا کہ وہ اپنی والدہ کی خدمت میں کھانا خود پیش کرتے اور اس وقت تک کھانا شروع نہیں کرتے تھے جب تک کہ ان کی والدہ کھانا شروع نہ کر دیتی، نیز وہ اس برتن سے کھانا نہیں کھاتے تھے جس میں ان کی والدہ کھاتی۔ جب ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا:

«أَخْشَى أَنْ تَقَعَ عَيْنُهَا عَلَى شَيْءٍ مِنَ الطَّعَامِ فَآخُذَهُ فَأَكُونَ عَاقًّا».

''میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میری والدہ کی نگاہ انتخاب کسی کھانے کی چیز پر پڑے اور میں اسے اٹھا کر کھا لوں اور نافرمان بن جاؤں۔''

امام ابن سیرین کی عادت تھی کہ جب کبھی اپنی ماں کے سامنے بیٹھتے تو اپنی نگاہ اونچی نہیں کرتے تھے، بلکہ اپنی ماں کے سامنے اپنی نگاہ اس قدر پست رکھتے کہ دیکھنے والا انہیں زرخرید غلام سمجھتا۔

یہی حال امام اہل سنت وجماعت، خادم حدیث امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا تھا۔ انہوں نے خود کو ماں کا وفادار خادم بنا لیا تھا۔ وہ اپنی والدہ کے کپڑے خود اپنے ہاتھوں سے دھویا کرتے، اس کے لیے کھانا بناتے اور اس کی جملہ ضروریات کی تکمیل کیا کرتے تھے: اس لیے کہ انہوں نے اپنی کتاب ''مسند امام احمد'' میں یہ حدیث نقل کی تھی کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہ بن جاہمہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

«يَا رَسُولَ اللهِ! أَرَدْتُ الْغَزْوَ، وَجِئْتُكَ أَسْتَشِيرُكَ».

''اے اللہ کے رسول! میں جہاد پر جانا چاہتا ہوں اور آپ کی خدمت میں آپ سے مشورہ طلب کرنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا:

«هَلْ لَكَ أُمٌّ؟».

''کیا تیری ماں زندہ ہے؟''

حضرت معاویہ بن جاہمہ

ؓ نے عرض کیا: جی ہاں۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«اِلْزَمْهَا فَإِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ رِجْلَيْهَا»

''اپنی ماں کی خدمت کر کیونکہ جنت اس کے قدموں کے نیچے ہے۔''

(صحیح، احمد: 429/3، ابن ماجہ: 2781، حاکم: 151/4)

خواتین کے بارے میں ایک حدیث

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

«لَا تَمْنَعُوا نِسَاءَكُمُ الْمَسَاجِدَ إِذَا اسْتَأْذَنَّكُمْ إِلَيْهَا».

''جب تمہاری عورتیں مساجد میں نماز کے لیے حاضر ہونے کی اجازت طلب کریں تو انہیں مسجدوں میں جانے سے مت روکو۔''

یہ سن کر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے بلال نے شدت غیرت سے کہا:

«وَاللهِ لَنَمْنَعُهُنَّ».

''اللہ کی قسم! ہم عورتوں کو (مسجد جانے سے) ضرور روکیں گے۔''

بلال کی بات سن کر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس پر سخت ناراض ہوئے اور اسے سخت سُست کہا، حالانکہ عموماً وہ ایسے کلمات نہیں کہتے تھے، پھر فرمایا:

«أُخْبِرُكَ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ وَتَقُولُ: وَاللهِ لَنَمْنَعُهُنَّ».

''میں تجھے رسول اکرم ﷺ کی حدیث سنا رہا ہوں اور تو کہتا ہے کہ اللہ کی قسم! ہم ان عورتوں کو (مسجد جانے سے) ضرور روکیں گے۔''

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے بیٹے بلال کے سینے پر ایک گھونسا رسید کیا اور فرمایا:

«أُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَتَقُولُ أَنْتَ: لَنَمْنَعُهُنَّ».

''میں تجھے رسول اکرم ﷺ کی حدیث سنا رہا ہوں' پھر تو کون ہوتا ہے یہ کہنے والا کہ ہم روکیں گے''۔ (مسلم: 442)

سلف صالحین کے نزدیک حدیث رسول ﷺ کی کتنی اہمیت تھی' اس واقعے سے اندازہ لگالیں۔

مجاہدین اسلام کی پہلی بحری مہم

نبی کریم ﷺ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کے گھر جایا کرتے تھے اور وہ آپ کو کھانا کھلایا کرتی تھیں۔ (علماء کا اتفاق ہے کہ ام حرام رسول اکرم ﷺ کی محرم تھیں اور یہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں)۔

ایک روز رسول اکرم ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ انہوں نے آپ کو کھانا کھلایا اور بیٹھ کر آپ کے سر میں کنگھی کرنے لگیں۔ اس کے بعد رسول اکرم ﷺ کو نیند آ گئی' پھر آپ ہنستے ہوئے بیدار ہوئے۔ ام حرام رضی اللہ عنہا نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! آپ کو کس چیز نے ہنسایا؟ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غُزَاةً فِي سَبِيلِ اللهِ، يَرْكَبُونَ ثَبَجَ الْبَحْرِ مُلُوكًا عَلَى الأَسِرَّةِ.»

''میری امت کے چند لوگ مجھے خواب میں دکھلائے گئے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے سمندر کے بیچ منجدھار میں بحری جہازوں پر یوں سوار ہیں جیسے تختوں پر بادشاہ بیٹھے ہوں۔''

خوشی و مسرت کے باعث نبی کریم ﷺ خنداں و فرحاں بیدار ہوئے، کیونکہ آپ کو ایک خوشخبری خواب میں دکھائی گئی تھی۔ آپ نے دیکھا تھا کہ آپ کے شاگردوں، آپ

کے پیروکاروں اور آپ کے فوجیوں
نے جہاد کے لیے رخت سفر باندھ لیا ہے، چنانچہ آپ
خوش ہوئے کہ عنقریب آپ کے پیروکار اللہ کی راہ میں مجاہدین
کی حیثیت سے سمندروں کو پار کریں گے اور دنیا کے گوشے گوشے میں
کلمہ ''لا إلہ إلا اللہ'' کا پرچم بلند کریں گے اور اسلام کا جھنڈا لے کر زمین
کے طول و عرض میں پھیل جائیں گے۔

نبی کریم ﷺ اس لیے مسکراتے ہوئے اٹھے، کیونکہ آپ کی دور رس نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ اسلام کے قوانین سنسان جگہوں اور صحراؤں میں بھی نافذ ہوں گے جہاں ایک شیر کو بھی جرأت نہیں ہوگی کہ وہ کسی کمزور ترین بکری پر ظلم کرے۔ شیر اور بکری ایک ہی گھاٹ سے پانی پئیں گے، مگر انہیں کوئی خوف نہیں ہوگا!! آپ ﷺ کو بشارت دی گئی کہ اب اسلام کا بول بالا ہوگا اور اسلام لوگوں کو شجر و حجر، سانپ اور چھچھوندر اور طواغیت و اصنام کی عبادت سے نکال کر اللہ وحدہ لاشریک کے سامنے جھکائے گا۔

چنانچہ ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے ان مجاہدین کی جماعت میں شامل کر دے۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی اور پھر آپ لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر بعد پھر ہنستے ہوئے بیدار ہوئے

تو ام حرام رضی اللہ عنہا نے پوچھا: ''کس بات نے آپ کو ہنسایا اے اللہ کے رسول!'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت کے کچھ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کو جا رہے تھے۔ وہ اس طرح میرے سامنے پیش کیے گئے، جیسے پہلے بیان ہوا (یعنی جیسے بادشاہ تختوں پر سوار ہوں)''۔ ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ سے دعا فرما دیں کہ مجھے بھی ان میں شریک کر دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أَنْتِ مِنَ الأَوَّلِينَ» ''پہلے بحری مشن میں تیری شرکت کا فیصلہ ہو چکا ہے۔''

چنانچہ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا اپنے خاوند عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے ساتھ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مجاہدین اسلام کی جماعت کے ساتھ سمندر میں (بحری جہاز پر) سوار ہوئیں۔[1] اور جب سمندر سے نکلیں تو اپنی سواری سے گر کر شہید ہو گئیں۔ (بخاری: 2788، مسلم: 1912)

---

(۱) یہ روم کے نصاریٰ پر پہلا سمندری حملہ تھا۔ قاضی عیاض کہتے ہیں کہ اکثر مورخین واہل سیر کی رائے کے مطابق یہ جنگ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت (25ھ تا 35ھ) میں ہوئی تھی اور اسی جنگ میں ام حرام رضی اللہ عنہا اپنے شوہر کے ساتھ قبرص کی طرف نکلنے والے مجاہدین کی جماعت میں شریک تھیں۔ راوی کے قول ''معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے زمانہ'' سے مراد یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی گورنری کے زمانہ میں سمندر میں جو جنگ ہوئی اس میں ام حرام موجود تھیں نہ کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں۔ ایک دوسری روایت میں اس کی وضاحت بھی آ چکی ہے۔ یوں بھی یہ بات مسلم اور معروف ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بحری بیڑا بنانے کا حکم دیا تھا۔

شادی میں رقص کا انجام

میں شادی کی محفلوں میں شریک ہونے کی بڑی شوقین تھی۔
میں ایک دیندار عورت تھی اور میرا شوہر بھی بڑا دیندار تھا۔ وہ مجھے شادی خانہ آبادی کی محفلوں میں شرکت کرنے اور اختلاط سے بچنے کی تاکید کرتا تھا اور مجھے اللہ کی ناراضی سے ڈراتا رہتا تھا۔

لیکن ایک روز میں کسی طرح شادی کی ایک محفل میں شریک ہو ہی گئی۔ شادی کی محفل سجی ہوئی تھی۔ عورتیں قسم قسم کے خوبصورت کپڑوں میں ملبوس تھیں۔ محفل میں شریک عورتیں رقص کر رہی تھیں، گا رہی تھیں، دل لبھانے والی حرکتیں کر رہی تھیں۔
مجھے بھی جوش آیا اور میں بھی اپنا برقع اتار کر ناچ گانے میں شریک ہوگئی۔ میں چونکہ حسین وجمیل تھی، اس لیے میں چاہتی تھی کہ اس رات شادی کی محفل میں شریک عورتیں میری تعریف کریں اور میرے حسن وجمال کا چرچا ان میں عام ہو۔ فی الواقع عورتوں نے میری تعریف وتحسین شروع کر دی اور کہنے لگیں کہ میں دلھن سے بھی زیادہ خوبصورت لگ رہی ہوں۔ عورتوں کے منہ سے اپنی تعریف سن کر میں پھول اٹھی اور میرے اندر میرے حسن وجمال کا غرور سا پیدا ہو گیا۔ ظاہر ہے اپنے حسن کی تعریف کسے پسند نہیں۔

میرا شوہر بارہا مجھے نصیحت کرتا تھا کہ بیرونِ خانہ میں اپنا پردہ کہیں بھی نہ اتاروں، اور گھر سے باہر ہر وقت باپردہ رہوں، نیز

مجھے یہ حدیث رسول سنایا کرتا:

«أيما امرأة نزعت ثيابها في غير بيت زوجها، فقد هتكت ما بينها وبين ربها من ستر»

(احمد 41/6' ابوداود (3750)' مستدرک حاکم' دارمی وغیرہ)

''جس عورت نے اپنے شوہر کے گھر کے علاوہ کسی دوسری جگہ اپنا کپڑا اتارا' اس نے اپنے اور پروردگار کے درمیان پردہ چاک کر دیا۔''

ایک روز میرے شوہر نے کسی خلیجی ملک کا سفر کیا۔ وہاں کسی دفتر میں دو نوجوانوں کے مابین اس امر پر اختلاف ہو گیا کہ خلیجی ممالک میں سب سے خوبصورت لڑکی کون سی ہے؟ ایک نوجوان فوراً اٹھا اور ایک ویڈیو کیسٹ لا کر حاضر کر دی جسے اس نے میرے ملک کے کسی آدمی سے چوری چھپے بھاری قیمت دے کر خریدا تھا۔ اس کیسٹ میں شادی کی اس محفل کی ویڈیو بھی تھی جس میں میں نے بھی شرکت کی تھی۔

جب نوجوان نے ویڈیو کیسٹ لگائی تو وہ منظر دیکھ کر میرے شوہر کے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی جس میں میں رقص کر رہی تھی' گانا گا رہی تھی' میری زلفیں بکھری ہوئی تھیں اور میرا نصف سینہ عریاں تھا۔ دفتر میں بیٹھے لوگ میرے حسن و جمال کو دیکھ کر عش عش کرنے لگے اور طرح طرح کی باتیں بنانے لگے۔

میرا شوہر اندر ہی اندر آگ بگولا ہو رہا تھا' اس کی آتش غیظ و غضب تیز سے تیز تر ہو

رہی تھی۔ وہ فوراً سفر کے دیگر کاموں کو ملتوی کر کے واپس اپنے وطن آگیا۔ گھر پہنچا تو میرے اور اس کے درمیان زبردست جنگ چھڑ گئی اور نتیجتاً میرا انجام بھی وہی ہوا جو کسی عورت کے لیے سب سے تکلیف دہ ہوتا ہے۔

اب میں مطلقہ ہوں۔ میری زندگی عذاب میں گزر رہی ہے۔ شقاوت و بدبختی نے مجھے رسوائی و بدنامی سے دوچار کر دیا ہے اور اب اکیلے زندگی کی کٹھن منازل طے کر رہی ہوں۔ میری لمحوں کی لغزش مجھ سے زندگی بھر کی مسرتیں چھین کر لے گئی۔

مشورہ

ایک شخص حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: میری ایک بیٹی جوان ہو گئی ہے۔ مجھے مشورہ دیں کہ اس کی شادی کس شخص سے کروں؟

انہوں نے جواب دیا: اس کی شادی اس شخص سے کرو جو اللہ سے ڈرتا ہو، متقی شخص ہو۔ اگر اس سے محبت کرے گا تو اس کی عزت کرے گا ہی لیکن اگر اس سے محبت نہ کرے اور اس کو اچھا نہ جانے تو بھی اس پر ظلم نہ کرے گا۔ پھر ان سے کہا گیا کہ فلاں فلاں آدمی نے ہم سے بچی کا رشتہ پوچھا ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

«أَهُوَ مُوسِرٌ مِنْ عَقْلٍ وَدِينٍ؟» ''کیا وہ عقل اور دین میں ٹھیک ٹھاک ہے؟''

انہوں نے کہا: ہاں۔

فرمایا: پھر اس کے ساتھ اس بچی کا رشتہ کر دو۔

یہ مشورہ دراصل اس فرمان نبوی کے عین مطابق تھا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«إِذَا أَتَاكُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ خُلُقَهُ وَدِينَهُ فَزَوِّجُوهُ إِلَّا تَفْعَلُوا تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيضٌ»

''جب کوئی ایسا شخص تم سے رشتہ کا طلب گار بن کر آئے جس کے دین و اخلاق سے تم مطمئن ہو تو رشتہ دے دو۔ بلاوجہ تاخیر معاشرے میں بڑے فتنوں اور عظیم فساد کا باعث بنے گی۔''

(سلسلہ الاحادیث الصحیحہ: 1022' إرواء الغلیل: 1868)

فراخدلی کی جیت

مسلم بن صبیح کوفی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور ایک نوجوان عرب نے بیک وقت ایک عورت کو پیغام نکاح بھیجا۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں وہ عربی نوجوان بڑا ہی دلکش اور خوبصورت تھا۔ عورت نے ان دونوں کے جواب میں یہ کہلا بھیجا: ''تم دونوں نے مجھے پیغام نکاح بھیجا ہے۔ میں فی الوقت تم میں سے کسی کا حتمی جواب نہیں دے سکتی جب تک کہ میں خود تمہیں دیکھ نہ لوں اور تمہاری بات سن نہ لوں، اس لیے اگر واقعی تم میں سے ہر ایک مجھ سے شادی کا خواہش مند ہے تو میرے پاس فلاں وقت آؤ تا کہ میں کسی نتیجہ پر پہنچ سکوں اور اپنے منتخب شریک حیات کی نشاندہی کر سکوں۔''

خاتون کا پیغام پہنچتے ہی دونوں صاحبان اس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خاتون نے شادی کا پیغام دینے والے دونوں صاحبان کو ایسی جگہ بٹھایا جہاں سے وہ اسے نظر تو نہیں آتے تھے؛ البتہ ان کی گفتگو کی آواز اس تک پہنچتی تھی۔

ادھر مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی نگاہ جب عرب نوجوان پر پڑی تو اس کے پرکشش جسم، باکمال شباب، اچھی ہیئت اور اس کی شیریں کلامی سے مرعوب ہو گئے اور اندر ہی اندر اس رشتے سے مایوس ہو گئے کیونکہ انہیں یقین ہو چلا تھا کہ اب یہ رشتہ اس عرب نوجوان ہی کو مل سکتا ہے، مجھے اب خواہ مخواہ کی امید نہیں باندھنی چاہیے۔ وہ

سمجھتے تھے چونکہ ہر عورت کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اس کا شریک حیات پر شباب، پرکشش، جاذب نظر، خوبرو اور حسن وجمال کا پیکر ہو، اور یہ تمام صفات میرے ساتھی میں موجود ہیں، جبکہ میرے اندر مفقود لہٰذا جب اس خاتون کی فیصلہ کن نظر ہم دونوں پر پڑے گی تو بلاشبہ میرے مقابل ساتھی ہی کا انتخاب عمل میں آئے گا اور میرے حصے میں ناکامی کے سوا کچھ نہیں آئے گا۔

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اسی کشمکش میں تھے کہ انہوں نے یکایک عرب نوجوان سے سوال کیا: ''بھئی! تم حسن وجمال اور شریں کلام سے نوازے گئے ہو۔ کیا تمہارے اندر اس کے علاوہ بھی کوئی خوبی ہے؟'' عرب نوجوان بڑے طمطراق سے گویا ہوا: ہاں ہاں، یہ اور وہ......!

یوں اس نے اپنی بہت ساری خوبیاں بیان کیں اور انہیں انگلیوں پر گنتا رہا، پھر خاموش ہوگیا۔

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اچھا، یہ بتلاؤ کہ تمہارا حساب کتاب کیسا ہے؟

عرب نوجوان نے جواب دیا: میرے حساب کتاب کے کیا کہنے، ایک پیسہ کا حساب بھی گڑبڑ نہیں ہوتا، کیونکہ میں رائی کے دانے سے زیادہ دقیق حساب کتاب رکھتا ہوں۔

اس کے بعد مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بارے میں بتانا شروع کیا: لیکن میرا حساب اس سے مختلف ہے۔ میں ہزاروں روپے کی تھیلی گھر کے کسی کونے میں رکھ چھوڑتا ہوں، میرے اہل خانہ حسب خواہش اس میں سے خرچ کرتے رہتے

ہیں اور مجھے اس کے متعلق معلوم تک نہیں ہوتا کہ کتنا خرچ ہوا اور کتنا باقی ہے۔ مجھے مال کے ختم ہونے کی خبر اس وقت ہوتی ہے جب مجھ سے مزید مال کا تقاضا ہوتا ہے۔

ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو وہ عورت بڑے غور سے سن رہی تھی' جب اس نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی بات سنی تو کہنے لگی:

''اللہ کی قسم! یہ شخص مجھ سے شادی کا زیادہ مستحق اور مجھے زیادہ محبوب ہے جو حساب کتاب کی پر پیچ وادی میں پھنس کر میرا محاسبہ نہیں کرے گا۔ اور یہ عرب نوجوان مجھے پسند نہیں جو مجھ سے پائی پائی کا حساب لے گا۔''

پھر اس خاتون نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے شادی کر لی۔

(کتاب الاذکیاء: 38، نساء ذکیات جلد 1: 63)

کیا ہمارے پاس اس سوال کا جواب ہے؟

ابو قدامہ شام کے رہنے والے تھے۔ وہ اپنے وقت کے عظیم مجاہد اور مسلمانوں کے لشکر کے سالار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا۔ دل میں جذبۂ جہاد بیدار رہتا۔ مرد میدان تھے، بے شمار لڑائیوں میں حصہ لیا اور ہمیشہ غازی بن کر واپس آئے۔ ایک دن مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے کہا: ''ابو قدامہ! آپ نہ جانے کتنے معرکوں میں حصہ لے چکے ہیں۔ یقیناً اس جہاد میں بعض ایسے واقعات بھی پیش آئے ہوں گے جن سے آپ بہت زیادہ متاثر ہوئے ہوں گے۔ ہمیں کوئی ایسا واقعہ سنائیں جس سے ہمارے ایمان تازہ ہوں اور شوق جہاد ہمارے اندر بھی پیدا ہو جائے۔'' ابو قدامہ کہنے لگے: تو سنو! میں تمھیں ایک ایسا واقعہ سناتا ہوں جس سے میں بہت زیادہ متعجب اور متاثر ہوا:

صلیبی جنگیں اپنے عروج پر تھیں۔ جب بھی عیسائیوں سے مقابلہ ہوتا' ہمارے نوجوان اسلام کی عظمت رفتہ کو لوٹانے کے لیے سر پر کفن باندھ کر دشمن کے مقابلے میں فولاد بن جاتے۔ ہمیں معلوم ہوا کہ اسلامی سرحد پر دشمن کی فوج جمع ہو رہی ہے۔ میں نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ''رقہ''[1] کا رخ کیا۔ ''رقہ'' شام میں دریائے فرات کے کنارے ایک بڑا قصبہ ہے۔ میں نے وہاں سے اونٹ خریدا اور اس پر سامان حرب رکھا۔ شام کے وقت قصبے کی مساجد میں گیا اور لوگوں کو جہاد کی ترغیب دی۔ کئی نوجوان ہمارے ساتھ دشمن کے مقابلے کے لیے تیار

(1) رقہ شمالی شام میں دریائے فرات پر بحیرۃ الاسد سے تقریباً 60 کلو میٹر مشرق میں واقع ہے۔

ہو گئے۔ مجاہدوں کے لیے لوگوں نے ساز و سامان کا ڈھیر لگا دیا۔

رات ہوئی تو میں نے ایک کمرہ کرائے پر لیا اور وہاں ٹھہر گیا۔ رات کا کچھ حصہ گزرا تو کسی نے دروازے پر دستک دی۔ مجھے بڑا تعجب ہوا کہ اتنی رات گئے مجھ سے کون ملنے کے لیے آ سکتا ہے۔ میں اس شہر میں بالکل اجنبی اور نووارد ہوں۔ آخر یہ کون ہو سکتا ہے؟ اسی سوچ بچار میں تھا کہ دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی۔ جب میں نے دروازہ کھولا تو گلی میں ایک باپردہ باحیا خاتون نظر آئی۔ جب رات گئے ایک خاتون کو دیکھا تو ڈر گیا کہ الٰہی! یہ کیا ماجرا ہے؟ میں نے کہا: اللہ کی بندی تو یہاں کیا لینے آئی ہے؟ کہنے لگی: کیا تم ہی ابو قدامہ ہو؟ میں نے کہا: ہاں، میں ہی ابو قدامہ ہوں۔ کہنے لگی: آج تم ہی نے مساجد میں مجاہدین کے لیے ساز و سامان اکٹھا کیا ہے؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو وہ ایک چھوٹی سی پوٹلی میرے حوالے کر کے روتی ہوئی چل دی۔ مجھے اس کے رونے پر بڑا تعجب ہوا۔ پوٹلی میرے ہاتھ میں تھی۔ میں نے قندیل روشن کی اور پوٹلی کو کھولا تو اس میں ایک خط اور بالوں سے بنی ہوئی رسی تھی۔ میں نے اس خط کو پڑھا۔ خط کا مضمون کچھ یوں تھا:

''ابو قدامہ! آج تم نے لوگوں کو جہاد کی ترغیب دی اور اس میں مالی طور پر شرکت کی دعوت دی۔ میں ایک عورت ہوں، خاتون خانہ ہوں۔ میں جہاد نہیں کر سکتی نہ میرے پاس مال و دولت ہے کہ میں مجاہدین کے لیے مال پیش کر سکوں۔ چنانچہ میرے پاس جو نہایت خوبصورت اور اہم چیز تھی وہ میں تمہارے پاس لے کر آئی ہوں۔ یہ میرے بالوں کی لٹ ہے۔ میں نے اس سے یہ رسی بنائی ہے۔ تم اس رسی

سے کسی مجاہد کے گھوڑے کو باندھ لینا۔ ہوسکتا ہے کہ جب میرا رب مجاہد کے گھوڑے کو میرے بالوں سے بنی ہوئی رسی سے بندھا دیکھے تو اس کو میرا یہ عمل پسند آ جائے اور وہ مجھ سے راضی ہو جائے اور مجھے معاف کر کے جنت دے دے۔"

ابو قدامہ کہنے لگے: مجھے اس خاتون پر بڑا تعجب ہوا، راہِ جہاد میں اس کی شرکت، اپنی مغفرت کی فکر اور جنت کا شوق - سبحان اللہ - ہر چند کہ یہ کام شریعت میں جائز نہیں کہ کوئی عورت اپنے بالوں کو کاٹے اور ان کی رسی بنائے، لیکن جہاد کی محبت اور جنت کا شوق اس پر غالب آ گیا اور وہ یہ کام کر گزری۔ میں اس رسی کو اپنے سامان میں رکھ کر سو گیا۔

اگلے دن صبح سویرے حسب پروگرام مجاہدین کا قافلہ سرحد کی طرف میدان جنگ میں شرکت کے لیے روانہ ہوا۔ جب ہم مسلمہ بن عبدالملک کے قلعہ کے پاس پہنچے تو پیچھے سے ایک گھڑ سوار تیزی سے ہماری طرف بڑھتا نظر آیا۔ وہ آواز لگا رہا تھا: ابو قدامہ! ذرا رک جاؤ، ذرا رک جاؤ۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: تم چلو! میں اس آدمی کی بات سن کر آتا ہوں۔ میں رک گیا اور سوار کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد گھڑ سوار میرے پاس آ کر رکا۔ چہرہ چادر سے ڈھکا ہوا تھا' آتے ہی بولا: اللہ کا شکر ہے کہ میری آپ سے ملاقات ہو گئی ہے اور میں نے گھر والوں سے کیے وعدے کو پورا کر دیا ہے۔ میں نے کہا: کونسا وعدہ، اور مجھ سے ملنے کی غرض و غایت کیا ہے؟ کہنے لگا: میں جہاد میں شرکت کے لیے آیا ہوں۔ تاخیر ہو گئی۔ میں نے کہا: اپنے چہرے سے کپڑا ہٹاؤ۔ اگر تمہاری عمر جنگ وقتال کے قابل ہوئی تو تمہیں اپنے ہمراہ لے جاؤں گا ورنہ میں تمہیں واپس کر دوں گا۔ جب اس نے

چہرے سے پردہ ہٹایا تو میرے سامنے 17,16 سال کا نہایت خوبصورت نوجوان کھڑا تھا۔ میں نے اس سے کہا: تمہارا والد زندہ ہے؟ کہنے لگا: نہیں، اس کو صلیبیوں نے شہید کر دیا ہے۔ میں اللہ کے ان دشمنوں سے جہاد کرنے کے لیے آیا ہوں۔ میں نے کہا: تمہاری والدہ زندہ ہے؟ کہنے لگا: ہاں وہ زندہ ہے۔ میں نے کہا: پھر اس کی خدمت کرو اور اس کے پاس واپس چلے جاؤ، اس کے قدموں میں جنت ہے۔ اس نے میری اس بات پر بڑا تعجب کیا اور کہنے لگا: آپ میری والدہ کو نہیں جانتے؟ میں نے کہا: نہیں۔ کہنے لگا: اتنی جلدی بھول گئے' میری والدہ وہی پوٹلی والی خاتون ہے جو رات کو آپ کی خدمت میں آئی تھی۔ مجھے رات کا واقعہ یاد آ گیا۔ میں نے کہا: اچھا تو وہ تمہاری والدہ تھیں؟ کہنے لگا: "ہاں وہ میری والدہ تھی اور اسی نے مجھے کافروں سے جہاد کے لیے روانہ کیا ہے اور مجھے قسم دی ہے کہ میں جہاد میں شرکت کیے بغیر گھر واپس نہ آؤں۔"

"ابو قدامہ! جب میں یہاں آ رہا تھا تو میری والدہ نے کچھ نصیحتیں کیں۔ کہنے لگی: میرے بیٹے! میری بات غور سے سنو۔ جب تمہارا کافروں سے مقابلہ ہو تو دیکھنا کہیں تمہارے قدم پھسل نہ جائیں۔ تمہارے قدموں میں لغزش نہ آنے پائے۔ دیکھنا جم کر اور ڈٹ کر مقابلہ کرنا۔ دشمن کے مقابلے میں بھاگ نہ جانا، اور ہاں جنگ کے وقت رب کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے، اپنے رب سے اس کے جوار رحمت میں جگہ اور مقام طلب کرنا۔ جنت میں اپنے والد اور اپنے ماموں کی ہمسائیگی مانگنا۔ اور پھر میرے پیارے بیٹے! اگر تم کو شہادت مل جائے تو رب سے میری مغفرت کی شفاعت کرنا۔"

''پھر میری والدہ نے مجھے اپنے سینے سے لگا لیا اور آسمان کی طرف منہ کر کے کہنے لگی: اے اللہ! یہ میرا بیٹا ہے' میرا لخت جگر ہے، میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ میں اسے تیرے سپرد کرتی ہوں۔ اے اللہ! اسے اپنے والد اور ماموں کے پاس جگہ دینا۔''

ابو قدامہ نے بتایا: مجھے اس نوجوان کی گفتگو سن کر بڑا تعجب ہوا۔ اس نوجوان نے جلدی سے کہا: ''ابو قدامہ! آپ کو اللہ کی قسم' مجھے جہاد میں شرکت سے محروم نہ کریں۔ میں رب کی راہ میں شہادت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ ان شاء اللہ میں شہید ہوں گا، ایک شہید کا بیٹا، ایک شہید کا بھانجا۔ میری چھوٹی عمر پر نہ جائیں۔ میں حافظ قرآن ہوں، تیر اندازی اور شمشیر زنی کا ماہر ہوں، گھڑ سواری میرے لیے کھیل اور تماشا ہے، مجھے اپنے ساتھ لے چلیں۔'' چنانچہ میرے پاس سوائے اس نوجوان کو ہمراہ لے جانے کے کوئی چارہ کار نہ تھا۔

ابو قدامہ نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا: دوران سفر واقعی اس نوجوان نے جیسا کہا تھا میں نے ویسا ہی اس کو پایا۔ وہ ہم سب سے آگے آگے اور مجاہدین کی خدمت میں پیش پیش رہتا۔ شام ہونے کو تھی۔ ہم سارے دن کے سفر سے خاصے تھکے ہوئے تھے۔ ہم نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا اور کھانا پکانے کا سامان کرنے لگے۔ اسی دوران میں وہ لڑکا میرے پاس آیا اور مجھے قسم دے کر کہنے لگا: ''چچا جان! آپ کو اللہ کی قسم! مجھے مجاہدین کا کھانا تیار کرنے کی سعادت حاصل کرنے دیں۔ میں ان کا نوکر اور خادم ہوں، میں ان کا کھانا پکاؤں گا۔'' میں نے ہر چند انکار کیا مگر اس کا اصرار غالب آ گیا۔ میں نے اس سے کہا: اچھا پڑاؤ

سے ذرا دور جا کر آگ جلاؤ تاکہ اس کے دھوئیں سے ساتھی پریشان نہ ہوں۔ چنانچہ وہ ہم سے ذرا دور آگ جلا کر کھانا پکانے لگ گیا۔ خاصی دیر گزر گئی تو میرے ساتھیوں نے کہا: اے ابو قدامہ! اپنے ساتھی کی خبر لو، وقت خاصا گزر چکا ہے اور وہ کھانا لے کر نہیں آیا۔ میں نے کہا: میں ابھی اس کے پاس جاتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ کھانا کس مرحلے میں ہے۔ جب اس کے پاس گیا تو دیکھا کہ چولھے پر برتن رکھا ہے، آگ جل رہی ہے اور ذرا دور وہ نوجوان ایک پتھر پر سر رکھ کر سو رہا ہے۔ مجھے اس پر بڑا ترس آیا اور ہمدردی کے جذبات امڈ آئے۔ میں نے اس کو گہری نیند سے اٹھانا مناسب نہ جانا اور خود کھانا پکانے لگ گیا۔ اس دوران میں کبھی کبھار اس کے پرسکون چہرے کو دیکھتا رہا۔ سارے دن کے سفر کی تھکاوٹ سے وہ دنیا جہان سے بے پروا ہو کر سو رہا تھا۔ اچانک اس کے چہرے پر مسکراہٹ طاری ہوگئی۔ میں نے غور سے اس کو دیکھنا شروع کر دیا۔ اس کی مسکراہٹ گہری ہوتی گئی، پھر اس نے اچانک ہنسنا شروع کر دیا اور پھر زوردار ہنسی کے دوران میں اس کی آنکھ کھل گئی۔ جیسے ہی اس کی نظر مجھ پر پڑی' وہ بڑا شرمندہ اور کھسیانا سا ہو کر میری طرف دیکھنے لگا۔ اس نے کہا: ''مجھے معاف کر دیں' میں نے آپ کے کھانے میں تاخیر کر دی۔ دراصل تھکاوٹ کی وجہ سے نیند کا غلبہ ہو گیا اور میں غالباً گہری نیند سو گیا تھا، میں خواب دیکھ رہا تھا۔'' میں نے محبت سے اس کو دیکھا اور کہا: کوئی بات نہیں، تم میرے بیٹے ہو، آؤ مل کر کھانا پکاتے ہیں۔ اس نے کہا: نہیں میں آپ کا خادم ہوں، کھانا میں تیار کرتا ہوں۔ اب کی بار میں نے اس کو قسم دی کہ جب تک تم اپنا خواب اور خواب میں مسکرانے اور پھر ہنسنے کا قصہ نہیں سنا لیتے، میں تمہیں کھانے

کو ہاتھ نہیں لگانے دوں گا۔

کہنے لگا: ''چچا جان! اس خواب کو میرے اور میرے رب کے درمیان ہی رہنے دیں۔'' میں نے پھر اس کو قسم دی کہ سناؤ تم نے خواب میں کیا دیکھا ہے۔ کہنے لگا: ''چچا جان! میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جنت میں ہوں۔ اس کی خوبصورتی اور حسن کے کیا کہنے! میں اس کی خوبصورتی اور حسن میں محو آگے بڑھتا گیا۔ راستے میں مجھے نہایت خوبصورت محل نظر آیا۔ سونے اور چاندی کا بنا ہوا یہ محل اپنی نظیر آپ تھا۔ اس کے دروازے سونے کے تھے، ان پر موتی جواہرات لگے ہوئے تھے۔ اس میں نہایت خوبصورت لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک نے اپنے ساتھ بیٹھی لڑکی کو مخاطب کیا اور میری طرف اشارہ کرکے کہنے لگی: یہ مرضیہ کا خاوند ہے، یہ مرضیہ کا خاوند ہے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ مرضیہ کون ہے' چنانچہ میں نے اس سے پوچھا: کیا تم مرضیہ ہو؟ کہنے لگی: نہیں' میں تو اس کی نوکرانیوں میں سے ایک ہوں۔ تم اگر مرضیہ کو دیکھنا اور ملنا چاہتے ہو تو اس محل میں داخل ہو جاؤ، تمہیں وہ مل جائے گی۔ میں اس محل میں داخل ہوا۔ اس کے کمرے ایک سے بڑھ کر ایک خوبصورت تھے۔ اوپر والی منزل میں ایک نہایت خوبصورت کمرہ، جس میں مسہری بچھی ہوئی اور اس پر نہایت خوبصورت روشن چہرے والی خوبرو لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ میں اس کے قریب ہوا تو کہنے لگی: اے اللہ کے ولی اور اس سے محبت کرنے والے! مجھے اللہ نے تمہارے لیے اور تمہیں میرے لیے پیدا کیا ہے، میری اور تمہاری ملاقات ضرور ہوگی۔ مگر اس ملاقات میں ابھی تھوڑا سا وقت باقی ہے۔ میری تمہارے ساتھ ملاقات کل ظہر کے بعد ہوگی۔ میں نے اس کی گفتگو سنی تو

چہرے پر مسکراہٹ طاری ہوگئی، پھر میں شوق ملاقات میں ہنسنے لگا۔'' ابو قدامہ کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا: تم نے نہایت اچھا خواب دیکھا ہے۔

ابو قدامہ نے آگے بیان کیا: ہم نے رات کا کھانا کھایا اور اگلے دن کے سفر کی تیاری کر کے آرام کرنے کے لیے اپنے پڑاؤ میں چلے گئے۔ فجر کی نماز کے بعد ہم نے چھاؤنی کی طرف کوچ کیا اور وہاں باقی اسلامی فوج کے ساتھ شامل ہوگئے۔ دن ذرا روشن ہوا تو ہم دشمن کے ساتھ مقابلے کے لیے کمر بستہ ہوگئے۔ صفوں کو سیدھا کیا گیا اور کمانڈر نے میمنہ اور میسرہ پر نگران مقرر کیے، سورۃ الانفال کی آیات تلاوت کی گئیں اور جہاد کے اجر وثواب کو بیان کیا گیا۔ مجاہدین میں جوش وخروش پیدا ہوگیا اور وہ شہادت کے رتبے کو حاصل کرنے کے لیے بے چین ہوگئے۔ ساتھیوں نے اپنے دائیں بائیں اپنے رشتہ داروں، عزیزوں اور بہادروں کو جمع کیا کہ وقت آنے پر ایک دوسرے کی مدد کرسکیں۔ مگر اس نوجوان کا یہاں کوئی واقف کار تھا نہ باپ نہ رشتہ دار، جو اس کے بارے میں سوچتا، اس کو اپنے قریب بلاتا۔ میں اسی سوچ اور فکر میں تھا کہ اس کو اپنے ساتھ رکھوں۔ اچانک میری نظر اس پر پڑی، وہ بالکل اگلی صفوں میں نظر آ رہا تھا۔ میں صفوں کو چیرتا ہوا اس کے پاس جا پہنچا اور کہا: اے میرے بیٹے! کیا اس سے پہلے بھی کسی معرکے میں شرکت کر چکے ہو؟ اس نے کہا کہ نہیں، یہ میری پہلی جنگ، پہلا جہاد اور کافروں سے پہلا مقابلہ ہے۔ میں پہلی مرتبہ میدان جنگ کو دیکھ رہا ہوں۔ میں نے کہا: بیٹے! جنگ کوئی کھیل نہیں، بڑے بڑے بہادروں کے پتے پانی ہو جاتے ہیں۔ تم ایسا کرو کہ میدان جنگ کے پچھلے حصہ میں چلے جاؤ۔ اگر اللہ نے ہم کو فتح

عطا کی تو تم بھی اس میں حصہ دار ہو گے اور اگر خدانخواستہ معاملہ اس کے برعکس ہوا تو کم از کم تمہاری جان تو بچ جائے گی۔ اس نے میری طرف عجیب نظروں سے دیکھا اور کہا: آپ ایسی بات کہہ رہے ہیں!! میں نے کہا: ہاں میں ایسی بات کہہ رہا ہوں۔ کہنے لگا: چچا جان! کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں جہنمی بن جاؤں؟ میں نے کہا: اعوذ باللہ، بیٹے! میں ایسا کیوں چاہنے لگا' جہاد میں ہم جہنم کی آگ سے بچنے کے لیے تو آئے ہیں۔ ہم تو اللہ تعالیٰ سے جنت کے طالب ہیں۔ تب وہ مجھ سے کہنے لگا: چچا جان! اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ ○ وَمَن يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ﴾ (الأنفال: 15، 16)

"اے ایمان والو! جب تم کافروں سے دو بدو مقابل ہو جاؤ تو ان کے سامنے پیٹھ مت پھیرنا، اور جو شخص ان کے سامنے اس موقع پر پیٹھ پھیرے گا، مگر ہاں جو لڑائی کے لیے پینترا بدلتا ہو یا جو اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے آتا ہو، وہ مستثنیٰ ہے۔ باقی اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ کے غضب میں آ جائے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا، اور وہ بہت بری جگہ ہے۔" (الأنفال: 15، 16)

کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں میدان جنگ سے بھاگنے والوں میں سے بن جاؤں اور پھر جہنم میرا ٹھکانہ ہو؟ ابو قدامہ کہنے لگے: میں اس کی سوچ اور فکر پر بڑا

حیران ہوا۔ اس آیت کا مفہوم اور جہاد سے اس کی اس درجہ محبت! میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اسی دوران میں لڑائی شروع ہوگئی۔ گھمسان کا رن پڑا۔ تلواریں چلنے لگیں۔ ہمارے درمیان گھوڑے حائل ہوگئے۔ دونوں طرف سے بہادروں نے اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔ ہر ایک کو اپنی اپنی فکر۔ زرہیں اور خود کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ لوگ زخمی ہو کر نیچے گر رہے تھے۔ پھر میدان میں گرد و غبار چھا گیا۔ کسی کو کسی کا ہوش نہ رہا حتی کہ دوپہر کا وقت ہوگیا۔ مومنین کی اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص رحمت سے مدد فرمائی اور انہیں غلبہ عطا ہوا۔ دشمن بھاگنے پر مجبور ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے صلیبیوں کو شکست دی۔ جب میدان خالی ہوا تو ہم نے ظہر کی نماز ادا کی۔ اور پھر ہر کوئی اپنے عزیز و اقارب کو تلاش کرنے اور اس کا حال دیکھنے اور پوچھنے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ مگر وہ نوجوان جس کا نہ کوئی قریبی رشتہ دار تھا اور نہ کوئی اس کو پوچھنے والا تھا' میرے دل میں اسی کا خیال تھا کہ وہ کہاں ہے۔ کہیں زخمی تو نہیں، کہیں شہید تو نہیں ہوگیا؟ کہیں دشمن بھاگتے ہوئے اسے قیدی بنا کر نہ لے گیا ہو؟ دل میں طرح طرح کے خیالات اور وسوسے آتے رہے اور میں اس کو تلاش کرنے کے لیے چل پڑا۔ میں مقتولین اور زخمیوں میں اسے تلاش کرتے کرتے آگے بڑھ گیا کہ دفعتاً ایک طرف سے آواز سنائی دی: لوگو! میرے چچا ابوقدامہ کو تلاش کرو۔ میں نے آواز کی جانب کان لگائے اور اس طرف چل دیا۔ سامنے اس نوجوان کو شدید زخمی حالت میں دیکھا۔ اس کا جسم زخموں سے چور تھا۔ سینے کی ہڈیاں ٹوٹ چکی تھیں، وہ یتیم صحراء میں جان کنی کے عالم میں تھا۔ میں تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ میرے بیٹے! میری طرف دیکھو۔ میں ہوں تمہارا چچا

ابو قدامہ، یہ میں ہوں ابو قدامہ۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور گویا ہوا: ''اللہ تیرا شکر ہے، ابو قدامہ میرے پاس آ گئے ہیں۔ چچا! میری وصیت کو پلے باندھ لیں، اسے غور سے سنیں۔'' میں نے اس کو اپنی گود میں لٹا لیا۔ اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھا تو میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ اتنا خوبصورت چہرہ! میں نے اپنی عباء سے اس کے چہرے کو صاف کیا۔ دل میں اس کی ماں کا تصور آیا۔ جب اس کو بیٹے کی اطلاع ملے گی تو اس کا کیا حال ہوگا۔ گزشتہ برس اس کا خاوند شہید ہوا، پھر اس کا بھائی اور اب بیٹا۔ اللہ اکبر، اس کے دل پر کیا گزرے گی! تو جوان نے اپنی آنکھیں کھولیں اور کہنے لگا: ''چچا! اپنی چادر سے میرے جسم کو صاف نہ کریں بلکہ میری چادر سے اس لہو کو صاف کریں۔ چچا جان! میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ جب میں وفات پا جاؤں تو مجھے اسی میدان میں دفن کر دیں اور رقہ میں میری والدہ کے پاس ضرور جائیں۔ اس کو خوشخبری سنائیں کہ اس کے رب نے اس کے تحفے کو قبول کر لیا ہے، اس کا بیٹا رب کی بارگاہ میں شہید ہو کر پہنچا ہے، اس نے زخم اپنے سینے پر کھائے ہیں، دشمن کے مقابلے میں پیٹھ نہیں پھیری۔ میری والدہ سے کہیں کہ کل ان شاء اللہ میں جنت میں اپنے والد اور ماموں سے ملاقات کروں گا تو ان کو تمہارا اسلام پیش کروں گا۔ چچا جان! میری والدہ میری موت پر یقین نہیں کرے گی۔ ایسا کریں کہ میرے خون آلود کپڑے اپنے ہمراہ لے جائیں۔ اس کو دکھائیں اور اس سے کہیں کہ اب تمہاری اپنے بیٹے سے ملاقات ان شاء اللہ جنت ہی میں ہوگی۔

''چچا جان! میرے گھر میں میری 9 سالہ چھوٹی بہن ہے جو مجھ سے نہایت

محبت اور پیار کرتی تھی۔ جب بھی گھر جاتا تا خوشی سے چہک اٹھتی۔ جب گھر سے روانہ ہوتا تو غمگین ہو جاتی۔ گزشتہ برس والد صاحب کی شہادت سے بڑی غمگین اور پریشان رہی۔ جب میں جہاد کے لیے آ رہا تھا اور اس کو میری روانگی کا پتہ چلا تو میرا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی: بھیا! ہمیں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟ رک جاؤ، بھیا! جلدی واپس آنا اور زیادہ دیر نہ کرنا، میں اداس ہو جاؤں گی۔ چچا جان! میری بہن کو دلاسہ دینا' اس کے سر پر ہاتھ رکھنا اور اس کو حوصلہ دینا۔''

اس کی آواز بتدریج آہستہ ہوتی گئی۔ وہ مجھ سے گھر کی، اپنے والدین کی اور جہاد کی باتیں کرتا رہا۔ پھر اس کے ہونٹ آہستہ آہستہ ہلنے لگے۔ اس کی باتیں اچھی طرح سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔ دراصل اس کا آخری وقت آ چکا تھا۔ اچانک اس نے زور سے کہا: ''چچا جان' اللہ کی قسم! میرے رب نے اس خواب کو سچ کر دکھایا ہے۔ رب کعبہ کی قسم! جو خواب میں نے دیکھا تھا وہ سچ تھا۔ اللہ کی قسم! اب میں مرضیہ کو دیکھ رہا ہوں۔ اس کی خوشبو آ رہی ہے۔'' اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس نے میرے ہاتھوں میں جان دے دی۔

ابو قدامہ کہہ رہے تھے: میں نے اس کے خون آلود کپڑوں کی گٹھڑی بنائی، شہداء کو دفن کیا اور اس کا پیغام اس کی والدہ کو پہنچانے کے لیے رقہ آ گیا۔ رقہ میں نہ تو اس کی والدہ کے نام کا پتہ تھا نہ اس نوجوان کا نام پوچھ سکا۔

میں اسی سوچ بچار میں تھا کہ اس کے گھر کے بارے میں کہاں سے پتہ پاؤں۔ گلیوں میں چلتے چلتے ایک مکان کے باہر میں نے ایک پریشان صورت بچی کو دیکھا جو مختلف راہ گیروں سے پوچھ رہی تھی کہ تم کہاں سے آئے ہو۔ اگر کوئی

کہتا کہ میں میدان جہاد سے آیا ہوں تو وہ اپنے بھائی کے بارے میں سوال کرتی کہ میرا بھائی کہاں ہے۔ تم نے اس کو نہیں دیکھا؟ سارے لوگ آ رہے ہیں' وہ کیوں نہیں آ رہا ہے؟ کہاں چلا گیا؟ لوگ ''ہمیں معلوم نہیں'' کہہ کر آگے بڑھ جاتے۔ پھر اس کی نظر مجھ پر پڑی تو پوچھنے لگی: چچا! آپ کہاں سے آ رہے ہیں؟ میں نے کہا: جہاد سے۔ وہ بولی: پھر تو آپ کو میرے بھیا کے بارے میں ضرور معلوم ہوگا۔ میں نے اس سے پوچھا: تمہاری والدہ کہاں ہے؟ کہنے لگی کہ گھر میں ہے۔ میں نے کہا کہ اس کو باہر بلاؤ۔ تھوڑی دیر میں اس کی والدہ چادر میں لپٹی ہوئی باہر نکلی۔ جب اس نے میری آواز سنی تو اس نے پوچھا: تم ابوقدامہ ہو؟ میں نے کہا: ہاں میں ابوقدامہ ہوں۔ کہنے لگی: تو پھر بتاؤ کہ تم میرے لیے خوشخبری لے کر آئے ہو یا کوئی بری خبر۔ میں نے کہا: اماں جان! تمہارے نزدیک خوشخبری کے معنی کیا ہیں؟ کہنے لگی: اگر تم مجھے یہ خبر دو گے کہ میرا بیٹا اسلام کے دشمنوں سے، صلیبیوں سے لڑتا ہوا شہید ہوگیا ہے تو یہ میرے لیے خوشخبری ہے کہ میں شہید کی ماں بن گئی ہوں۔ اور اگر مجھے بتاؤ گے کہ میرا بیٹا بچ کر غازی بن کر، مال غنیمت لے کر لوٹا ہے تو یہ میرے لیے اچھی خبر نہیں کہ میرے رب نے میرے ہدیے کو، میرے تحفے کو قبول نہیں کیا۔

میں نے دل پر قابو رکھ کر کہا: اماں جان! میں تمہارے پاس شہادت کی بشارت لے کر آیا ہوں۔ تمہارا بیٹا رب کی راہ میں شہید ہوگیا ہے۔ اس نے زخم سینے پر کھائے ہیں۔ دشمن کے مقابلے میں اس نے نہ تو منہ پھیرا ہے، نہ ہی بھاگا ہے۔

ماں کہنے لگی: ابوقدامہ! مجھے تمہاری بات پر پورا یقین نہیں آ رہا ہے۔

تمہارے پاس اس کا ثبوت کیا ہے؟

میں نے وہ خون آلود کپڑوں کی گٹھڑی کھولی اور اس میں سے اس نوجوان کے کپڑے نکالے۔ یہ دیکھو اماں! اس کا پھٹا ہوا کرتا۔ کیا وہ یہی پہن کر گھر سے نہیں نکلا تھا؟ یہ دیکھو اس کی چادر، اسی سے تم نے اپنے ہاتھوں اس کے سر پر عمامہ باندھا تھا۔ میں اس کو روتے ہوئے کپڑے دکھاتا گیا۔ اس کی بہن خاموشی سے اس منظر کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی والدہ نے اللہ اکبر کہا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ اس کی بہن کو جب اپنے بھائی کی شہادت کا پتہ چل گیا، یقین ہوگیا تو اس نے چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑی۔ اس کی ماں دوڑتی ہوئی اندر گئی اور پانی کا پیالہ لے کر آئی۔ میں بچی کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے لگا اور اس کو ہوش میں لانے کی ترکیب کرنے لگا۔ اس کی ماں نے بچی کو اپنے ہاتھوں سے اٹھایا اور گھر میں چلی گئی۔ اس نے دروازے کو بند کر لیا۔ میں دروازے سے منہ لگائے کھڑا اس کی آہ وزاری سن رہا تھا۔ وہ کہہ رہی تھی: اے میرے رب، اے میرے مالک، اے میرے خالق! میں نے اپنا خاوند، اپنا بھیا، اپنا لاڈلا بیٹا تیرے سپرد کر دیا۔ وہ تیری راہ میں شہید ہوگئے۔ اے اللہ! تو اپنے فضل و کرم سے مجھ سے راضی ہو جا اور مجھے بھی ان کے ساتھ جنتیوں میں شامل کر دے۔

ابو قدامہ کہنے لگے: میں نے متعدد بار اس کا دروازہ کھٹکھٹایا کہ شاید وہ دروازہ کھول دے تو اس کی مالی طور پر مدد کروں یا اس کے بارے میں لوگوں کو مطلع کروں۔ مگر نہ اس نے دروازہ کھولا اور نہ اس کی آواز سنائی دی۔ اللہ کی قسم! میں نے

اس سے زیادہ اسلام سے، جہاد سے اور اپنے رب سے محبت کرنے والی کوئی خاتون نہیں دیکھی۔

قارئین کرام! یہ ایک خاتون تھی جس نے اپنی ہر پیاری چیز اللہ کی راہ میں قربان کر دی۔ ہم اس سلسلے میں اپنی ذمہ داریاں اور فرائض کہاں تک پورے کر رہے ہیں، کیا ہمارے پاس اس سوال کا جواب ہے؟

(''المشتاقون إلی الجنۃ'' سے ماخوذ)

معافی ملے گی مگر ایک شرط پر......

پرانے زمانے کی بات ہے، ایک آدمی کسی کے باغ میں داخل ہوا۔ اسے بہت زیادہ بھوک لگی ہوئی تھی۔ بھوک کی شدت سے کلیجہ منہ کو آ رہا تھا۔ اس نے بھوک مٹانے کے لیے درختوں پر نگاہ ڈالی۔ باغ میں سیبوں کا درخت نظر آیا' چنانچہ اس نے ہاتھ بڑھایا اور سیب توڑ کر اس کا آدھا حصہ کھا لیا، پھر باغیچے کے قریب ایک نہر کے پانی سے اپنی پیاس بجھائی۔

لیکن تھوڑی ہی دیر بعد وہ اپنی غفلت سے ہوش میں آیا کیونکہ بھوک کی شدت کے سبب اس نے سیب کھانے سے پہلے سوچا نہ تھا۔ اب جب جسم میں طاقت آئی تو سوچنا شروع کیا اور خود کو مخاطب کر کے کہنے لگا: ''تیرا ناس ہو! بغیر اجازت کے کسی کا پھل کھانا تیرے لیے کیوں کر جائز ہو سکتا ہے؟'' پھر اس نے قسم کھائی کہ جب تک باغیچے کے مالک سے مل کر اس سے معافی نہ مانگ لے، وہ واپس گھر نہیں جائے گا، چنانچہ اس نے باغیچے کے مالک کو تلاش کرنا شروع کیا اور اس کا گھر پا کر دروازے پر دستک دی۔ مالک گھر سے نکلا تو اس نے اپنی آمد کا مقصد تفصیل سے بیان کیا: دراصل میں بہت بھوکا تھا، اس لیے میں نہر کے قریب واقع آپ کے باغیچے میں گیا اور اس سے ایک سیب آپ کی اجازت کے

بغیر توڑ کر اس کا آدھا حصہ کھا لیا،
پھر مجھے خیال آیا کہ یہ سیب بغیر اجازت کے کھانا
میرے لیے جائز نہیں تھا، اس لیے میں آپ کے پاس حاضر
ہوا ہوں تاکہ آپ میری معذرت قبول فرمالیں اور اس غلطی پر مجھ
سے درگزر کرلیں یا پھر اس کا معاوضہ لے لیں۔ باغ کے مالک نے جب
اس نوجوان کی بات سنی تو اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ اس نے سوچا دنیا
میں اتنے متقی لوگ بھی موجود ہیں اور پھر اچانک اسے ایک خیال آیا اور اس نے
نوجوان سے کہا: میں تمہاری غلطی معاف نہیں کرسکتا، ہاں معافی کی صرف ایک
صورت ہے کہ تم میری ایک شرط قبول کرلو۔

نوجوان نے کہا: فرمائیے کونسی شرط ہے؟

باغ کے مالک نے کہا: میری شرط یہ ہے کہ تمہیں میری بیٹی سے شادی کرنا ہوگی۔

نوجوان نے کچھ دیر سوچا اور موافقت میں سر ہلا دیا۔

مالک کہنے لگا: اس قدر خوش ہونے کی ضرورت نہیں۔ میری بیٹی اندھی، گونگی
اور بہری ہے۔ میں مدت سے اس کے لیے خاوند کی تلاش میں تھا' کوئی
مناسب شخص نہ ملتا تھا۔ نوجوان یہ سن کر غور و فکر کرنے لگا کہ اس
بھنور سے نکلنے کا راستہ کیا ہے اور ایسی صورت میں اب کیا
کرنا چاہیے۔ اس نے اپنے دل میں کہا
کہ ایسی عورت سے

شادی کر کے اس کی تربیت اور
خدمت کے ذریعہ آزمائش میں پڑنا اس بات سے
کہیں زیادہ آسان ہے کہ میں ناجائز طریقے سے سیب کھانے
کی وجہ سے جہنم میں جاؤں۔ اور یہ دنیوی زندگی تو چند دنوں کی ہے،
لیکن آخرت کی زندگی ہمیشہ رہنے والی ہے، اس لیے کیوں نہ دنیوی مصیبت
ہی جھیل لی جائے' چنانچہ اس نے ناگواری کے ساتھ ہی سہی، اللہ رب العالمین
سے اجر وثواب کی امید کے ساتھ یہ رشتہ قبول کر لیا۔

جب شادی خانہ آبادی کے مراحل طے ہو چکے اور نوجوان کا نیا گھر آباد ہو گیا، تو شب زفاف کو اس پر رنج وغم چھا گیا۔ اس کے دل میں بار بار یہ بات آ رہی تھی کہ ایک عورت جو بات نہیں کر سکتی، دیکھ نہیں سکتی، سن نہیں سکتی' ایسی گونگی، اندھی اور بہری کے پاس میں کس طرح جاؤں گا؟ بہر حال نوجوان اپنی تقدیر پر راضی ہوا' اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا اور کہا: «لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، وَإِنَّا لِلهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ».

شب زفاف کو جب اپنی بیوی سے ملنے کے لیے وہ دلھن کے کمرے میں
داخل ہوا تو دلھن جلدی سے اس کے استقبال کے لیے کھڑی ہوئی اور
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا۔ جب نوجوان نے دیکھا تو اس
کے سامنے ایک نہایت خوبصورت' دانا و بینا' صحیح
سلامت دلھن کھڑی تھی۔ نوجوان نے
تھوڑا سا توقف کیا

اور پھر کہا: یہ کیا ہے؟ مجھ سے تو کہا گیا تھا کہ تمہاری دلھن اندھی، گونگی اور بہری ہے!

دلھن کہنے لگی: میرے والد محترم نے آپ سے جو کچھ بھی میرے متعلق کہا ہے وہ بالکل سچ ہے!!

نوجوان نے کہا: مجھے ان ساری باتوں کی حقیقت سے آگاہ کرو جو تمہارے والد نے مجھ سے کہی تھیں؟

دلھن نے جواب دیا:

«أَبِي قَالَ عَنِّي: إِنَّنِي خَرْسَاءُ لِأَنَّنِي لَمْ أَتَكَلَّمْ بِكَلِمَةٍ حَرَامٍ، وَلَا تَكَلَّمْتُ مَعَ رَجُلٍ لَا يَحِلُّ لِي».

''میرے ابوجان نے آپ سے میرے متعلق جو یہ کہا تھا کہ میں گونگی ہوں تو یہ اس لیے کہ میں نے اپنی زبان سے کبھی کوئی غیر شرعی کلمہ نہیں نکالا ہے اور نہ میں نے کبھی کسی ایسے شخص سے کوئی بات کی ہے، جو میرا غیر محرم ہو۔''

«وَإِنَّنِي صَمَّاءُ لِأَنَّنِي مَا جَلَسْتُ فِي مَجْلِسٍ فِيهِ غِيبَةٌ وَنَمِيمَةٌ وَلَغْوٌ».

''اور میرے ابوجان نے آپ سے جو میرے بارے میں یہ کہا تھا کہ میں بہری ہوں تو یہ اس لیے کہ میں کبھی کسی ایسی مجلس میں نہیں بیٹھی جس میں غیبت، چغلخوری یا بے کار و بے مقصد باتیں زینت مجلس بنتی ہوں۔''

«وَإِنِّي عَمْيَاءُ لِأَنِّي لَمْ أَنْظُرْ إِلَىٰ رَجُلٍ لَمْ يَحِلَّ لِي».

''اور میرے ابو جان نے آپ سے میرے متعلق جو یہ کہا تھا کہ میں اندھی ہوں تو یہ اس لیے کہ میں نے اپنی نگاہ کبھی ایسے شخص کی طرف نہیں اٹھائی جو میرے لیے حلال نہ ہو (یعنی غیر محرم ہو)''

قارئین کرام! کیا آپ جانتے ہیں یہ نوجوان کون تھے؟ یہ ثابت بن نعمان تھے اور اس متقی شخص کو جو بیوی ملی اس کا تذکرہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ وہ کتنی پرہیزگار اور نیک سرشت تھی۔ اس پاکیزہ جوڑے سے اس عظیم ہستی نے جنم لیا جو آسمان علم پر ایک ستارے کی طرح چمکا اور جسے دنیا ''امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ'' کے نام سے جانتی ہے۔

معصوم روشنی

وہ ایک عرب ملک کا رہنے والا تھا۔ کوئی خاص مقصد حیات نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کم ہی تھا۔ کتنی ہی مدت گزری اس نے مسجد تک جانا گوارا نہیں کیا تھا' نہ اللہ کے سامنے سجدہ کیا۔

وہ برے ساتھیوں کے ہمراہ شام سے فجر تک لہو ولعب اور بے کار کاموں میں مشغول رہتا اور بیوی کو گھر میں اکیلے چھوڑے رکھتا تھا جو اس تنہائی سے خاصی پریشانی اور تنگی محسوس کرتی تھی۔ اس کی وفادار اور نیک بیوی پر کم عمری کے باوجود بڑھاپے کے آثار نظر آتے تھے۔ اس نے اپنے شوہر کو سمجھانے بجھانے اور صحیح راستے کی طرف اس کی رہنمائی کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی لیکن اس کی ساری کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔

ایک مرتبہ وہ لہو ولعب کے کاموں میں شب بیداری کرنے کے بعد تقریباً تین بجے صبح گھر واپس آیا۔ دیکھا تو اس کی بیوی اور چھوٹی بچی دونوں گہری نیند سو رہے تھے۔ نیند اس سے کوسوں دور تھی۔ وہ انہیں بستر ہی پر چھوڑ کر دوسرے کمرے میں رات کا بقیہ حصہ گزارنے کے لیے داخل ہو گیا اور اخلاق سے گری ہوئی فلمیں ویڈیو میں دیکھنے لگا۔ اچانک کمرے کا

دروازہ کھلا اور پانچ سالہ بیٹی باپ کے سامنے تھی۔ بیٹی نے باپ کی طرف انتہائی تعجب کے ساتھ حقارت آمیز نگاہوں سے دیکھا اور بولی: «یَا بَابَا، عَیْبٌ عَلَیْكَ، اتَّقِ اللّٰہ» ''ابا جان! آپ کے لیے یہ نہایت معیوب بات ہے۔ آپ کو اللہ سے ڈرنا چاہیے۔'' یہ جملہ بچی نے تین دفعہ دہرایا، اور پھر دروازہ بند کر کے واپس چلی گئی۔

باپ پر بچی کی بات بجلی بن کر گری اور وہ سخت شرمندہ اور پشیمان ہو کر اٹھا، ویڈیو کو بند کیا اور خود ہکا بکا ہو کر بیٹھ گیا۔ بچی کا جملہ اس کے دماغ میں بار بار گردش کر رہا تھا' پھر وہ کمرے سے نکلا۔ دیکھا تو بچی بستر پر جا چکی تھی۔ وہ حواس باختہ ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس وقت اسے کونسی آفت نے آگھیرا ہے۔ چند ہی منٹ گزرے تھے کہ قریبی مسجد سے مؤذن کی اذان اس کے کانوں سے ٹکرائی جو ڈراؤنی رات کے سکوت کو توڑ رہی تھی۔

وہ جلدی جلدی وضو سے فارغ ہو کر مسجد پہنچا۔ اسے نماز پڑھنے کی کوئی خواہش نہیں تھی بلکہ وہ اپنی بے چینی نمٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ابھی سجدے میں پہنچ کر پیشانی زمین پر رکھی ہی تھی کہ بلا سبب اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک سیل رواں امڈ پڑا اور وہ

سسکیاں لے کر رونے لگا۔ گزشتہ سال

دو سال میں اس کی جبین نیاز پہلی دفعہ اپنے معبود برحق

کے روبرو جھکی تھی۔ اس آہ وزاری نے اس کو احساس دلا دیا کہ

اب اس کے ایمان کی تازگی کا وقت آن پہنچا ہے اور اس کے ایمان کے

مرجھائے ہوئے چمنستان میں پھر رونق آیا چاہتی ہے' چنانچہ اس آہ وزاری

کے ساتھ اس نے اپنے دل ودماغ سے فسق وفجور اور فتنہ وفساد سے متعلق جملہ

باتیں نکال پھینکیں اور حاشیۂ خیال میں بھی ایسی باتوں کے لیے کوئی گنجائش نہ

چھوڑی۔ اب اس کی زندگی کی کایا پلٹ چکی تھی!!

فجر کی نماز ختم ہوگئی۔ وہ تھوڑی دیر مسجد ہی میں بیٹھا رہا، پھر اپنے گھر کو واپس ہوا

اور کچھ سوئے بغیر صبح سویرے پوری تیاری کے ساتھ اپنی ڈیوٹی کے لیے نکل گیا۔

جب آفس پہنچا تو اس کا منیجر تعجب میں پڑ گیا کہ آخر ماجرا کیا ہے کہ رات بھر جاگنے

کے سبب آخری وقت میں پہنچنے والا شخص آج صبح سویرے ہی ڈیوٹی پر پہنچ گیا

ہے! منیجر نے اس کا سبب پوچھا تو اس نے گزشتہ رات کے ''حادثے''

سے آگاہ کیا۔ منیجر نے کہا: تم اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ

اس نے تمہیں ایسی معصوم سی نیک بچی سے نوازا ہے جس

نے تمہیں ملک الموت کے آنے سے پہلے

پہلے غفلت کی نیند

سے بیدار کر دیا۔

ڈیوٹی ختم ہونے کے بعد وہ گھر واپس ہوا تا کہ کچھ آرام کر لے۔ وہ اس دوران میں اپنی چھوٹی بچی کے دیدار کا ازحد مشتاق تھا جو اس کی ہدایت اور اللہ کی طرف رجوع کا سبب بنی تھی۔

وہ گھر کے اندر داخل ہوا تو اس کی بیوی نے زار وقطار آنسو بہاتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ اس نے پوچھا: کیوں رو رہی ہو؟ بیوی نے چیختے ہوئے جواب دیا: تمہاری پیاری اور لاڈلی بیٹی وفات پا گئی ہے۔

اس اندوہناک خبر کے صدمے نے باپ کے اوسان خطا کر دیے۔ وہ خود کو قابو میں نہ رکھ سکا' چنانچہ وہ بھی بیوی کے ساتھ زار وقطار رونے لگا۔ تھوڑی دیر بعد جب قدرے اطمینان ہوا تو اس کی سمجھ میں آیا کہ یہ جو کچھ بھی ہوا ہے اللہ تعالی کی طرف سے اس کی ابتلا و آزمائش ہے۔ اللہ تعالی دراصل اس کا امتحان لینا چاہتا ہے' چنانچہ اس نے اللہ تعالی کی حمد وثنا بیان کی اور اپنے دوست کو ٹیلی فون کر کے بلایا۔

دوست آیا اور اس نے بچی کو غسل دے کر کفنا دیا، پھر جنازے کی نماز پڑھ کر اسے قبرستان میں دفن کرنے گئے تو دوست نے کہا: تیرے علاوہ کسی اور کے لیے قبر میں اترنا مناسب نہیں' چنانچہ باپ نے بچی کو اٹھایا اور اسے قبر میں رکھا۔ اس دوران

میں اس کی آنکھیں اشکبار تھیں اور اس
کی زبان گویا تھی:

''میں اپنی بیٹی کو نہیں بلکہ اس روشنی کو دفن کر رہا ہوں جس نے میری زندگی کی اندھیری رات کو اجالے سے بدل دیا...... میں اس روشنی کو دفن کر رہا ہوں جس کی شعاعوں نے میری زندگی کی کایا پلٹ دی اور جو مجھے فسق و فجور کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان و عمل کی منور دنیا میں لے آئی۔''(1)

(1) دیکھئے: جریدۃ المسلمون: 421)

آسمانی ہسپتال میں!

''لیلیٰ حلو'' مراکش کی رہنے والی تھی۔ وہ کچھ ہی عرصہ پہلے ایک مشہور ایکٹریس تھی، فلمی حلقوں میں اس کا نام بڑا معروف تھا۔ اسے ایک انتہائی مہلک مرض لاحق ہوگیا جسے دنیا اب تک لا علاج تصور کرتی ہے اور جسے ''کینسر'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جس کا تصور ہی رونگٹے کھڑے کر دینے کے لیے کافی ہے۔ خاتون نے اپنے مہلک مرض کے علاج کے لیے مختلف ماہرین طب کے دروازے کھٹکھٹائے، لیکن ڈاکٹروں کی تمام کوششیں ناکام ثابت ہوئیں اور اب خاتون کو اپنی زندگی کی کوئی امید باقی نہ رہی۔ ہاں ایک امید باقی تھی اور وہ اس کے رب کا دروازہ تھا۔

لیلیٰ کہتی ہے: میں ایک عرصے سے ایک بے حد خطرناک مرض کا شکار ہوگئی تھی جسے دنیا ''سرطان'' یا ''کینسر'' کے نام سے جانتی ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ یہ مرض انتہائی خطرناک اور مہلک ہے لیکن مراکش میں ہم اسے ''کینسر'' کا نام نہیں دیتے ہیں بلکہ ہمارے یہاں اس کو ''خبیث مرض'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ میرے دل کی وہ شریان جو بائیں جانب سے نکل کر دل کو خون بہم پہنچاتی ہے اور جو تاج نما ہوتی ہے، اس موذی مرض میں مبتلا ہوگئی۔ اس وقت میرا اللہ تعالیٰ پر ایمان کمزور بلکہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ میرا دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے یکسر

خالی تھا کیونکہ میں اللہ سے بالکل غافل تھی۔ میں تو مشہور فلمی ایکٹریس تھی۔ میں سمجھتی تھی کہ انسان کا حسن و جمال تاحیات اس کی شخصیت کو تازگی بخشتا رہتا ہے اور یہ نعمت پوری عمر زائل ہونے کا نام نہیں لیتی اور عنفوان شباب کی مسرتوں سے اسے ہمیشہ لطف اندوزی کا خوش کن موقع نصیب رہتا ہے' نیز اس کی صحت ہمیشہ تروتازہ رہتی ہے جس کی وجہ سے اس کی قلبی فرحت کو روئیدگی وبالیدگی ملتی رہتی ہے۔ میرے حاشیۂ خیال میں یہ تصور تک بھی نہیں گزرا تھا کہ میں کبھی ''کینسر'' جیسی مہلک وجان لیوا بیماری میں گرفتار ہو جاؤں گی، لیکن جب میں اس خطرناک مرض میں مبتلا ہوگئی تو اس کے خوف ودہشت نے میرے وجود کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور میں بری طرح حواس باختہ ہوگئی۔ میرا جی چاہتا تھا کہ کہیں بھاگ جاؤں، لیکن بھاگ کر جاتی بھی تو کدھر جاتی؟ جہاں کہیں بھی جاؤں گی یہ لاعلاج مرض بھی تو میرے ساتھ ساتھ جائے گا' اس لیے میں نے سوچا کہ کیوں نہ میں خودکشی کرلوں، لیکن مجھے میرے شوہر اور بچوں سے شدید محبت تھی' اس لیے میں نے خودکشی نہ کی۔

قارئین یہ نہ سمجھیں کہ اس وقت میرے خودکشی نہ کرنے کی وجہ اللہ تعالیٰ کا خوف یا ڈر تھا۔ اس طرف تو کبھی خیال گیا ہی نہیں تھا۔ دراصل میں تو اسلام سے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے کوسوں دور تھی۔ میں توبہ اور استغفار سے ناواقف تھی۔ بس شاید میرے رب کو میری ہدایت اور رہنمائی منظور تھی، تبھی تو مجھے یہ خطرناک مرض لگ گیا۔ ہاں! بعض اوقات بیماری بھی انسان کے لیے

رحمت کا باعث ہوتی ہے اور وہ اس کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہے۔ شاید اللہ چاہتا تھا کہ نہ صرف مجھ پر کرم کر کے مجھے سیدھے راستے پر لائے بلکہ کتنے ہی اور لوگ میری وجہ سے سیدھے ہو جائیں۔ ہاں میں وہی لیلیٰ حلو جو نجانے کتنے لوگوں کو گمراہ کر چکی تھی، اپنے جسم کی نمائش کر کے، رقص کے ذریعہ، سینما کی سکرین کے ذریعہ...... میں بیمار ہوئی...... دولت...... شہرت...... تعلقات...... ایک سے بڑھ کر ایک ڈاکٹر...... ہسپتال...... سب کچھ میسر تھا...... تو محترم قارئین! میں بیرون ملک بلجیم گئی، بہت سے ڈاکٹروں سے بغرض علاج رجوع کیا۔ سب نے میرے شوہر سے کہا کہ اس کی چھاتی کاٹ دینا ضروری ہے، اور ایسی کیمیکل دوائیں استعمال کرنا پڑیں گی جن سے سر کے بال جھڑ جائیں گے، پلکیں اور بھویں گر جائیں گی، چہرے پر داڑھی کے بال اُگ آئیں گے، ناخن اور دانت گر جائیں گے۔ میں نے ڈاکٹروں کی تجویز سن کر ان کے علاج سے مکمل انکار کر دیا اور کہا: میں چھاتی کٹانے، گنجی ہونے اور قدرتی بناوٹ اور خوبصورتی کو داغدار کرنے پر مر جانے کو ترجیح دوں گی' چنانچہ میں نے ڈاکٹروں سے گذارش کی کہ وہ میرے لیے آسان سا علاج سوچیں۔

پھر میں مراکش واپس آ گئی اور چھوٹا موٹا علاج کرتی رہی لیکن اس کا کوئی خاطر خواہ اثر نہ ہوا۔ مجھے نجانے کیسے محسوس ہوا کہ ڈاکٹروں نے میری درست تشخیص نہیں کی اور خواہ مخواہ میرے اندر کینسر کا مرض ثابت کر دیا ہے جبکہ میں بالکل صحیح سلامت ہوں۔ لیکن تقریباً چھ ماہ کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ میرے وزن

میں خاطر خواہ کمی ہو چکی ہے، میرا رنگ خاصا بدل چکا ہے۔ مجھے درد والم کی شکایت رہنے لگی اور یہ شکایت آہستہ آہستہ مستقل ہوتی گئی۔ جب میں نے ایک مراکشی ڈاکٹر سے طبی جانچ کروائی تو اس نے مجھے بلجیم جانے کا مشورہ دیا' چنانچہ میں نے دوبارہ بلجیم کے لیے رخت سفر باندھا۔

بلجیم میں ڈاکٹروں نے جب میرا معاینہ کیا تو انہوں نے نہایت افسوس ناک خبر میرے شوہر کو بتائی: ''کینسر'' پورے جسم میں پھیل چکا ہے اور پھیپھڑے بھی اس سے بری طرح متاثر ہو چکے ہیں۔ ہمارے پاس اب ایسی صورتحال سے نمٹنے کے لیے کوئی دوا یا علاج نہیں ہے۔ اب تمہارے لیے صرف ایک صورت رہ گئی ہے کہ تم اپنی بیوی کو وطن لے جاؤ تا کہ اسے وہاں قبر نصیب ہو سکے۔

ڈاکٹروں نے جب میرے خاوند کو یہ رپورٹ دی تو ان پر یہ خبر بجلی بن کر گری' وہ حواس باختہ ہو گئے۔ پھر ہم لوگوں نے واپس اپنے وطن مراکش جانے کے بجائے بلجیم سے فرانس کا ٹکٹ لے لیا' شاید مجھے وہاں کوئی علاج مہیا ہو سکے اور وہاں میں چھاتی کٹوا کر کیمیاوی دوائیں استعمال کروں تا کہ کسی طرح زندگی بچ سکے۔

اچانک میرے خاوند کے ذہن میں آیا کہ ہم تمام دنیاوی علاج کروا چکے ہیں مگر ایک طبیب باقی رہ گیا ہے، اس کے پاس جانا چاہئے۔ اس نے جب مجھ سے بات کی تو جیسے مجھے کوئی بھولی ہوئی بات یاد آ گئی ہو۔ بلا شبہ ہمیں مکہ مکرمہ جانا چاہئے، بیت اللہ کی زیارت کریں اور وہاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دربار میں

توبہ و استغفار کریں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ اس مہلک مرض سے مجھے شفایاب کر دے، کیونکہ آسمان کے دروازے ہر مریض کے لیے ہر وقت کھلے رہتے ہیں اور وہاں ہر بیماری کا کامیاب علاج ہمہ وقت دستیاب ہے!!

غرض ہم میاں بیوی پیرس سے خانۂ کعبہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ راستہ بھر ہم «لا إله إلا الله والله أكبر» کے ورد سے رطب اللسان تھے۔ مجھے بڑی خوشی ہو رہی تھی کیونکہ بیت اللہ شریف کی طرف میری زندگی کا یہ پہلا سفر تھا اور پہلی دفعہ اللہ کے گھر کا دیدار نصیب ہونے والا تھا۔ میں نے پیرس ہی میں قرآن کریم کا ایک نسخہ خرید لیا تھا اور گاہے بگاہے اس کی تلاوت کرتی رہتی۔

آخر کار وہ مبارک وقت آ گیا جب ہم مکہ مکرمہ پہنچ کر صحن کعبہ میں داخل ہوئے۔ جونہی نگاہ کعبہ پر پڑی، میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ مجھے اپنی گزشتہ زندگی یاد آ گئی۔ رب کی نافرمانی اور معصیت کی زندگی۔ میرا ماضی بے حد غلط تھا۔ نماز روزے سے قطعاً دور رہی۔ فرائض کا پتہ تک نہ تھا۔ اب میں نہایت عاجزی کے ساتھ اس رب العالمین کے دروازے پر حاضر تھی جو توبہ قبول کرنے والا، اپنے بندوں پر شفقت کرنے والا ہے۔ اور پھر میں نے خانہ کعبہ کے دروازے کے قریب جا کر رو رو کر یہ دعا کی:

''اے میرے پروردگار! میری مہلک بیماری کا علاج ڈاکٹروں کے بس میں نہیں۔ وہ ہزار کوشش کے باوجود میرے علاج سے انکار کر چکے ہیں۔ میرے پیارے رب! بیماری تیری ہی طرف سے آتی ہے اور اس کا علاج بھی

تو ہی کرتا ہے۔ میری بیماری کے علاج کے معاملے میں ڈاکٹروں نے ہسپتالوں کے دروازے بند کر رکھے ہیں، صرف تیرا دروازہ میرے لیے کھلا ہوا ہے۔ میں اپنے علاج کے لیے تیرے ہسپتال میں پہنچ چکی ہوں۔ میرے رب! اپنا دروازہ میرے لیے بند مت کر دینا۔"

پھر میں نے بیت اللہ شریف کا طواف کیا اور اس دوران میں اللہ تعالیٰ سے بکثرت دعا کرتی رہی کہ "اے اللہ! میری دعا کو نامراد واپس نہ کرنا اور مجھے ناامید مت کرنا اور مجھے شفا عنایت کر کے ڈاکٹروں کو اپنی عظمت شان سے حیران وششدر کر دینا۔"

جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے' میں اس سے پہلے اللہ تعالیٰ سے بالکل غافل تھی اور اس کے دین پر کبھی عمل نہ کیا تھا۔ لیکن اب میری وہ کیفیت نہ رہی جو پہلے تھی، بلکہ اب میں نے اللہ کے دین کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا' چنانچہ میں مکہ مکرمہ میں موجود علماء ومشائخ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے ایسی دعاؤں پر مشتمل کتابوں کے متعلق پوچھتی جنھیں میں جلدی سے یاد کر سکوں تا کہ حسب ضرورت ان دعاؤں کا ورد کیا کروں اور اللہ رب العزت کے دربار میں دعا ومناجات کا نذرانہ پیش کر سکوں۔ علماء ومشائخ نے کثرت سے قرآن کریم کی تلاوت کرنے اور زیادہ سے زیادہ آب زمزم پینے کی نصیحت فرمائی۔ نیز انھوں نے مجھے یہ بھی نصیحت کی کہ میں زیادہ سے زیادہ اللہ عزوجل کا ذکر کروں اور رسول اکرم ﷺ پر درود وسلام بھیجوں۔

مسجد حرام میں مجھے کافی راحت محسوس ہو رہی تھی اور میرے دل کو بہت ہی اطمینان تھا۔ میں نے اپنے خاوند سے کہا کہ آپ مجھے مسجد حرام ہی میں وقت گزارنے کی اجازت دیں۔ میں اب ہوٹل کم ہی جاؤں گی۔ زیادہ وقت اللہ کے گھر میں گزاروں گی۔ میرے خاوند نے میری درخواست قبول فرمائی اور میں اپنے اوقات مسجد حرام ہی میں رب ذوالجلال والاکرام کے مقدس دربار میں دعا و مناجات کے ساتھ گزارنے لگی۔

مسجد حرام کے اندر میرے پڑوس میں مصر اور ترکی کی چند خواتین تھیں جو کثرتِ آہ و بکا سے میری آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو دیکھتی تھیں۔ انہوں نے میری کثرت آہ وزاری کا سبب دریافت کیا۔ میں نے ان سے جواباً کہا: پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے مبارک گھر کا طواف نصیب ہوا جس کے بارے میں مجھے گمان بھی نہیں تھا کہ اس سے ایسی محبت ہوگی جیسی اب میرے دل میں ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ مجھے کینسر کی بیماری لاحق ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کے دربار میں آہ وزاری کر رہی ہوں۔

ان خواتین کا معمول تھا کہ نمازوں کے بعد میرے ارد گرد بیٹھ جاتیں اور خاصی دیر بعد الگ ہوتیں۔ یوں ہماری اللہ کے لیے آپس میں محبت ہوگئی۔ پھر میں نے ان سے کہا: کیوں نہ میں مسجد میں اعتکاف کی نیت کر لوں؟ ان عورتوں نے اس بات کو پسند کیا اور کہنے لگیں کہ ہم بھی تمہارے ساتھ شریک ہوتی ہیں۔ ہر چند کہ رمضان المبارک کا مہینہ نہ تھا۔ پھر بھی ان عورتوں کے خاوندوں نے

اجازت دے دی اور اب ہم سب اللہ کے گھر میں معتکف تھیں۔ اب ہمارا سارا دن ذکر واذکار، قرآن پاک کی تلاوت، نمازوں اور نوافل میں گزر جاتا۔ نیند بھی کم آتی۔ بھوک تو گویا مٹ ہی گئی تھی، چند لقمے کفایت کر جاتے۔ ہاں اب ہم آبِ زمزم کثرت سے پیتیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہمیں یاد تھا:

«مَاءُ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَهُ».

''آبِ زمزم جس نیت سے بھی پیا جائے وہ نیت پوری ہوجاتی ہے''۔ (صحیح ابن ماجہ: 3062)

یعنی آبِ زمزم اگر بیماری سے شفایابی کی نیت سے نوش کیا جائے تو اللہ تعالیٰ شفا بخشتا ہے۔ اگر سیرابی کی نیت سے پیا جائے تو پیاس مٹ جاتی ہے۔ اگر اللہ کی پناہ کی نیت سے پیا جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے دامن میں پناہ دیتا ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہماری بھوک کو زمزم کی برکت سے ختم کر کے ہمیں آسودگی بخشی۔

ہم خواتین مسلسل خانہ کعبہ کا طواف کرتیں اور طواف کے اختتام پر دو رکعتیں مقامِ ابراہیم کے پیچھے (اور اگر مقام ابراہیم کے پیچھے جگہ نہ ملتی تو مسجد کے کسی بھی حصہ میں) پڑھتیں اور پھر دوبارہ طواف کرنے لگتیں۔ اگر کچھ تھکاوٹ اور بھوک محسوس ہوتی تو اس کے لیے آبِ زمزم ہر وقت دستیاب تھا۔

میں جب بیت اللہ شریف پہنچی تھی اس وقت بہت ہی پتلی دبلی اور کمزور تھی۔ میرے جسم کے اوپری حصے میں سوجن اور چھوٹی چھوٹی بہت ساری سرخ پھنسیاں تھیں جو اس بات کی واضح علامت تھیں کہ میرے جسم کے اوپر والے حصے

میں کینسر پھیل چکا ہے۔ میری سہلیاں مجھے نصیحت کرتیں کہ میں اپنے جسم کے اوپر والے حصے کو آبِ زمزم سے دھوتی رہوں، لیکن جسم کی پھنسیوں اور سوجن کو چھونے سے مجھے خوف لاحق ہوتا اور دھونے کا تصور آتے ہی میں کانپ اٹھتی تھی۔ مجھے جب بھی اس مہلک مرض کا خیال آتا میرا دھیان اللہ تعالیٰ کے ذکر واذکار اور اس کی عبادت سے ہٹ کر اس میں الجھ جاتا۔ بہرحال میں نے اپنے جسم کو ہاتھ لگائے بغیر آبِ زمزم کو اپنے جسم پر ڈالنا شروع کیا۔

کچھ دن یوں ہی گزر گئے۔ میری سہیلیوں نے مجھے مجبور کیا کہ میں اپنے جسم کو آبِ زمزم سے دھوڈالوں۔ میں نے شروع میں انکار کیا، مگر مجھے محسوس ہوا کہ کوئی اندرونی طاقت مجھے آبِ زمزم سے اپنے جسم کو دھونے پر آمادہ کررہی ہے' میں نے خوف کی وجہ سے اس پر عمل نہیں کیا۔ دوسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا لیکن اس مرتبہ بھی میں نے اپنے جسم کو آبِ زمزم سے نہیں دھویا، کیونکہ مجھے ڈرلگتا تھا' تاہم جب تیسری مرتبہ بھی میرے دل نے گواہی دی اور مجبور کیا کہ میں اپنے جسم کو زمزم سے ضرور دھوؤں تو میں اٹھی اور آبِ زمزم لے کر اپنے ہاتھوں سے جسم اور چھاتی پر ملنا شروع کر دیا جو کہ فاسد خون، پیپ، پھنسیوں وغیرہ سے پُر تھی...... لیکن...... دیکھتے ہی دیکھتے میرا جسم حیرت انگیز طور پر ان تمام بیماریوں سے پاک ہونے لگا...... چھوٹی چھوٹی پھنسیاں جانے کدھر گئیں...... جسم کو چور کر دینے والے درد والم اور خون نما پیپ...... سب غائب ہوگئے۔

میں پہلے تو گھبرا اٹھی، پھر اپنے کپڑے کے نیچے ہاتھ لے جا کر بار بار جسم

کو چھونے لگی، لیکن میرے جسم کے اندر اب ہرگز کوئی سوجن نہیں تھی۔ میں کانپ اٹھی، مگر فوراً میرے ذہن نے کہا: اس قدر تعجب کیوں کرتی ہو؟ کیا اللہ رب العزت اس کام پر قادر نہیں ہے؟ میں نے اپنی ایک سہیلی سے کہا کہ ذرا میرے جسم کو چھونا اور میری پھنسیوں کو دیکھنا۔ میری سہیلیوں نے جب دیکھا کہ میرے جسم سے ساری پھنسیاں غائب ہیں اور میرا جسم بالکل صحیح سالم ہے تو بے ساختہ چیخ اٹھیں: اللہ اکبر...... اللہ اکبر......

میں فرطِ مسرت سے اپنے شوہر کو خوشخبری دینے کے لیے مسجد حرام سے نکل کر ہوٹل کو چلی۔ کمرے میں داخل ہو کر جب اپنے شوہر کے سامنے کھڑی ہوئی تو ان سے کہنے لگی: دیکھو، یہ دیکھو اللہ کی رحمت......!! کدھر ہیں میرے جسم پر پھوڑے پھنسیاں!! ...... ہیں کہیں؟ ...... ختم ہو گئی نا!! پھر میں نے انتہائی مسرت وشادمانی کے ساتھ اسے اپنے حالات سے آگاہ کیا، لیکن میرے شوہر کو میری گفتگو افسانہ معلوم ہو رہی تھی۔ وہ میری بات کو مذاق سمجھ رہا تھا۔ یکا یک اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اس نے بلند آواز میں کہا: کیا تجھے نہیں معلوم، کیا تو اتنی جلدی بھول گئی کہ صرف تین ہفتہ قبل ڈاکٹروں نے قسم کھا کر کہا تھا کہ تو چند ہی دنوں کی مہمان ہے؟ میں نے اپنے شوہر سے کہا:

«إِنَّ الْآجَالَ بِيَدِ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى وَلَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ»

''زندگی اور موت کا وقت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو نہیں۔''

اس کے بعد ہم میاں بیوی بیت اللہ شریف میں ایک ہفتہ قیام پذیر رہے۔ میں اللہ تعالیٰ کی اَن گنت نعمتوں پر اس کا شکریہ ادا کرتی رہی اور اس کی حمد وثنا بیان کرتی رہی۔ پھر ہم نے مسجد نبوی شریف کی زیارت کی اور اس کے بعد فرانس واپس ہوگئے۔ جب وہاں کے ڈاکٹروں نے مجھے پوری صحت وعافیت کے ساتھ دیکھا اور انھیں علم ہوا کہ مہلک وخطرناک مرض نے مجھے خیر باد کہہ دیا ہے تو وہ حیران وپریشان رہ گئے۔ وہ حیرت زدہ ہوکر مجھ سے کہنے لگے: محترمہ! کیا آپ ہی وہ خاتون ہیں جو......؟ میں فخر سے جواب دیتی: جی ہاں، میں ہی ہوں وہ خاتون جس کی موت کا اعلان آپ لوگوں نے کر رکھا تھا، اور یہ میرے شوہر ہیں جنہوں نے میری شفایابی کے لیے سارے وسائل استعمال کرڈالے تھے۔ میں آپ لوگوں کے علاج سے فرار ہوکر اپنے رب تعالیٰ کے ہسپتال میں جاکر داخل ہوگئی اور اب اس کے علاج سے شفایابی کے بعد واپس آئی ہوں۔ مجھے اب اس کے سوا کسی کا خوف اور ڈر نہیں ہے کیونکہ قضا وقدر اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہی زندگی وموت کا مالک ہے اور تمام امور اسی کی نگرانی میں انجام پاتے ہیں۔ ایک پتا بھی اس کے حکم کے بغیر نہیں گرتا ہے۔

ڈاکٹروں نے مجھ سے کہا: محترمہ! آپ کا یہ معاملہ عجیب وغریب ہے۔ تعجب ہے کہ آپ کی سوجن ختم ہوگئی مگر ضروری ہے کہ آپ کا دوبارہ چیک اپ کیا جائے، نئے سرے سے ٹیسٹ لیے جائیں۔

چنانچہ ڈاکٹروں نے دوبارہ میری تشخیص کی اور میرے تمام ٹیسٹ لیے، مگر

تمام ٹیسٹ کلیئر تھے، مجھے الحمد للہ کوئی بیماری نہ تھی۔ وہ سب دنگ رہ گئے۔ شاید ان کا تعجب اس لیے بھی زیادہ تھا کہ جو مرض مجھے لاحق تھا، اس کے علاج میں اب تک میڈیکل سائنس ناکام ہے۔ بہر حال میں جب اس مرض میں مبتلا تھی تو سوجن کی وجہ سے میرے لیے سانس لینا بھی دوبھر ہو چکا تھا لیکن جب میں نے بیت اللہ شریف کا سفر کیا اور اللہ سے اپنی شفایابی کی دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرما کر مجھے اس آفت سے یکسر نجات عطا فرما دی اور سرطان جیسی خوفناک بیماری ایسے غائب ہوگئی جیسے کبھی ہوئی ہی نہ تھی۔

پھر اس کے بعد میرا یہ معمول بن گیا کہ میں نبی کریم ﷺ کی سیرت پاک اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی حیاتِ مبارکہ کا مطالعہ کرتی اور زار و قطار روتی۔ نیز پہلے مجھ سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کے جو تقاضے پورے نہ ہو سکے تھے اور جن ایام کو میں نے اللہ کی یاد سے کوسوں دور گزارا تھا، انہیں یاد کر کے بارہا میری آنکھیں ڈبڈبا جاتیں اور میں بے ساختہ رونے لگتی تھی۔

میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتی ہوں کہ الہ العالمین میری اور میرے شوہر کی توبہ قبول فرمائے اور تمام مسلمانوں کو اپنے دامن بخشش و مغفرت میں جگہ عنایت فرمائے۔ آمین![1]

(۱) العائدون إلى الله، عبدالعزيز المسند ج 2۔ مؤلف کا کہنا ہے کہ انہوں نے یہ قصہ خود "لیلیٰ حلو" کی آواز میں ایک کیسٹ کے حوالے سے سن کر اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے۔

دھوکے کا برا انجام

قاضی ابن ابی لیلیٰ عدالت میں تشریف فرما تھے کہ دو عورتیں ایک نوجوان اور ایک بوڑھی کمرۂ عدالت میں داخل ہوئیں۔

نوجوان عورت کہنے لگی: قاضی کی سلامتی ہو' میں شادی شدہ عورت ہوں۔ اگر قاضی اجازت دیں تو میں نقاب اٹھا کر اپنا مقدمہ پیش کروں۔ بوڑھی عورت فوراً بول پڑی: قاضی کی خیر ہو' یہ لڑکی نہایت خوبصورت اور حسین وجمیل ہے۔ یہ اپنے حسن وجمال سے آپ کو دھوکہ دینا چاہتی ہے۔ لہٰذا اس کی بات پردہ میں ہی سنیں۔ اللہ اس کے حسن وجمال سے آپ کو محفوظ رکھے۔ مجھے خدشہ ہے کہ اگر آپ نے اس کا چہرہ دیکھ لیا تو کہیں فتنے میں نہ آ جائیں اور درست اور صحیح فیصلہ نہ کر سکیں۔

قاضی ابن ابی لیلیٰ نے نوجوان عورت کو ٹکا سا جواب دے دیا اور کہا: پردے میں ہی گفتگو کرو۔ وہ نوجوان عورت اپنی حسرت دل میں ہی لیے رہ گئی اور پھر کہنے لگی: اللہ قاضی کی عزت میں اضافہ کرے' یہ عورت جو میرے ساتھ ہے میری سگی پھوپھی ہے۔ میں اس کو اس کی زیادہ عمر اور اس رشتہ کی وجہ سے ماں کا درجہ دیتی ہوں اور اس کو ماں کہہ کر پکارتی ہوں۔ جب میرا والد فوت ہوا' جس کی میں اکیلی وارث تھی۔ میری پھوپھی نے کوشش کی کہ وہ کسی طرح میری دولت پر قبضہ کر لے۔ بہر حال میں اس کی عزت اور خدمت کرتی تھی۔ دولت میری تھی اور سارا خرچ اسی

سے ہوتا مگر میں مطمئن تھی کہ میں اپنی پھوپھی کے گھر میں ہوں۔ جب جوان ہوگئی تو میرے چچازاد بھائی نے میرا رشتہ مانگا۔ چنانچہ میری اس سے شادی ہوگئی اور میں اس کے گھر منتقل ہوگئی۔ ہم دونوں نہایت خوش وخرم تھے۔ آپس میں شدید محبت تھی۔ وقت گزرتا گیا' میں اپنے خاوند کے گھر نہایت خوش تھی۔ اسی دوران میری اس پھوپھی کی بیٹی جوان ہوگئی۔ نجانے میری پھوپھی کو کیا ہوا کہ اس نے میرے خاوند کو پھسلانا شروع کردیا۔ اسے ترغیب دی کہ وہ اس کی بیٹی سے شادی کرلے۔ اس کی مسلسل ترغیب رنگ لائی اور اس نے میری پھوپھی کو باقاعدہ منگنی کا پیغام بھجوا دیا۔ میری یہ پھوپھی نجانے کب سے میرے ساتھ بغض وعناد رکھتی تھی' وہ میرے اوپر سوتن تو لا ہی رہی تھی' اس نے میرا گھر بھی اجاڑنے کا فیصلہ کرلیا۔ جب میرے خاوند نے پیغام بھیجا تو اس نے عجیب وغریب شرط لگادی کہ میری اس بھتیجی کا فیصلہ میرے ہاتھ میں دے دو۔ مراد یہ کہ تم مجھے مکمل طور پر اختیار دے دو کہ طلاق وغیرہ کا معاملہ میرے ہاتھ میں ہو۔ میرا خاوند اس کی بیٹی پر فریفتہ ہوچکا تھا۔ اس نے ہاں کر دی۔ اب میری ازدواجی زندگی کا فیصلہ میری پھوپھی کے ہاتھ میں آ گیا' میں اپنے گھر میں نہایت اطمینان سے بیٹھی تھی کہ میری پھوپھی نے ایک شخص کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ تمہاری پھوپھی تمہیں سلام کہتی ہے اور کہا ہے کہ تمہارا خاوند میری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ میں نے اس سے یہ شرط لگائی کہ جب تک وہ تمہارا معاملہ میرے ہاتھ میں نہ کردے' میں اس وقت تک رشتہ منظور نہ کروں گی تو اس نے میری

بات منظور کر لی۔ اب تم کو طلاق ہے۔

میں گھر بیٹھے اجڑ گئی۔ اس کے باوجود میں نے صبر کا دامن پکڑے رکھا۔ اللہ کا شکر ادا کیا۔ اسی دوران میری پھوپھی کا خاوند سفر سے واپس آ گیا اس کو حالات کا علم ہوا تو خاصا ناراض ہوا۔ وہ میرے پاس آیا اور آ کر کہنے لگا کہ تم میرے ساتھ شادی کر لو۔ میں نے کہا کہ مجھے کوئی اعتراض نہیں بشرطیکہ میری پھوپھی کا معاملہ میرے ہاتھ میں کر دو۔ اس نے کہا کہ تم کیا کرو گی؟۔ میں نے کہا: میری مرضی۔ ہو سکتا ہے میں معاف کر دوں یا انتقام لوں۔ اس نے کہا کہ ٹھیک ہے تمہاری پھوپھی کا معاملہ تمہارے سپرد ہوا۔

اب میں نے ایک شخص کے ہاتھ اپنی اس پھوپھی کو پیغام بھیجا کہ تمہارے خاوند نے مجھے پیغام نکاح دیا ہے۔ میں نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ ایک شرط ہے کہ تمہارا معاملہ میرے ہاتھ میں کر دے۔ میں نے اسے منظور کر لیا۔ اب تم کو طلاق ہے۔

قاضی ابن ابی لیلیٰ بے اختیار ہنسنے لگے۔ بوڑھی عورت کہنے لگی کہ قاضی! ابھی سے نہ ہنسو اصل واقعہ تو اب شروع ہونے والا ہے۔

اب دوبارہ نوجوان عورت کہنے لگی کہ اس عورت کا سابقہ خاوند جو اب میرا خاوند تھا وفات پا گیا اور کافی جائیداد چھوڑی ہے۔ اب یہ عورت مجھ سے میراث کے لیے جھگڑنے لگی اور عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔

ادھر میں نے اپنے چچازاد بھائی کو غیرت دلائی اور اسے مقدمہ کی پیروی کرنے کے لیے کہا تو وہ میری بات مان گیا اور اپنی ساس کے مقابلے میں میری مدد کرنے لگا۔

کچھ ماہ گزرے میں نے ایک دن اس سے کہا کہ میرے چچا کے بیٹے! مجھے سچ کہنے میں کوئی باک نہیں۔ میں تمہارے ساتھ خوش تھی تم نے ناحق مجھے طلاق دے دی۔ اب جب کہ میرا خاوند وفات پا چکا ہے تو میں تمہارے لیے حلال ہوں۔ تم مجھ سے دوبارہ شادی کر سکتے ہو۔ اس کو بھی سابقہ محبت یاد آئی۔ کہنے لگا کہ میں تو تم سے شدید محبت کرتا تھا یہ تمہاری پھوپھی تھی جس نے مجھے ورغلایا اور اپنی بیٹی سے شادی کر دی۔ بہر حال اب میں دوبارہ شادی کرنے کے لیے تیار ہوں۔ میں نے اس سے کہا کہ ایک شرط ہے۔ وہ بولا: کونسی؟ میں نے کہا کہ میری پھوپھی زاد بہن کا معاملہ میرے ہاتھ میں دے دو۔ اس نے کہا کہ منظور ہے۔ اب میں نے اپنی پھوپھی زاد بہن کی طرف پیغام بھیجا کہ تمہارے خاوند نے مجھے نکاح کا پیغام دیا ہے' میں نے اس پر شرط لگائی تو اس نے تمہارا معاملہ میرے ہاتھ میں دے دیا اور میں تمہیں طلاق دیتی ہوں۔ تم کو طلاق ہو۔

اب بوڑھی عورت کہنے لگی کہ قاضی کی خیر اور عزت میں اضافہ ہو۔ کیا ایسا بھی ممکن ہے یا ایسا جائز ہے کہ اس نے مجھے اور میری بیٹی دونوں کو طلاق دے دی۔

قاضی ابن ابی لیلیٰ نے اپنا سر اٹھایا اور کہنے لگے: «بِئْسَ الْغَمْسُ وَالنَّكْسُ لَكِ»

’’کیا خوب محرومی و بدنصیبی ہے، اور ہاں شکست و پسپائی اور ذلت و رسوائی کی سزاوار تو ہی ہے‘‘۔

اور پھر خلیفہ منصور کے پاس گئے۔ وہ بھی بے اختیار ہنسنے لگا اور کہا:

«أَبْعَدَ اللّٰهُ الْعَجُوزَ وَلَا فَرَّجَ عَنْهَا»

’’اللہ تعالیٰ اس بوڑھیا کو (اپنی رحمتوں سے) دور رکھے اور اس کو مشکلات و پریشانیوں سے دستبردار نہ کرے‘‘۔

9 کافروں کو واصلِ جہنم کرنے والی خاتون

مسجد نبوی میں اللہ کے رسول ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ اچانک اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا داخل ہوئیں۔ عرض کرنے لگیں: اللہ کے رسول ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان' میں خواتین کی نمائندہ بن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔ میرے پیچھے عورتوں کی ایک جماعت ہے جس کی ترجمانی کرنے کے لیے میں حاضر ہوئی ہوں۔ ان تمام کے احساسات اور جذبات وہی ہیں جو میں بیان کرنے جا رہی ہوں۔ میرے ایک ایک لفظ کی وہ تائید کریں گی۔ یہ کہہ کر انھوں نے اپنی بات شروع کی:

«إِنَّ اللهَ تَعَالَىٰ بَعَثَكَ إِلَى الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ كَافَّةً فَآمَنَّا بِكَ وَاتَّبَعْنَاكَ».

''آپ کو اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کے مردوں اور عورتوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ ہم خواتین آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی فرماں برداری کی۔''

«نَحْنُ مَعْشَرَ النِّسَاءِ مَقْصُورَاتٌ مُخَدَّرَاتٌ قَوَاعِدُ بُيُوتٍ وَمَوَاضِعُ شَهَوَاتِ الرِّجَالِ وَحَامِلَاتُ أَوْلَادِهِمْ، وَإِنَّ الرِّجَالَ فُضِّلُوا بِالْجُمُعَاتِ وَشُهُودِ الْجَنَائِزِ وَالْجِهَادِ، وَإِذَا خَرَجُوا لِلْجِهَادِ حَفِظْنَا لَهُمْ أَمْوَالَهُمْ وَرَبَّيْنَا أَوْلَادَهُمْ أَفَنُشَارِكُهُمْ فِي الْأَجْرِ يَارَسُولَ اللهِ؟».

''اور ہم خواتین گھروں میں قید

102

رہ کر پردہ نشینی کی حالت میں گھر کی ذمہ داریاں سنجالتی ہیں، اپنے خاوندوں کو راحت وسکون پہنچاتی ہیں اور ان کے لیے اولاد کو جنم دیتی ہیں۔ مردوں کو ہم پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ وہ مساجد میں نماز جمعہ ادا کرتے ہیں، کوئی فوت ہو جائے تو اس کے جنازے میں شرکت کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلتے ہیں۔ جب ہمارے خاوند جہاد کے لیے جاتے ہیں تو ہم ان کے مال و دولت کی حفاظت کرتی ہیں اور ان کی اولاد کی پرورش کرتی ہیں۔ اللہ کے رسول (ﷺ)! کیا مردوں کے نیک اعمال کے ثواب میں کچھ ہمارا حصہ بھی ہے؟''

اللہ کے رسول ﷺ اپنے صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور ان سے فرمایا:

«هَلْ سَمِعْتُمْ مَقَالَةَ امْرَأَةٍ أَحْسَنَ سُؤَالًا عَنْ دِينِهَا مِنْ هٰذِهِ؟»

''کیا تم نے دین کے حوالے سے اس عورت سے بہتر کسی کو سوال کرتے ہوئے سنا ہے؟''

انہوں نے عرض کی کہ اللہ کے رسول (ﷺ)! واقعی ہم نے اس سے بہتر کسی عورت کی گفتگو نہیں سنی۔ اب اللہ کے رسول ﷺ اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

«انْصَرِفِي يَا أَسْمَاءُ وَأَعْلِمِي مَنْ وَرَاءَكِ مِنَ النِّسَاءِ أَنَّ حُسْنَ تَبَعُّلِ إِحْدَاكُنَّ لِزَوْجِهَا وَطَلَبَهَا لِمَرْضَاتِهِ

وَاتِّبَاعِهَا لِمُوَافَقَتِهِ يَعْدِلُ

كُلَّ مَا ذَكَرْتِ لِلرِّجَالِ.

''اے اسماء! (خوش خوش) واپس جاؤ اور خواتین کو بتا دو کہ جو عورت اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرے' اس کی خوشنودی حاصل کرے اور اس کی رضامندی وموافقت طلب کرے' اسے وہی ثواب ملے گا جس کا تم نے مردوں کے لیے ذکر کیا ہے۔''

اب اسماء رضی اللہ عنہا اس حال میں واپس ہوئیں کہ زبان پر لا إله إلا الله اور الله اكبر کے کلمات ہیں کیونکہ ان کی وساطت سے قیامت تک کی مسلمان عورتوں کو دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک عظیم خوشخبری ملی ہے۔

(الاستیعاب: 3267' الدر المنثور للسیوطی: 153/2)

یہ عظیم صحابیہ جس کو بعد ازاں ''خطيبة النساء'' کا لقب ملا' ان کے بارے میں ہم مزید کچھ پڑھتے ہیں۔

یہ انصاریہ صحابیہ قدیم الاسلام تھیں بلکہ جن عورتوں نے سب سے پہلے اللہ کے رسول کی بیعت کی تھی یہ ان میں شامل تھیں۔ وہ بڑے فخر کے ساتھ بتلایا کرتی تھیں کہ میں سب سے پہلی خاتون ہوں جس نے اپنی بہن حوا کے ساتھ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تھی۔

واضح رہے کہ عورتوں کی بیعت زبانی ہوتی تھی۔ عورتیں اللہ

کے رسول ﷺ کے ہاتھ پر ہاتھ نہیں

رکھتی تھیں۔

ان کا گھرانہ نبی کریم ﷺ کی محبت سے مالا مال تھا۔ غزوۂ احد میں مشرکین مکہ کی پوری کوشش اور خواہش تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ کو کسی طرح قتل کر دیں۔ جب مسلمانوں کے قدم اکھڑے تو لڑائی کا سارا زور اس جانب تھا جہاں اللہ کے رسول ﷺ موجود تھے۔ ایسے کٹھن وقت میں مسلمانوں کی ایک جماعت اللہ کے رسول ﷺ کا دفاع کر رہی تھی جن میں اسماء رضی اللہ عنہا کے چچا حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ پیش پیش تھے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں:

«أُفْرِدَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَوْمَ أُحُدٍ فِي سَبْعَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَرَجُلَيْنِ مِنْ قُرَيْشٍ. فَلَمَّا رَهِقُوهُ قَالَ: مَنْ يَرُدُّهُمْ عَنَّا وَهُوَ رَفِيقِي فِي الْجَنَّةِ».

''احد کے روز ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ صرف سات انصاری اور دو قریشی رہ گئے۔ جب آپ ﷺ پر زیادہ ہجوم ہوا تو ارشاد ہوا جو ہم سے ان کافروں کو ہٹائے گا وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا۔''

اب انصاری صحابہ مدافعت کرتے ہوئے

آگے بڑھتے ہیں اور

کافروں کو روکتے ہیں۔ تیروں کی بارش

میں انصار اپنے آپ کو اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے

ڈھال بنا دیتے ہیں اور پھر ایک ایک کر کے جام شہادت نوش کر

لیتے ہیں۔ انہی میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے چچا زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ بھی شامل

تھے۔ (مسلم:1789)

اس موقع کی منظر کشی علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ نے اپنی ایک تقریر میں کی تھی۔

انہی کے الفاظ میں ان کے خطبات میں سے من وعن یہ واقعہ لکھے دیتا ہوں:

''حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ کا واقعہ بڑا مشہور ہے۔ امام ابن ہشام نے اپنی سیرت

میں اور دیگر ائمہ نے اپنی اپنی کتابوں میں جو سرور کائنات ﷺ کی سیرت پر لکھی گئی ہیں

ان میں لکھا ہے کہ حضرت محمد ﷺ میدان احد میں تشریف لے گئے۔ دشمن کے حملوں کا

سارا زور نبی کائنات علیہ الصلوۃ والسلام کی ذات اقدس پر تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ جب

تک حضور موجود ہیں مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ نہیں کیا جا سکتا اور ان کے

قدموں کے اندر ڈگمگاہٹ پیدا نہیں کی جا سکتی۔ حضور ﷺ کو نقصان پہنچانے

کے لیے سارا زور لگایا۔ بڑھ بڑھ کر حملے کرتے رہے۔ نبی رحمت ﷺ

نے یہ عالم دیکھا۔ آپ نے مسلمانوں سے خطاب کیا۔ فرمایا:

''مسلمانو! کون ہے جسے محمد (ﷺ) اپنی تلوار دیتا ہے۔

وہ مجھ سے عہد کرے کہ جیتے جی مجھ تک

دشمن کو نہیں

پہنچنے دے گا۔ جب تک زندہ رہے گا
میرے دروازے پر پہرہ دے گا۔"

ایک دبلے پتلے سے آدمی زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ اٹھ کے کھڑے ہوئے'
عرض کی: آقا! میں آج آپ سے یہ وعدہ کرتا ہوں جب تک زندہ
رہوں گا آپ کے خیمے کے دروازے سے نہیں ہٹوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا
یہ کمزور آدمی ہے۔ آپ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ پھر کہا' پھر وہی اٹھا۔ پھر کہا' پھر وہی
اٹھا۔ آپ نے اپنی تلوار اسے دے دی۔ فرمایا: دیکھنا وعدہ کیا ہے' اس کو پورا کرنا۔ اس
نے کہا: اللہ کے حبیب! وعدہ نبھاؤں گا۔ حدیث میں آیا ہے دشمن نے سارا زور
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے پر حملوں میں لگا دیا۔ ہر حملہ آتا' زیاد رضی اللہ عنہ اسے اپنے سینے پر روکتے۔ جسم
پہ بہتر (72) زخم کھائے۔ ایک دو تین چار نہیں بہتر زخم۔ کہنا بڑا آسان اور کھانا بڑا مشکل۔
دودھ پینے والے مجنوں تو بہت ہوتے ہیں خون دینے والا کوئی نہیں ہوتا۔ بہتر زخم
لگے۔ حدیث میں آیا ہے بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما آگے بڑھے'
جلدی سے اٹھایا کہ زخمیوں کے خیمے میں لے جائیں۔ اٹھاتے ہوئے ہوش
آ گیا' آنکھیں کھول دیں۔ فرمایا: کیا بات ہے؟

کہا: زیاد! تم بہت زخمی ہو۔ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ کہا: ہم
تمہیں زخمیوں کے کیمپ میں لے جانا چاہتے ہیں۔
آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کہنے لگے: نہیں
مجھ پہ رحم کرو۔ مجھ کو

زخمیوں کے کیمپ میں نہ لے جاؤ۔ مجھ
کو حضور ﷺ کے خیمے کا سہارا دے کے کھڑا کر دو۔

کہنے لگے: کیا کہتے ہو؟

کہا: یہی کہتا ہوں۔ مجھ کو نبی ﷺ کے خیمے کی طناب کے سہارے کھڑا کر دو کہ میں نے اپنے آقا سے وعدہ کیا ہے' جیتے جی آپ کے خیمے سے نہیں ہٹوں گا اور ابھی میری زندگی کے سانس باقی ہیں۔ کہا: تم زخمی ہو۔ کہا: کچھ ہو جب تک میں زندہ ہوں نبی ﷺ کے دروازے سے ہٹنا گوارہ نہیں ہے۔ اصرار۔ انکار۔ آخرش ان کی درخواست اتنی غالب ہوئی کہ سہارا دے کے کھڑا کر دیا۔

حدیث میں آیا ہے کہ پھر تیر برسے' پھر تلواریں چلیں' پھر نیزوں کے زخم آئے' پھر زخم لگے۔ بانوے زخم لگے۔ جب ترانواں زخم لگا' منہ سے چیخ نکلی اور گر پڑے۔ چیخ کی آواز رحمت کائنات ﷺ کے کانوں تک پہنچی۔ خیمے سے بھاگے ہوئے باہر نکلے۔ دیکھا کہ زیاد کے جسم پہ زخم لگنے کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ اتنے زخم لگے ہیں کہ اب وہاں کوئی زخم لگنے کی جگہ بھی باقی نہیں رہی ہے۔ آخری لمحات اور...... زیاد! تیری محبت کا کیا کہنا اور تیرے نصیب کا کیا کہنا۔ حضور ﷺ نے جلدی سے زیاد رضی اللہ عنہ کے سر کو اٹھایا۔ خود ننگی زمین پہ بیٹھے اور اسے اپنی گود میں رکھ لیا۔ حدیث کے الفاظ ہیں: جب دیکھا کہ سر سے لے کر پاؤں تک ہر جگہ سے خون ٹپک رہا ہے'
آنکھوں میں آنسو

آ گئے کہ

﴿عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (التوبہ: 129)

میں نے اتنا مہربان نبی تم میں بھیجا ہے! کانٹا تمہارے پاؤں میں چبھتا ہے، ٹیس اپنے دل میں محسوس کرتا ہے۔ اتنا مہربان اور مشفق نبی۔ آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے ٹپکے، زیاد رضی اللہ عنہ کے چہرے پہ گرے۔ گرم گرم قطروں نے آب حیات کا کام کیا۔ آنکھیں کھول دیں۔ کیا دیکھتا ہے کہ سامنے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ ہے۔ آنکھیں پھر بند کیں، پھر کھولیں کہ کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ سامنے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زیاد کی آنکھوں کو کھلا ہوا دیکھا۔ پیار سے اپنے دست مبارک کو اٹھایا، حضرت زیاد رضی اللہ عنہ کی آنکھوں پہ رکھا کہ زخمی کو دیکھنے میں بڑی دقت و دشواری ہوتی ہے۔ زیاد رضی اللہ عنہ نے اپنی نحیف آواز میں اپنے آقا سے گزارش کی: آقا! جاتے ہوئے اپنی زیارت سے محروم تو نہ کیجئے۔ میں چاہتا ہوں کہ قیامت کے دن جب رب پوچھے کہ کیا کرتا ہوا آیا اور دنیا میں آخری نگاہ کس پر پڑی، تو میں کہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدے کو نبھاتا ہوا آیا اور جس پہ نگاہ پڑی وہ تیرے محبوب کا چہرہ تھا۔ اس سعادت سے محروم تو نہ کیجئے۔ رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھالیا۔ زیاد عرض کرنے لگے: آقا! آخری لمحے ایک بات کی گواہی تو دے

دیجیے۔ آپ نے فرمایا: زیاد! کیا بات

ہے؟

کہنے لگے: یا رسول اللہ (ﷺ)! قیامت کے دن یہ گواہی دیجیے گا

نا' کہ میں نے آپ سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا تھا۔ دیکھ لیجیے جیتے جی تو

آپ کے خیمے سے نہیں ہٹا ہوں۔ جب تک زندگی میں سانس کی آمد و رفت

باقی تھی' میں آپ کے دروازے پر کھڑا رہا' ڈٹا رہا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: زیاد! تو

خوش ہو جا کہ تو نے بھی اپنے وعدے کو پورا کیا اور محمد کا رب بھی اپنے وعدے کو پورا کر

رہا ہے۔ یہ کہا اور زیاد رضی اللہ عنہ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ حضور ﷺ نے پیار

سے زیاد کا سر زمین پر رکھا۔ صحابہ کا جمگھٹا' آنکھوں میں آنسو اس منظر کو دیکھ رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا: ساتھیو! تم نے میرے محب کا آخری وقت دیکھا ہے؟

صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ (ﷺ) دیکھا۔ فرمایا: تمہیں کیا معلوم ہے کہ جبریل نے

آ کے مجھے خبر دی' رب نے حجابات اٹھائے اور میں نے دیکھا کہ زیاد کی روح کے

استقبال کے لیے اللہ نے جنت کے آٹھوں دروازوں کو کھول دیا ہے۔"

(خطبات علامہ احسان الٰہی ظہیر ص: 59-62)

یہ تو سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کے عم گرامی کا حال تھا۔ اور اسی روز ان کے

بھائی عامر نے تو اپنے جسم کو اللہ کے رسول ﷺ کے

سامنے ڈھال بنا لیا تھا۔ انہوں نے بھی اللہ

کے رسول ﷺ کے

قدموں میں جام شہادت پیا تھا۔ ایک
ایسے گھرانے کی بیٹی جس کے باپ، بھائی اور چچا نے
اپنی جانیں اللہ کے رسول ﷺ پر قربان کی ہوں، ان کی تربیت
اس انداز میں ہوئی کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ سے شدید محبت کرنے والی
تھیں۔ وہ بلا کی ذہین اور فطین خاتون تھیں۔ جیسا کہ پہلے گزرا وہ بلاغت اور
خطابت میں بڑی مشہور تھیں حتی کہ ان کو ''خطیبة النساء'' کا لقب دیا گیا۔ وہ اللہ
کے رسول ﷺ سے بلا خوف وتردد گفتگو کرتیں اور دین کے معاملے میں بلا جھجک
سوال کرتیں۔ خواتین کے خاص مسائل کے حوالے سے وہ اللہ کے رسول ﷺ سے
وضاحتیں چاہتیں حتی کہ اللہ کے رسول ﷺ ان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کر دیتے کہ
وہ ان کی وضاحت کر دیں۔ اسی لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی طرف
اشارہ کر کے فرمایا تھا:

«نِعْمَ النِّسَاءُ نِسَاءُ الْأَنْصَارِ لَمْ يَكُنْ يَمْنَعُهُنَّ الْحَيَاءُ أَنْ يَسْأَلْنَ عَنِ الدِّينِ وَيَتَفَقَّهْنَ بِهِ».

''انصار کی عورتیں بہترین خواتین ہیں کہ دین کے بارے میں سوال اور
دین کی سمجھ حاصل کرنے میں انہیں حیا مانع نہیں ہوتی۔''

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا علم حاصل کرنے کے لیے ہر وقت
تیار رہتی تھیں۔ کوشش ہوتی کہ کسی نہ کسی
طرح اللہ کے رسول

ﷺ کی مجلس میں کچھ وقت گزر جائے

تا کہ علم حاصل کر سکیں۔ ان کو عورتوں میں "فقیہه"

کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔

محبت کا یہ عالم کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ کی اونٹنی

"العضباء" کی نکیل تھام کر چلنے لگیں۔ خود فرماتی ہیں کہ میں نے آپ کی

اونٹنی کی نکیل تھامی ہوئی تھی جب آپ ﷺ پر سورۃ المائدہ نازل ہوئی۔ آپ ﷺ

اونٹنی پر سوار تھے جب وحی کا نزول ہوا۔ وحی کی شدت کی وجہ سے:

«فَكَادَتْ مِنْ ثِقَلِهَا تَدُقُّ بِعَضُدِ النَّاقَةِ».

"آپ ﷺ کی اونٹنی کا بازو شدید بوجھ کے باعث ٹوٹنے کے قریب ہو گیا۔"

(مسند احمد: 455/6)

وہ ان خوش قسمت خواتین میں شامل ہیں جن کو اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی زبان

اقدس سے جنت کی خوشخبری دی تھی۔ یوں تو عورتوں کے احکامات قرآن میں بڑے

واضح ہیں مگر اسماء رضی اللہ عنہا ان خواتین میں شامل ہیں جن کے بارے میں قرآن مجید

نازل ہوا۔

ہوا یوں کہ ان کو طلاق ہو گئی۔ اس وقت تک مطلقہ کی عدت کے

بارے میں کوئی حکم موجود نہ تھا' چنانچہ حکم ربانی نازل ہوا:

﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ﴾

''طلاق یافتہ عورتیں تین مہینے انتظار کریں۔''

اللہ کے رسول ﷺ بھی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی علم سے محبت اور تحصیل علم کے شوق سے خوب واقف تھے۔اسی لیے وہ ان کو نصیحت بھی فرماتے اور ان کے سوالات کا جواب بھی ارشاد فرماتے۔اسی نصیحت کا ایک واقعہ حدیث شریف میں مذکور ہے۔

ابن عساکر راوی ہیں کہ اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ مسجد میں تشریف لائے۔مسجد کے ایک کونے میں عورتیں جمع تھیں جن میں میں بھی شامل تھی۔عورتوں نے آپس میں گفتگو شروع کر دی اور آہستہ آہستہ شور بلند ہونے لگا۔جب شور بڑھا تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

«يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ أَنْتُنَّ أَكْثَرُ حَطَبِ جَهَنَّمَ».

''اے عورتوں کی جماعت! تم میں سے اکثر جہنم کا ایندھن بنیں گی۔''

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے جب یہ الفاظ سنے تو رہ نہ سکیں۔جیسا کہ پہلے ذکر ہوا وہ اللہ کے رسول ﷺ سے سوال کرنے میں بڑی دلیر اور بہادر تھیں۔

فوراً عرض کیا: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! اس کی وجہ کیا ہے؟

ارشاد ہوا:

«إِنَّكُنَّ إِذَا أُعْطِيتُنَّ لَمْ تَشْكُرْنَ وَإِذَا ابْتُلِيتُنَّ لَمْ

تَصْبِرْنَ، وَإِذَا أُمْسِكَ عَنكُنَّ

شَكَوْتُنَّ وَإِيَّاكُنَّ وَكُفْرَ الْمُنْعِمِينَ».

''تم وہ ہو جب تمہیں کوئی عطیہ دیا جاتا ہے تو شکر ادا نہیں کرتیں اور جب کوئی آزمائش آتی ہے تو صبر نہیں کرتیں اور جب کوئی چیز روک لی جاتی ہے تو شکوہ کرنے لگ جاتی ہو۔ اور ہاں خبردار، منعمین کی ناشکری نہ کرنا''

کہنے لگیں: دوسری باتوں کی سمجھ تو آ گئی لیکن یہ منعمین سے کیا مراد ہے؟ ارشاد ہوا:

«اَلْمَرْأَةُ تَكُونُ تَحْتَ الرَّجُلِ قَدْ وَلَدَتِ الْوَلَدَيْنِ وَالثَّلَاثَةَ فَتَقُولُ: مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ».

''عورت شادی شدہ ہے، اس کے اپنے خاوند سے دو یا تین بچے بھی ہو گئے۔ (خاوند سے ذرا ناراض ہوئی) تو کہتی ہے: میں نے تمہارے گھر میں کبھی خیر نہیں دیکھی۔''

(یہاں منعمین یعنی احسان کرنے والوں میں شوہر شامل ہیں۔)

آپ ﷺ نے یہ کلمات عورتوں کی اصلاح احوال کے لیے ارشاد فرمائے تھے، اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ تمام عورتیں ایسی ہوتی ہیں۔ یقیناً مسلمان عورتوں کی ایک بہت بڑی تعداد ایسی ہے جو خاوند کی نہایت فرمانبردار اور شکر گزار ہوتی ہیں اور باوجود تنگی و ترشی کے نہایت سکون سے زندگی گزارتی ہیں۔

جیسا کہ پہلے

گزرا اسماء رضی اللہ عنہا اللہ کے رسول

ﷺ سے شدید محبت کرنے والی خواتین میں سے

تھیں۔ ایک مرتبہ ان کو اللہ کے رسول ﷺ کی میزبانی کا شرف

حاصل ہو گیا۔ کھانا تیار کیا اور پھر نہایت محبت سے عرض کرتی ہیں: «بِأَبِي

وَأُمِّي تَعِشْ». ”میرے ماں باپ آپ پر قربان' آپ لمبی عمر پائیں“ اور پھر

کھانا پیش کیا۔ آپ ﷺ نے اور صحابہ کرام نے کھانا تناول کیا۔ اللہ کے رسول

ﷺ نے ان کے گھر میں مشکیزے کو منہ لگا کر پانی پیا۔ انہوں نے اس مشکیزے کو

محفوظ کر لیا۔ اس کو خوشبو میں بسایا اور پھر خود فرماتی ہیں:

«كُنَّا نَسْقِي مِنْهَا الْمَرِيضَ وَنَشْرَبُ مِنْهَا رَجَاءَ الْبَرَكَةِ».

”ہم اس مقدس مشکیزے کا پانی خود بھی پیتے اور مریضوں کو بھی پلاتے کہ اللہ کے رسول

ﷺ کی برکت حاصل ہو۔“ (واضح رہے کہ تبرک کا یہ عمل صرف اللہ کے رسول

ﷺ کے ساتھ مختص تھا۔ ان کے بعد امت کے کسی فرد کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں

ہے۔)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا محض عالمہ، فاضلہ، فقیہہ اور خطیبہ ہی نہیں تھیں بلکہ

خواتین کے دنیاوی امور کے حوالے سے بھی بے حد سمجھدار تھیں۔

آیئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے حوالے سے ایک

حدیث کا مطالعہ کرتے ہیں۔

حضرت اسماء

رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کے وقت ان کا بناؤ سنگار کیا اور پھر آپ ﷺ کے پاس آئی اور آپ کو اندر آنے کے لیے کہا۔ آپ اندر تشریف لائے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پہلو میں تشریف فرما ہو گئے۔ نبی ﷺ کو دودھ پیش کیا گیا اور آپ ﷺ نے اس میں سے کچھ پیا اور بقایا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے کیا۔ انہوں نے حیا کے مارے اپنی گردن کو جھکا لیا۔ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو محبت بھرے انداز میں سرزنش کی اور کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ کے ہاتھ سے پیالہ پکڑ لو۔ اب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دودھ کا پیالہ پکڑ لیا اور اس میں سے کچھ پیا۔ پھر اللہ کے رسول ﷺ نے ان سے کہا کہ اب اسے اپنی سہیلیوں کو دے دو۔ میں نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول (ﷺ)!

«بَلْ خُذْهُ فَاشْرَبْ مِنْهُ ثُمَّ نَاوِلْنِيهِ مِنْ يَدِكَ»

''آپ اس پیالے کو پکڑیے' اس میں سے کچھ دودھ پیجئے اور باقی مجھے عطا فرمایئے۔'' «فَأَخَذَهُ فَشَرِبَ مِنْهُ ثُمَّ نَاوَلَنِيهِ» ''چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اس میں سے کچھ دودھ پیا اور باقی مجھے عطا فرما دیا۔''

اب حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی محبت اور عقیدت کا اندازہ کیجیے۔ کہتی ہیں:

«فَجَلَسْتُ ثُمَّ وَضَعْتُهُ عَلَى رُكْبَتِي ثُمَّ طَفِقْتُ أُدِيرُهُ»

102

وَأَتْبَعُهُ بِشَفَتِي لِأُصِيبَ مِنْهُ مَشْرَبَ النَّبِيِّ ﷺ.

’’میں نے پیالے کو اپنے گھٹنے پر رکھ لیا اور اس کو ادھر ادھر گھمانا شروع کر دیا اور اس جگہ کو تلاش کرنے لگی جہاں آپ ﷺ کے مبارک ہونٹ لگے تھے کہ مجھے آپ ﷺ کے لعاب دہن کا کوئی حصہ میسر آ جائے۔‘‘

(مسند احمد: 458/6)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نہایت بہادر خاتون تھیں۔ یہ عورتوں کو صرف وعظ ہی نہ کرتیں بلکہ بیماروں کی مرہم پٹی بھی کرتی تھیں حتی کہ خود میدان جنگ میں باقاعدہ شرکت فرماتیں۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یرموک کی جنگ میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ان خواتین میں شامل تھیں جو اس جنگ میں مجاہدین کی حوصلہ افزائی اور مرہم پٹی کے لیے ساتھ آئی تھیں۔ اس روز اس جنگ میں خواتین نے بھی مردوں کے شانہ بشانہ شرکت کی اور بہت سے رومیوں کو قتل کیا۔ اگر کوئی مسلمان مجاہد میدان جنگ سے پیچھے ہٹتا یا کمزوری دکھاتا تو یہ عورتیں اس کو کنکریاں مارتیں، زجر و توبیخ کرتیں اور اس سے کہتیں: ارے! تم کہاں ہو؟ کیا کر رہے ہو؟ ہمیں تو رومیوں کے مقابلے کے لیے لائے تھے اور خود پیچھے بھاگ رہے ہو۔ اب اس قسم کے الفاظ سن کر کون مرد تھا جو

پیچھے رہتا' فوراً آگے بڑھتا اور دیوانہ وار دشمن کی صفوں میں گھس جاتا۔

امام ابن حجر رحمہ اللہ نے الاصابہ میں ذکر کیا ہے کہ اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا نے معرکہ یرموک میں شرکت کی اور اپنے خیمے کے عمود سے 9 رومیوں کو قتل کیا۔

امام ذہبی رحمہ اللہ اس واقعے کی تائید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس روز اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنے خیمے کے ستون سے نو رومیوں کو قتل کیا تھا۔

اس طرح اس مجاہد خاتون نے جہاد' علم' عمل اور دین سیکھنے سکھلانے میں ساری زندگی گزار دی۔ لمبی عمر پائی۔ وہ آخری دور میں شام منتقل ہوگئی تھیں۔ وہاں بھی حدیث کا علم لوگوں تک پہنچاتی رہیں۔ ان سے 181 احادیث مروی ہیں۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان کے دور خلافت میں 69 ہجری میں وفات پائی اور دمشق میں مدفون ہوئیں۔ (رضی اللہ عنہا)

سنہری کرنیں

عورت کی شخصیت کے ایسے
تمام پہلو جن میں اس کی ذہانت' شجاعت'
تقوی' پرہیزگاری اور بہادری ظاہر ہوتی ہو' اس
کتاب کی زینت ہیں' جن کے مطالعے سے نہ صرف
تمام خواتین اور بچیوں میں بہتری کا ایک نیا ولولہ اور جذبہ
پیدا ہوگا بلکہ مطالعہ کرنے والے مردوں کو بھی اس بات کا
بخوبی اندازہ ہوجائے گا کہ شجاعت' ذہانت اور صبر و تحمل
کی صفات کس طرح بھرپور انداز میں عورتوں میں
بھی موجود رہتی ہیں۔